د برخې نتیجه

دی

تقویم ۱۳۴۶

اردو لغت نویسی
کا
تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر مسعود ہاشمی

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

URDU LUGHAT NAVESI KA TANQEEDI JAIZA

By

DR. MASOOD HASHMI

سنہ اشاعت: جولائی، ستمبر — 1992 شک 1914

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پہلا اڈیشن: 2000

قیمت: 30

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 678

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی-110066

طابع: جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لئے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لئے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں، تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقاء کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مسلم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبے میں اردو انسائیکلوپیڈیا، ذولسانی اور اردو۔اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی اردو بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

فہمیدہ بیگم

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست

1۔ انتساب :- 9

2۔ تعارف :- 11

3۔ مقدمہ :- 17

4۔ باب اول :- اردو لغت نویسی کا تاریخی پس منظر 21

5۔ باب دوم :- اردو، اردو لغت نویسی کا دور اول 66

6۔ باب سوم :- اردو، اردو لغت نویسی کا دور دوم 117

7۔ باب چہارم :- اردو، اردو لغت نویسی کا دور سوم 153

8۔ اختتامیہ :- 231

9۔ کتابیات :- 233

انتساب

میں اپنی اس پہلی علمی کاوش کو
والد محترم مولانا محمد عبدالحق مرحوم کے نام
نامی سے منسوب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا
ہوں کیوں کہ وہ زبردست علمی بصیرت کے حامل
ہونے کے ساتھ ساتھ میرے لیے ایک مکمل انسان بھی تھے
اور جن کے انتقال نے مجھے پہلی بار
موت کے برحق ہونے
کا یقین دلایا

تعارف

انسانی احساسات و جذبات اور خیالات کا اظہار صرف ایک فطری تقاضہ ہی نہیں، ایک سماجی ضرورت، اور پسندیدہ، مہذب اور موثر معاشرتی عمل بھی ہے، جس کا دائرہ فرد سے فرد، فرد سے جماعت، جماعت سے سماج، سماج سے عالمی برادری اور عالمی برادری سے کل کائنات تک پھیلا ہوا ہے۔ زبان دراصل اسی بامعنی اظہار کا وسیلہ ہے اور اگر عمرانیاتی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو ایک قابلِ فہم رشتۂ اتحاد بھی ہے۔

حیات اور کائنات اور خود انسان اور انسانی تہذیب و ثقافت سے متعلق آج تک کے مستند، معتبر، اور محکم نظریات اور فلسفوں کا عطر کشید کیا جائے اور پھر اس جوہر نامیاتی کا تجزیہ کیا جائے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، انسان حیوانِ ناطق ہے اور انسان سماجی حیوان ہے۔ حیاتیاتی اور مابعد الطبیعاتی حقائق سے یہ استنباطِ معروضی، احساسات و جذبات، خیالات و افکار، اظہار و ابلاغ سے لے کر، عرفان اور الہام تک منزلوں پر بھی محیط ہے۔ جس کا سلسلہ ما فی الضمیر کی گہرائیوں سے لے کر، ماورائے شعور کی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔ اس طرح زبان کی نشوونما، لغت کی تشکیل و تدوین محض ایک علمی اور ادبی ضرورت ہی نہیں، بلکہ سماجیاتی نظامِ زندگی اور مہذب انداز معاشرت کے ارتقاء کی حاجت کی صورت میں اور نتیجے کے طور پر بھی ایک لسانیاتی تفاعل اور لسانیاتی ارتباط و اجتہاد بن کر نمایاں ہوتی ہے۔ اظہار کے تجرد اور

مرکب اشاروں اور علامتوں کے دور سے لے کر حروف والفاظ اور پھر کتب اور انسائیکلوپیڈیا، بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھیں تو، کمپیوٹر تک ـــــ زبان، اور علم و ادب اور فن و فکر کے تانے بانے ہیں حروف و صوت کی صورتوں میں مفاہیم اور مطالب ہیں اور بالواسطہ طور پر ذخیرۂ علوم و فنون کے بھی حال و قالب ہیں۔

بولیاں جب زبانیں بن جاتی ہیں تو ضبطِ تحریر سے آشنا ہو جاتی ہیں۔ بولنے والوں کا پھیلاؤ، وسعتیں اور کشادگیاں لاتا ہے۔ ضروریاتِ زندگی اختراعات اور استعمالات کی موجب بن جایا کرتی ہیں۔ رسم و رواج میں تنوع اور تبدیلی نئے نئے اندازِ فکر اور سوجھ بوجھ کے نئے سانچے گھڑتی ہے۔ ادبی تخلیقی سرگرمیاں نئے پیرائے اور نئے سلیقے پیش کرتی ہیں۔ ساتھ ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہوئی ترقیات اور ایجادات بھی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ادب کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔ اس طرح علمی و فنی اور سماجی و تہذیبی اختلاط اور ارتباط سے ذخیرۂ الفاظ میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کچھ حصہ معیار بندی کی نذر ہو جاتا ہے اور کچھ حصہ متروک بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن نئے تصورات، نئے خیالات اور نئے نظریات کی ترجمانی اور ان کی ترسیل کسی دریا کے بہاؤ کی طرح رواں دواں رہتی ہے۔ استرداد اور ایجاب و قبول ہی بنیادی طور پر کسی زبان کی لغت کی شانِ نزول ہوتی ہے۔

لغت کی بالعموم دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی صورت میں کسی زبان کی لغت اس کے بولنے والوں کی یادداشت میں محفوظ ذخیرۂ الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جس میں روزمرہ، محاورے ضرب الامثال اور کہاوتیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ دوسری لغت وہ ڈکشنری ہے جو کتابی صورت میں ہوتی ہے اور اس میں کسی زبان کے مذکورہ بالا ذخیرۂ الفاظ کو اُن کی فصاحت و بلاغت اور اُن کے معنی و مفہوم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

جہاں عام بول چال اور پھر تصنیف و تالیف کے دوران، الفاظ اور تراکیب اور اصطلاحوں کو برتتے وقت صحتِ زبان اور صحیح محلِ استعمال کا بھی لحاظ

رکھا جانا ضروری ہے، وہیں لغت کی ترتیب اور تدوین کے دوران انتخاب و اندراج کے مراحل میں بھی صحتِ زبان کی اساسی ضرورت کے علاوہ صوری و معنوی طور پر بھی صحتِ املا و انشاء اور قواعدی حیثیتوں کا بھی ایک مستند اور محکم معیار ہونا لازمی ہے۔ ورنہ کسی بھی ایسی لغت کو نہ تو مستند مانا جائے گا اور نہ ہی اس کو قابلِ قبول سمجھا جائے گا۔ بہرکیف لغت نویسی کی ابتدا اسی طرح اور اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔

اردو میں لغت نویسی کا سلسلہ ابتدا سے ہی ملتا ہے۔ یہ سلسلہ خالق باری، اور واحد باری، وغیرہ سے شروع ہوکر ترقی اردو بیورو، حکومتِ ہند، اور اردو لغت بورڈ پاکستان کے زیر اہتمام جدید علم لسانیات اور سائنٹفک اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی جانے والی لغات تک ملتا ہے۔

دکنی عہد اور اردوئے قدیم کے زمانے کی منظوم اردو لغات اور انگریزی تسلّط کی ابتدا میں عیسائی مشنریوں کی جانب سے مرتب کی گئی لغات اور پھر اُن کے بعد انفرادی اور ادارہ جاتی کام بھی یقیناً قابلِ ذکر ہے ہی، مگر ان میں ایک بات مشترک رہی ہے اور وہ یہ کہ ایسی ساری کاوشیں زیادہ تر انفرادی سطح پر ہی ہوئی ہیں جن میں علم اور دیگر معلومات کا ایک شخص کی ذات سے وابستہ رہنے یا اس میں پنہاں رہنے کا بھرم ان عظیم کارناموں کے لیے بہت زیادہ اچھا اور پسندیدہ معیار قرار نہیں پاتا۔ تاہم فرہنگِ آصفیہ، نوراللغات، جامع اللغات اور لغاتِ کشوری جیسے قابلِ قدر کارناموں کی اہمیت اور افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ زبانیں آج علم و ادب، تہذیب و تمدن، سائنس اور حکمت کے جس قدر وسیع تناظر سے مربوط ہیں، اس سے پہلے شاید کبھی نہیں رہیں۔ ساتھ ہی لسانیاتی لین دین کی سطح اونچا بھی ہوئی ہے اور کشادہ بھی! ایسے میں انفرادی کوششوں کے مقابلے میں ادارہ جاتی کوشش اپنی جامعیت اور ہمہ گیری کی وجہ سے پسندیدہ قرار پاتی ہیں اور معتبر بھی! بہرحال یہ علم لغت نویسی کا ایک ارتقائی منظر نامہ ہے۔ ایسے میں ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی کتاب "اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ" ایک اہم علمی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔

میں نے زیرِ نظر کتاب کے متن کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے بڑی عمدگی سے لغات نویسی کے تاریخی ارتقاء کے پس منظر میں آج کے عہد کے مسائل کو بھی دیکھا ہے اور علمی انہماک سے تحقیقی مواد کے ساتھ مدلل بحث بھی کی ہے۔ یہ اپنے موضوع اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے واقعی بڑی محنت اور لگن سے کیا گیا تحقیقی کام ہے جس کی خصوصیت معروضی انداز کا تقابلی مطالعہ اور تجزیاتی پیش کش ہے۔

ڈاکٹر مسعود ہاشمی سے میں اس وقت سے واقف ہوں جب وہ ترقی اردو بیورو کی لغت کی تیاری کے اہم منصوبے کے تحت پروفیسر مسعود حسین خان کے ساتھ جلد سوم کی تدوین میں ریسرچ افسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ پروفیسر مسعود حسین خان جیسے مقتدر استادِ زبان و ادب، اور ماہر لسانیات کی نگرانی میں ڈاکٹر مسعود ہاشمی کے لسانیاتی شعور کو جلا ملی۔ لغت نویسی کے سائنٹفک اصولوں سے آگہی اور علمی تربیت ملی اور یہ رشتہ مضبوط تر ہوتا گیا۔ بالآخر انھوں نے لغت نویسی کے شعبے کو اپنی خصوصی دلچسپی کے میدان کے طور پر منتخب کیا اور پھر اسی میں برس ہا برس ریسرچ بھی کی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی مدون کی ہوئی دو لغات ؛ ہندی۔ اردو شبد کوش اور اردو۔ ہندی عملی لغت مرکزی حکومت کے ایک اہم ادارے سنٹرل ہندی ڈائریکٹوریٹ سے شائع ہو چکی ہیں۔

اس کتاب میں اردو لغت نویسی کی ابتدا کی نشان دہی منظوم نصاب ناموں سے کی گئی ہے اور خاص طور پر اردو۔ اردو لغت نویسی کا جائزہ لیتے ہوئے علمی معائب اور محاسن کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے اپنی تحقیق کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگرچہ ہر لغت نگار نے تدوینِ لغت کی بنیادی غایت زبان و بیان کی فصاحت کی حفاظت بنایا ہے۔ مگر یہ ان کے اپنے ذاتی علم، معلومات، مشاہدے، مطالعے اور تجربے کی حد تک ہی محدود رہی ہے۔ مہذب اللغات کے ماسوا دوسری تقریباً سبھی لغات میں اسناد اشعار کی شکل میں دی گئی ہیں جب کہ دوسرا طریقہ بھی اپنایا جا سکتا تھا اور

نثر پاروں سے بھی مدد لی جا سکتی تھی۔ بیشتر لغات میں الفاظ کی اصل شکل اُن کے استعمال کی بنیاد پر طے کی گئی ہے، مگر ان کے لسانی مآخذ پر گہری بصیرت کے ساتھ توجہ نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے نہ تو الفاظ کے حقیقی مآخذوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی املا اور تلفظ کے تعین سے انصاف کیا جا سکتا ہے۔ مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ بیشتر صورتوں میں تدوین لغات کے کام کا دار و مدار لغات سے لغت نقل کرنے پر ہی رہا ہے اور زبان کے نئے سرمائے اور معاصر ادب پاروں کی طرف توجہ کچھ کم ہی دی جاتی رہی ہے۔ مصنف نے اگرچہ اردو کی اہم لغات کا تنقیدی جائزہ ان اصولوں اور قواعد و ضوابط کی روشنی میں لیا ہے۔ جو خود ان لغات کے مولفین نے طے کیے تھے اور انھیں برتنے کی کوشش کی مگر مسعود ہاشمی صاحب نے مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ مذکورہ مولفین نے بیشتر صورتوں میں اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی نہ تو پابندی ہی کی ہے اور نہ ہی اپنے ہی اختیار کردہ طریقوں سے انصاف کیا ہے۔ آخر میں فاضل مصنف نے ڈاکٹر عبدالحق کی لغتِ کبیر اردو، اور پاکستان میں زیر اشاعت اردو لغت، کا جس انداز سے جائزہ لیا ہے وہ اردو لغت نویسی کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح اُن خامیوں کو دور کیا جا سکتا ہے جن کو دور کرنا زیادہ مشکل نہیں۔

بہر حال تحقیقی مواد اور علمی مباحث کی جامعیت اور استخراجِ نتائج کے معروضی انداز کی وجہ سے یہ کتاب اردو لغت نویسی کی تاریخ میں ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے علمی اور ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ابوالفیض سحر
سروجنی نگر، — نئی دہلی

مقدمہ

اس تحقیقی مقالے کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ کہ اس انداز سے اردو۔اردو لغت نویسی کا جائزہ تاحال نہیں لیا گیا ہے۔ متفرق مضامین تو مختلف لغات پر ملتے ہیں لیکن اردو کی تمام اہم لغات کا مسلسل اور تفصیلی جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا تھا۔ اس تحقیقی مقالے میں اردو۔اردو لغات کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت جانب داری سے قطعاً کام نہیں لیا گیا ہے۔ مؤلفینِ لغات کی محنت کو سراہا گیا ہے اور ان کی مدوّن کردہ لغات میں جو اصولی خامیاں رہ گئی ہیں ان کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ تنقیدی معیارات قائم کرتے وقت میں نے لغت نویسی کے عالمی معیار (مثلاً آکسفورڈ اور ویبسٹر کی ڈکشنریوں) کے اصولِ لغت نویسی سے استفادہ کیا ہے۔ یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔

اس مقالے کے پہلے باب میں ان منظوم لغاتی نصاب ناموں کا جائزہ لیا گیا ہے جو ابتدا میں فارسی کے ذریعے اردو الفاظ کے معنی کی وضاحت کے لیے ترتیب دیے جاتے رہے تھے۔ اس باب کا خاص تحقیقی نکتہ یہ ہے کہ پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر عبدالحق کی رائے کے علی الرغم یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان لغاتی نصاب ناموں کی تالیف کا مقصد فارسی زبان کے الفاظ کی تعلیم دینا نہیں تھا۔ ان لغاتی نصاب ناموں کی تشریحی زبان ابتداً اردو (ہندوی) کی بجائے فارسی ہے، اس لیے ان نصاب ناموں کی تالیف کا اصل مقصد فارسی کے ذریعے اردو (ہندوی) الفاظ کی تعلیم دینا تھا۔ ان لغاتی نصاب ناموں کو اس مقالے میں اردو لغت نویسی کا نقشِ اوّل کہا گیا ہے۔

اس مقالے کے دوسرے باب میں اردو۔ اردو لغت نویسی کے دورِ اوّل (' فرہنگِ آصفیہ ' نیز ' امیر اللغات ') کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان دونوں اہم لغات کے مؤلفین نے لغت نویسی کا میدان، ایک جامع اور مکمل لغت کی تیاری کی بجائے زبان کے تحفظ کے مقصد سے اختیار کیا تھا۔ ' فرہنگِ آصفیہ ' کے مؤلف کو تو ہندوستانی اور مغربی، یعنی دونوں ہی طرح کی لغت نویسی کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا جب کہ امیر مینائی صرف اپنے جذبۂ لغت نویسی کے بوتے پر ہی اس میدان میں کود پڑے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لغت نویسی کے بنیادی اصولوں سے انصاف نہ کر سکے۔ ' فرہنگِ آصفیہ ' اگر تحفظِ زبان کے جذبے کی بھینٹ چڑھ کر عوامی، بازاری اور غیر معیاری اندراجات اور کافی حد تک غیر ضروری بلکہ قاموسیائی معنی کا " ملغوبہ " بن گئی تو ' امیر اللغات ' اس لحاظ سے لغت کے دائرے سے تجاوز کر گئی کہ اس میں اندراجات کے تلفظ اور اشتقاقیات پر زور دینے کی بجائے اندراجی الفاظ کی صفات اور تشبیہات کی تلاش پر ہی ساری توانائی صرف کر دی گئی۔

تیسرے باب میں ' فرہنگِ آصفیہ ' اور ' امیر اللغات ' کے بعد شروع ہونے والے اردو۔ اردو لغت نویسی کے دوسرے دور کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دور میں زبان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ تنقیدِ لغت کا عمل بھی در آیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو لغت نویسی جدید اصولوں سے ہم کنار تو کیا ہوتی وہ علاقائیت پر مبنی معیارات کے محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئی۔ اس تنقیدِ لغت کی ابتدا نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے کی۔ چنانچہ اس دوسرے دور کی دو اہم لغات ' جامع اللغات ' اور " نور اللغات " میں یہ علاقائیت ابھر کر سامنے آئی۔ آخر الذکر یعنی ' نور اللغات ' میں یہ کرم کیا گیا کہ غیر لکھنوی سرمایۂ زبان کو غیر معیاری یا چلن سے باہر قرار نہ دے کر انھیں یا تو متروک بتایا گیا یا پھر انھیں اپنی لغت سے باہر ہی رکھا گیا۔ دوسرے اس بات کی دانستہ کوشش کی گئی کہ سند صرف لکھنؤ کے شعراء کے کلام سے ہی پیش کی جائے۔ دوسری طرف سابق الذکر، یعنی ' جامع اللغات ' کو غیر اردو اندراجات کا " جامع " بنا کر رکھ دیا گیا۔ ان لغات کے ذریعے نقلِ لغت کے ساتھ ساتھ نقلِ معنی کی روایت بھی قایم ہو گئی جس کی وجہ سے تحقیقِ لغت کا فقدان ملتا ہے۔

اس مقالے کے چوتھے باب میں جدید دور کی لغات، یعنی 'مہذب اللغات'، 'لغت کبیر اردو' (مولوی عبدالحق)، اردو لغت بورڈ، پاکستان کی زیرِ اشاعت 'اردو لغت' اور ترقی اردو بیورو، حکومت ہند کی زیرِ تدوین لغت، کا جائزہ لغت نویسی کے جدید اصولوں کی روشنی میں لیا گیا ہے جس کی بنا پر اس باب کو اس مقالے کا سب سے اہم حصّہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ 'مہذب اللغات' چونکہ لکھنؤ میں تالیف کی گئی لغت ہے، اس لیے اس پر علاقائیت پر مبنی معیار بندی حاوی رہی ہے اور لغت کے تمام مشمولات کے سلسلے میں ذاتی رائے کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس لغت میں لغت نویسی کے جدید اصولوں سے اس حد تک بیگانگی کا مظاہرہ ملتا ہے کہ ایک ہی متحد الاصل اور قریب المعنی الفاظ کو بھی دسیوں بار الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی 'لغت کبیر' کے ذریعے اردو کی ایک جامع اور مبسوط لغت کا منصوبہ پیش کیا تھا اور کچھ حصّے مدوّن کر کے شائع کرنا بھی شروع کر دیے تھے۔ یہ شائع شدہ حصّے اور پھر اس کی پہلی جلد اردو لغت نویسی کا بیش قیمت سرمایہ اور ہدایتی اصول ثابت ہوئے۔ ان کے اس منصوبے کی روشنی اور بنیاد پر پاکستان میں یہ کام شروع ہوا مگر اس کے لیے جس لسانیاتی وسعت نظری کی ضرورت تھی وہ حاصل نہ ہو سکی جس کے نتیجے میں 'اردو لغت بورڈ' پاکستان کی زیرِ اشاعت لغت میں بھی اندراجات کے تلفظ کی نشاندہی اور ان کی اشتقاقیات کا حصّہ کافی حد تک کمزور محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال اپنے مشمولات کی جامعیت، اسناد کی فراہمی اور الفاظ کے استعمال کے تاریخی ارتقاء کی نشان دہی کے سلسلے میں یہ لغت اردو کے لیے ایک اہم سرمایہ ثابت ہوگی۔ ترقی اردو بیورو، حکومت ہند کی زیرِ تدوین لغت تا حال دفتری رکاوٹوں کا شکار رہتی آ رہی ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی پہلی ہی جلد کب تک منظرِ شہود پر آ سکے گی۔ تاہم اس کی تیار شدہ تیسری جلد کے مسودے کی روشنی میں اس لغت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس لغت کی خاص بات یہ سامنے آئی ہے کہ اس میں، پاکستان میں زیرِ اشاعت 'اردو لغت' کے برخلاف تلفظ کی نشاندہی کے لیے بہت ہی آسان اور قریب مکمل ادائیگی والا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ کہ اس میں سنسکرت الاصل یا دیشج (غیر سنسکرت مقامی)

الفاظ کی اشتقاقیات کے ذریعے اردو لغات کی ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اس لغت میں بھی کچھ ایسے اندراجات ملتے ہیں جنھیں لغاتی اندراجات کے خانے میں رکھنا مشکل ہے۔

اس مقالے کے اختتامیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اردو کی کوئی بھی لغت، لغت سازی کے عالمی معیاروں پر پوری نہیں اترتی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو کے سارے جدید و قدیم متون ابھی تک سائنسی انداز میں مرتب نہیں کیے جا سکے ہیں۔ بہر حال پاکستان میں زیر اشاعت اردو لغت، اور ترقی اردو بیورو کی زیر تدوین لغت میں اختیار کردہ طریقۂ کار کی بنیاد پر یہ توقع قائم کی گئی ہے کہ چونکہ اب اردو میں بھی لغت سازی کے جدید اور سائنسی اصولوں پر لغت نویسی شروع ہو گئی ہے اس لیے اردو کا دامن بھی جلد یا بدیر ایک ایسی جامع اور مبسوط لغت سے مالا مال ہو جائے گا جو لغت سازی کے عالمی معیارات کی حامل ہوگی۔

یہ تحقیقی مقالہ پروفیسر مسعود حسین خان کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ پروفیسر موصوف نہ صرف مشہور ماہر لسانیات اور اردو کے مسلّم دانشور ہیں بلکہ متلاشیانِ علم و تحقیق کے مشفق اور مخلص رہنما اور معاون بھی ہیں۔ یہ میری جو بھی کاوش ہے پروفیسر مسعود حسین کے ہی فیضانِ نظر کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر ڈاکٹر محمد ذاکر اور پروفیسر ڈاکٹر شمیم حنفی نے میری اس طرح قدم قدم پر دستگیری کی ہے کہ اگر ان حضرات کی یہ شفقت مجھے حاصل نہ ہوتی تو میرا یہ تحقیقی مقالہ شاید ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ پاتا۔ ان کے علاوہ جناب پروفیسر حنیف کیفی، جناب شہاب الدین انصاری (لائبریرین، جامعہ ملیہ اسلامیہ) جناب شاہد علی خان مکتبہ جامعہ اور جناب عبد اللطیف اعظمی کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ ان حضرات کی ذات میرے لیے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔ اور یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ اس مقالے کی تیاری میں مجھے نور جہاں کی رفاقت شروع سے ہی حاصل رہی ہے۔

(ڈاکٹر مسعود ہاشمی)

باب اوّل

اردو لغت نویسی کا تاریخی پس منظر

لغت نویسی یعنی الفاظ کے تحفظ اور ان کی تشریح و توضیح کے پس پشت کبھی مذہب کارفرما رہا ہے تو کبھی سیاست! اس سلسلے میں کبھی کبھی ادب نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے چنانچہ وہ علاقے جہاں ایک سے زائد زبانیں اس طرح چلن میں رہیں کہ کسی ایک زبان کو دوسری زبانوں پر برتری حاصل نہیں ہو پائی، یا جہاں کبھی کسی عظیم مذہب نے جنم نہیں لیا یا جہاں عظیم ادب تخلیق نہیں ہوا، وہاں لغت نویسی کا بھی فقدان نظر آتا ہے لغت نویسی کی ابتدا کے ان تینوں عوامل، یعنی مذہب، سیاست اور ادب میں مذہب کو سب سے زیادہ اہمیت اس لیے حاصل رہی کہ یہ ایک ناگزیر طاقت کی صورت میں کسی خاص زبان یا بولی کو اپنی ترجمان کی حیثیت میں ایک محدود دائرے سے باہر نکال کر ایک وسیع تر علاقے پر مسلط کرتا رہا ہے۔ چنانچہ بدھ تعلیمات سے متعلق کتابوں کی تفہیم کے لیے چینی لغت نویسی[1] کا آغاز ہوا تو

---

[1] کہا جاتا ہے کہ چین میں ولادت عیسیٰ سے ہزاروں سال قبل ہی لغات کی ترتیب اور تدوین کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ مگر چینی زبان کی سب سے پہلی لغت، پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں شُواوِن نے مرتب کی۔ ایک دوسرے قیاس کے مطابق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شُواوِن کی یہ لغت چین کے ہان حکمرانوں کے دور میں بھی موجود تھی۔ یوریشائی علاقے میں تالیف کی گئی ایک سب سے قدیم۔ اکادی۔ سمیری لغت کا ذکر ملتا ہے۔ جس کی پہلی بار تدوین قیاس اور اندازے کے مطابق ساتویں صدی قبل مسیح کی گئی تھی۔

(دیباچہ۔ شبد ساگر، جلد اول ص ۱۱) (ناگری پرچارنی سبھا، کاشی)

ویدک کتابوں کی تفہیم کے لیے ہندوستان میں سنسکرت لغت نویسی کا[1] ! یونانی اور سنسکرت زبانوں میں قواعد نگاری کو لغت نویسی پر تقدم زمانی حاصل رہا ہے ۔ ان دونوں زبانوں میں زبان کے صوتیاتی تجزیے کا مقصد یہی تھا کہ مقدس قومی ادب کو پورے تقدس اور وضاحت کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا جا سکے[2]۔ چنانچہ ان ان دونوں زبانوں میں لغت نویسی کی ابتدا کے لیے ان کا کلاسیکی (بلکہ مذہبی) ادب زبردست محرک ثابت ہوا[3]۔ بعد میں یہی روایت عربی زبان میں بھی کارفرما ہوئی جہاں قرآن وحدیث میں آئے غریب یا دخیل (غیر عربی) الفاظ کی تشریح وصراحت کے لیے لکھی جانے والی فرہنگوں نے باقاعدہ لغت نویسی کا ڈول ڈالا[4]۔ اس طرح

---

[1] سنسکرت لغت نویسی کا آغاز ویدک نگھنٹوؤں کی شکل میں ۱۰۰۰ ق م ہوا جو ادق ویدک الفاظ کا مجموعہ ہوتے تھے۔ ان میں متحد المعنی مختلف الفاظ، مختلف المعنی الفاظ اور ہم معنی مادوں ([illegible]) اور دیوتاؤں کے نام وضاحت کے ساتھ جمع کیے جاتے تھے۔ (ڈاکٹر ہردیو گیشور: ہندی کوش وگیان کا اُدبھو اور وکاس ۔ دارالخلافہ ۱۹۷۱ء)

[2] (J.A. HAYWOOD : ARABIC LEXICOGRAPHY (PAGE - 8)

[3] یورپ میں سب سے پہلے ہیلنی عہد کے یونانیوں نے جس طرح ادب، فلسفہ، قواعد، سیاسیات وغیرہ کی بنیاد رکھی تھی اسی طرح انھوں نے ہی لغت نویسی کی بھی ابتدا کی چنانچہ سب سے پہلے 'GLAUCUS' (۲۲۰ ق م) نے ایک تجنی فرہنگ 'VIPPERLES LEXIKAN' کی تدوین کی۔

(انسائکلوپیڈیا برٹانیکا ۔ جلد نہم ، صفحہ)

[4] جب عربی لغت (زبان) میں اختلاف رائے پیدا ہونے لگا اور ہر طبقہ کے افراد، ادنا واعلا، خصوصاً عجمی، غلطیاں کرنے لگے تو سب سے پہلے ابوالاسود الدوئلی (وفات ۔ ۶۹ھ مطابق ۶۸۸ء) نے علم زبان (نحو) کی بنیاد ڈالی جس کی تعلیم انھوں نے علی ابن ابی طالب سے حاصل کی تھی۔ یہ علم آگے چل کر دو مختلف علوم یعنی نحو اور لغۃ (لغت) میں منقسم ہو گیا ۔ لغوی (لغت نویس) کا منصب لفظوں اور کلموں کو فرہنگ میں جمع کر کے عربی زبان وکلام کی صحت کو برقرار رکھنا تھا۔ نحوی کا کام یہ طے کرنا تھا کہ لغوی کے اس جمع کردہ مواد (لغات)

باقی اگلے صفحہ پر

ابتدائی لغت نویسی کے پس پشت کارفرما سب سے اہم مقصد یہ رہا تھا کہ مذہبی تحریروں یا کلام کو زیادہ بہتر طریقے پر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا جا سکے۔

انگریزی زبان میں لغت نویسی کی داغ بیل لاطینی الفاظ کی حاشیائی لغات (GLOSSARIES) کی شکل میں پڑی[1]۔ یہ حاشیائی لغات، انجیل کے اصل مآخذات، یعنی عبرانی، یونانی، لاطینی اور سریانی وغیرہ تک پہنچنے کی کوشش کے نتیجے میں انگریزی کی دو لسانی لغات کی بنیاد بنیں جو بعد میں نشاۃ ثانیہ نیز مذہبی اور سماجی اصلاحات کے طفیل میں اور یونانی علوم کی بازیافت کے طور پر باقاعدہ لغت نویسی کی شکل اختیار کر گئیں۔

ہندوستان میں بھی اسی قسم کے سیاسی حالات اور تہذیبی عوامل، یعنی اولاً مسلمانوں کی اور پھر یورپی اقوام کی آمد، اردو لغت نویسی کی ابتدا اور ارتقا کا سبب بنے۔ چنانچہ ایک طرف تو عربی اور فارسی لغت نویسی کی روایت نے اردو لغت نویسی کے لیے بنیاد کا کام کیا اور دوسری طرف مستشرقین (یورپیوں) کی ہندوستانی لغت نویسی نے اسے جدید، سائنسی اور منطقی انداز سے ہم کنار کیا۔

اردو لغت نویسی کے اولین نقوش کی تلاش کی ابتدا، عربی میں قبل ظہور اسلام

بقیہ صد کو نحوی ترکیب، معنوی تجزیے اور قواعدی تدوین کے بعد کلام میں کیسے استعمال کیا جائے ان دونوں علوم سے متعلق اہم کارنامے ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں خلیل ابن احمد (وفات ۱۸ء -۱۹ء ۶) کی "کتاب العین" (لغت) اور خلیل کے ہی ایک شاگرد سیبویہ کی "کتاب النحو" کی صورت میں سامنے آئے۔

J.A. HAYWOOD : ARABIC LEXICOGRAPHY' (PAGE 12))

[1] انگریزی لغت نویسی کی ابتدا اینگلو سیکسن عہد میں لاطینی تحریروں مثلاً PSALTER اور GOSPALS کی لسانی حاشیہ نگاری (GLOSSING) کی روایات کے طور پر ہوئی۔ یہ حاشیائی لغات ان قارئین کے لیے مدون کی جاتی تھیں جو لاطینی سے نابلد ہوتے تھے۔

(J. MURREY : 'EVOLUTION OF ENGLI SH LEXICOGRAHY' (P.12.)

کی شاعری اور ظہورِ اسلام کے بعد کے ابتدائی عہد کے عربی ادب میں خاصی تعداد میں پائے جانے والے ہندوی الفاظ یا ان کی معرّب شکلوں سے کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح قرآن میں مسک، زنجبیل، اور کافور جیسے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہ صرف ایرانی بلکہ عرب سیاحوں، مثلاً سلیمان تاجر (۲۳۷ھ) اور ابوزید حسن البرائی (۲۶۴ھ) کے سفرناموں اور دیگر عربی تحریروں میں نارجیل، دیپ، جزر (جگر)، طاقن (دکن)، صندل (چندن) جیسے الفاظ بکثرت ملتے ہیں[1]

خود ہندوستان میں بھی فارسی اور ہندی کے اختلاط کے زیرِ اثر ہندی الفاظ اولاً مفرد شکلوں میں فارسی کتابوں میں داخل ہونا شروع ہوئے، پھر ہندی محاورات بعینہٖ یا ترجمے کی شکل میں فارسی تحریروں کا جزو بننے لگے۔ ان الفاظ کی فارسی تشریحوں کے ساتھ ساتھ بعض ہندی الفاظ بھی مترادفات کے طور پر لائے جانے لگے تاکہ ہندوستان کے عام خواندہ لوگ ان ہندی مترادفات کی مدد سے فارسی الفاظ کے صحیح معنوں سے واقف ہو سکیں[2] اس طرح کے الفاظ کی طرف سب سے پہلے توجہ حافظ محمود شیرانی نے دلائی تھی اور "فرہنگ نامۂ قواس" اداتِ الفضلا، زفانِ گویا، قنیۃ الطالبین، شرف نامۂ منیری، موید الفضلا، ریاض الادویہ، وغیرہ میں شامل اس طرح کے الفاظ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد محمد بن قوام کی مرتب کردہ لغت "بحر الفضائل فی منافع الافاضل" میں شامل ہندوستانی الفاظ و فقرات کی مکمل نشان دہی کی گئی بعد میں اس طرح کے الفاظ کی جامع نشان دہی ڈاکٹر نذیر احمد نے کی۔ موصوف نے اس سلسلے میں "فرہنگ نامۂ قواس[4]" "دستور الافاضل"، مولفہ رفیع معروف بہ حاجب

---

[1] ڈاکٹر سید عبداللہ، مقدمہ نوادر الالفاظ، صفحہ ۲۰ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۵۱ء

[2] " " " " ، صفحہ ۲۰

[3] مضمون: فارسی زبان کی ایک قدیم فرہنگ میں اردو زبان کا عنصر،

(رسالہ مخزن مارچ ۱۹۲۹ - لاہور)

[4] یہ فرہنگ سب سے قدیم دریافت شدہ لغت ہے۔ جو کہ علاء الدین خلجی کے عہد (۶۹۰-۷۱۵ھ مطابق ۱۲۹۰-۱۳۱۵ء) کے مشہور شاعر فخر الدین مبارک غزنوی ملقب بہ قواس یا کمان گو کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خیرات دہلوی (۷۴۳ھ مطابق ۱۳۴۲ء)، "اداة الفضلاء" (مولف بدرالدین دہلوی دھاروال: ۸۲۲ھ مطابق ۱۴۱۹ء) اور "زفان گویا" (مولف بدر ابراہیم) میں شامل ہندی الفاظ کی نشان دہی پوری چھان پھٹک کے ساتھ کی ہے۔[1] نذیر احمد صاحب "زفان گویا" میں ہندی (اردو) الفاظ کی نشان دہی اس سے پہلے بھی کر چکے تھے۔[2] اس کے بعد ایک دوسرے تفصیلی مقالے میں اس لغت میں شامل ہندی الفاظ کی فہرست بھی پیش کی۔ چوں کہ "زفان گویا" کے مولف بدر ابراہیم کا پوتا اور "شرف نامہ" کا مولف، ابراہیم بن قوام جونپور کا رہنے والا تھا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "زفان گویا" کے مولف کا تعلق بھی دیارِ مشرق سے رہا ہوگا۔ اس میں متعدد ہندوستانی الفاظ ایسے آتے ہیں جو یوپی کے مشرقی اضلاع اور بہار میں بولے جاتے ہیں۔[3]

پروفیسر نذیر احمد نے اس لغت میں شامل تقریباً ڈھائی سو ہندی

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) تالیف ہے۔ اگرچہ حافظ محمود شیرانی نے اس لغت کے تعلق سے اپنے مضمون (مخزن مارچ، اپریل ۱۹۲۹ء) میں ایسے آٹھ نو الفاظ کی فہرست دی ہے جو فارسی کے مترادفات کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں مگر پروفیسر نذیر احمد کا یہ کہنا ہے کہ شیرانی صاحب نے یہ الفاظ "موید الفضلا" سے نقل کیے ہیں جو کہ "فرہنگ نامۂ قواس" میں شامل نہیں ہیں۔ خود شیرانی نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ اصل لغات ان کی نظر سے نہیں گزری ہیں۔ (فارسی کی قدیم فرہنگوں میں ہندوستانی عناصر، مشمولہ ارمغان مالک۔ مجلس ارمغان مالک۔ ۱۹۷۱ء)

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے سابق الذکر مضمون، مشمولہ ارمغان مالک۔ (مجلس ارمغان مالک۔ دہلی، ۱۹۷۱ء)

[2] مضمون: قدیم فارسی فرہنگوں میں اردو عناصر، مشمولہ رسالہ اردو، کراچی، جولائی ۱۹۶۰ء۔ اس مضمون میں موصوف نے اس کا سن تالیف قیاساً ۸۲۲ھ اور ۸۳۷ھ کے درمیان بتایا ہے۔

[3] پروفیسر نذیر احمد: فارسی کی قدیم فرہنگوں میں ہندوستانی عناصر، مشمولہ ارمغانِ مالک۔ دہلی ۱۹۷۱ء۔

الفاظ کی تہجی وار فہرست بھی پیش کی ہے[1] اس کے بعد کی ایک دوسری لغت "بحر الفضائل فی منافع الافاضل"، مولفہ محمد بن قوام الدین بن رستم بلخی (۸۲۷ھ مطابق ۱۴۲۴ء) میں باقاعدہ طور پر "باب چہارم در بعض الفاظ ہندی کے در نظم ہندوی وغیرہ استعمال کنند" بھی قایم کیا گیا[2]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی فرہنگوں میں مترادفات کے طور پر ہندی (اردو) الفاظ شامل کرنے کا جو سلسلہ "فرہنگ نامۂ قواس" سے ساتویں صدی ہجری کے اواخر (۶۹۵ھ) یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل (۷۰۱ھ) میں شروع ہوا تھا اس نے نویں صدی ہجری (۸۲۷ھ) میں "بحر الفضائل فی منافع الافاضل" میں ایک باقاعدہ باب کی شکل اختیار کر لی۔ اردو لغت نویسی کے ان ابتدائی نقوش کے بعد اس کے خدوخال لغت کی اس شکل میں اور زیادہ واضح ہوئے جنھیں ہم اردو۔ فارسی، منظوم نصاب ناموں کے نام سے جانتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان منظوم لغاتی نصاب ناموں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

نصاب نامے

اردو کی ان ابتدائی اور منظوم لغات کے بارے میں تاحال ان امور پر اتفاق رائے نہیں ہو پایا ہے کہ "خالق باری" یا "حفظ اللسان" امیر خسرو کی تصنیف ہے یا عہد جہانگیر کے ایک شخص ضیاء الدین خسرو کی؟ اور یہ کہ پہلی لغت "خالق باری" قرار دی جائے یا "لغات گجری"؟ خالق باری کا اصل مصنف امیر خسرو کو قرار دینے کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی کی تشکیک[3] اور داخلی نیز لسانیاتی بنیاد پر حافظ محمود شیرانی

---

[1] ملاحظہ کیجیے: مضمون، فرہنگ زفان گویا و جہان پویا، (مشمولہ۔ غالب نامہ، بابت جنوری ۱۹۸۷ء، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی۔)

[2] حکیم سید شمس الدین قادری نے اس کا سنہ تالیف ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۲ء بتایا ہے۔ (اردوئے قدیم۔ ۳۳۔ ۱۹۶۷ء کراچی)

[3] نقوش سلیمانی۔ ص ۲۳۰، معارف پریس اعظم گڑھ (۱۹۳۹ء)

کی تحقیق[1] "خالق باری" کو امیر خسرو کی تخلیق کی بجائے عہد جہانگیری کے ایک شخص ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ماننے پر مجبور کر دیتی ہے[2] جب کہ گیارہویں صدی ہجری (۱۰۰۶ھ) میں تالیف شدہ ایک دوسرے نصاب نامے "اللہ خدائی" کے مصنف تجلی کی امیر خسرو سے طلب امداد[3] اور "خالق باری" کو امیر خسرو کی تصنیف مان کر اپنی لغت "نوادر الالفاظ" میں خان آرزو کا امیر خسرو سے استناد کی بنیاد پر ڈاکٹر صفدر آہ اسے امیر خسرو کی ہی تصنیف تسلیم کرنے پر زور دیتے ہیں[4] اسی طرح اگرچہ اب تک "خالق باری" یا "حفظ اللسان" ہی پہلا نصاب نامہ مانی جاتی تھی مگر گجرات میں تالیف کی گئی ایک دوسری لغت "لغات گجری" کو پروفیسر نجیب اشرف ندوی اس بنیاد پر "خالق باری" سے قدیم مانتے ہیں کہ اس میں شامل ہندی (اردو) الفاظ کی وہ شکلیں ملتی ہیں جو "خالق باری" کی شکلوں سے زیادہ قدیم ہیں[5] تاہم "خالق باری" کا سنہ تالیف ۱۰۳۱ھ[6] متعین ہو جانے کی صورت میں شمالی ہند میں لکھے گئے اس قسم

---

[1] مقدمہ حفظ اللسان معروف بہ خالق باری، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی ۱۹۴۴ء۔

[2] ڈاکٹر عبدالحق، قدیم اردو، انجمن ترقی اردو پاکستان۔

[3] امیر خسرو سے طلب امداد کے طور پر کہے گئے تجلی کے دو شعر اس طرح ہیں:

شاید از لطف رحمت باری
روحِ خسرو نمایدم یاری
بہر مرغ نہادم دام
مدد سے خواستم ز روح نظام

(بحوالہ۔ ڈاکٹر صفدر آہ، خسرو بحیثیت ہندی شاعر، نوائے ادب بمبئی جنوری ۱۹۶۱ء (ص ۲۴)

[4] مضمون: خسرو بحیثیت ہندی شاعر، مشمولہ نوائے ادب بمبئی جنوری ۱۹۶۱ء۔

[5] مقدمہ لغات گجری، ادبی پبلشرز، بمبئی (۱۹۶۲ء) ص ۸

[6] حوالہ جات: (الف) مقدمہ حفظ اللسان خالق باری، مرتبہ حافظ محمود شیرانی ۱۹۴۴ء۔
(ب) مباحث۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ص ۱۱
ڈاکٹر عبدالحق نے اس کا سن تالیف ۱۰۳۱ھ کی بجائے سہواً ۱۰۲۰ھ تحریر کیا ہے۔

کے نصاب ناموں میں سے "قصیدہ در لغات ہندی" مولفہ حکیم یوسف ہروی (ہراتی) کو تقدم زمانی حاصل ہو جاتا ہے جو دسویں صدی ہجری کے نصف اول (۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۲ء) میں عہدِ ہمایونی کی تصنیف مانی جاتی ہے[1] اس کے بعد ایک دوسرا لغاتی نصاب نامہ اجے چند ولد دتے چند (ساکن سکندر آباد ضلع بلند شہر) نے ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں لکھا۔ نصاب نامے میں اس کا نام کہیں بھی مذکور نہ ہونے اور اس کے "خالق باری" کی طرز پر ہونے کی بنا پر ڈاکٹر عبدالحق نے اس کا ذکر "مثل خالق باری"[3] کے نام سے کیا ہے اور اسے سب سے قدیم نصاب[2] قرار دیا ہے جب کہ حقیقت اس کے

[1] ڈاکٹر سید عبداللہ، مباحث ص۱۱۱ (مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء) اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:-

نام ہر چیزے بہ ہندی بشنو از من اے پسر
خاصہ نام ہر دوا ئے نفع بردار ی مگر
مُبِل متکلم باشد و جل کر یعنی سخن
شکر فرماید تراؤں کس کہ گوید شکر کر
آنک چشم، ناک بینی، بھوں ابرو، ہونٹھ لب
دند دنداں، کاوہ گردن، گو دزا تو مونڈ سر (مباحث ص۱۱۱)

[2] پروفیسر نذیر احمد نے حمیدیہ لائبریری (بھوپال) میں موجود اس نصاب نامے کے مخطوطے کی بنیاد پر اسے شائع کر دیا ہے۔ اس نصاب نامے کے ترقیمے میں اسے "اجے چند نامہ" بتایا گیا ہے۔ اس طرح نصاب نامے کے ایک شعر میں اجے چند نے خود کو دتے چند کی بجائے "پسر دیپ چند شعر کنندہ" بتایا ہے۔ یہ مخطوطہ اب مولانا آزاد سنٹرل لائبریری میں منتقل ہو گیا ہے۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مضمون۔ اجے چند نامہ، مشمولہ غالب نامہ بابت جنوری ۱۹۸۶ء، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلی)

[3] قدیم اردو۔ مضمون: مثل خالق باری، نمونے کے چند اشعار۔

باری تعالیٰ، نام گوسائیں — بجے بزرگی، بہت بڑائی
خالق جن جگ پیدا کیا — رازق، سب کو بھوجن دیا (باقی اگلے صفحے پر)

برعکس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ـــــ "قصیدہ در لغات ہندی" دسویں صدی ہجری کے نصف اول (عہدِ ہمایونی) اور "مثل خالق باری" دسویں صدی ہجری کے نصف آخر (۹۶۰ھ، عہدِ شیر شاہ سوری) کی تصنیف ہونے کی وجہ سے تقدمِ زمانی سابق الذکر کو ہی حاصل ہے۔ خالق باری کا نمبر ان دونوں نصاب ناموں کے بعد آتا ہے جسے گیارہویں صدی ہجری (۱۰۳۱) کی تصنیف مانا گیا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس کے مصنف کے تعین کا معاملہ کافی اختلافی چلا آرہا ہے۔ کیوں کہ ابھی بھی بعض مورخینِ ادب کے نزدیک ـــــ "خالق باری ایک ایسی کتاب ہے جسے صدیوں کی دھوپ چھاؤں نے اضافوں اور ملحقات سے اس کی شکل ہی بدل کر رکھ دی ہے اور پروفیسر شیرانی جیسے فاضل اجل کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ یہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے۔"[1]

غرض یہ کہ "خالق باری" کے بعد اس طرح کے لغاتی نصاب ناموں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ ایک ہی نام کے مختلف نصاب نامے مختلف ادوار میں مختلف مصنفین نے لکھے۔ راقم کو "خالق باری" کے نام سے کم از کم

(بقیہ صفحہ گذشتہ) واحد ایک پرستش پوجا لاشریک کوئی اور نہ دوجا۔
مادر پدر نہ مائی باپ ہست خودی خود، آپے آپ

قدیم اردو، صفحہ ۳۔

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دلی ۱۹۷۷ء۔
محمد رضوان خان نے بھی محمود شیرانی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اسے امیر خسرو کی ہی تصنیف بتایا ہے اور اس سلسلے میں ڈاکٹر صفدر آہ کی تصنیف "امیر خسرو بہ حیثیت ہندی شاعر" کے حوالے سے خالق باری کے ایک قدیم ترین نسخے کی نشان دہی کی ہے جو ۷۲۳ھ میں مخطوط ہوا تھا اور جس کی نقل نسخۂ ندوی اور نسخۂ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی ہے۔ محمد رضوان خان کا یہ بھی کہنا ہے کہ خالق باری کا نسخۂ ندوی (۷۲۳ھ) شیرانی صاحب کے علم میں تھا اور وہ اسے مستند بھی مانتے تھے۔ اس کے بعد بھی خالق باری کو ۱۰۳۱ھ کی تصنیف بتانے کی کوشش سمجھ میں نہیں آتی۔" (مضمون: خالق باری اور امیر خسرو، مشمولہ ـــ دوماہی رسالہ شیرازہ، سری نگر، جلد ۹ شمارہ ۱۔ صفحہ ۴۲)

چار نسخے ایسے ملے ہیں جو ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہونے کے علاوہ مختلف لوگوں کی تالیف ہیں۔ کچھ میں "خالق باری" کی ترتیب بدل دی گئی ہے اور کچھ میں اشعار کم یا زیادہ کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح "صمد باری" کے نام سے بھی مختلف مصنفوں کے لکھے ہوئے ایک سے زائد نصاب نامے ملتے ہیں۔ اس بات سے ان نصاب ناموں کی اہمیت اور مقبولیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ "اللہ خدائی" (۱۰۷۰ھ) مولفہ تجلی، جو دہلی یا نواحِ دہلی میں لکھی گئی تھی بار بار چھپی۔ اسی طرح ۱۱۰۱ھ میں اسماعیل نے "رازق باری" اور ۱۱۰۵ھ میں کھتری مل پسر سامل داس نے "ایزد باری" کے نام سے ایک نصاب نامہ لکھا[1] اسی زمانے میں "صمد باری" یا "رسالۂ جان پہچان" کے نام سے میر عبدالواسع ہانسوی نے ایک سہ لسانی نصاب لکھا جس میں ادویہ، میوے، انسانی اعضاء، اور الفاظِ قرابت وغیرہ عربی، فارسی اور ہندی، تینوں ہی زبانوں میں دیے گئے تھے[2]

تیرہویں صدی ہجری میں تقریباً تمام موضوعات پر مشتمل بکثرت نصاب نامے لکھے گئے۔ ان میں خالق باری اکرم (۱۲۰۵ھ) "صفت باری" (۱۲۲۰ھ) مولفہ گنیش داس

---

[1] ڈاکٹر صفدر آہ۔ نئے ادب، بمبئی جنوری ۱۹۶۳ء (ص۱۲)

[2] حافظ محمود شیرانی۔ اورینٹل کالج میگزین، لاہور نومبر ۱۹۳۱ء (ص۹)

نیز ڈاکٹر سید عبداللہ، مباحث (ص۱۱)۔

نمونے کے اشعار:

خواندن، نوشتن، فہمیدن جانو — پڑھنا، لکھنا، سمجھنا، مانو
آوردن، بردن، سوختن، کہیے — لانا لے جانا جلانا کہیے
محمد پاک ترنجن جان — نبی پیمبر بسیٹھ پہچان
ملک دیوتا فرشتہ مان — صحیفہ نامہ پاتی بکھان
فلک سپہر امبر کہیے — ارض، زمین، دھرتی ہے

(ص۹)۔

قانون گو"، "واسع باری"، "اللہ باری"، "ناصر باری"، "اعظم باری"، "صادق باری" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نصاب ناموں کی تالیف کا یہ سلسلہ تقریباً بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہا اور غالب کے "قادر نامہ" کے علاوہ ایسے دوسرے بہت سے نصاب ناموں کی تالیف کا سبب بھی بنا جن کا مقصد صرف تدریسی یا نصابی نہ رہ کر ہمہ جہتی ہو گیا۔ چنانچہ اس دوران ایسے نصاب نامے بھی تالیف کیے گئے۔ جن کا بنیادی مقصد ایک سے زائد زبانوں کے مترادفات کی تعلیم کی بجائے نہ صرف یہ رہا کہ بیت بازی کے شائقین کوٹ، ڑ، ڈ یا ٹھ پر ختم ہونے والے اشعار فراہم کر دیے جائیں[1] بلکہ عام زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ کے ساتھ ساتھ ایسی اصطلاحوں کو بھی شامل کیا گیا جن کی اس

---

[1] ملاحظہ ہو۔

(الف) "بیت الپشاخہ" (مولا منشی محمد جمیعت علی۔ مطلع انوار سہارنپور۔ ۱۸۸۸ء) اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے ــــ "برائے اطفال شائقین بیت بازی"

نمونہ: جو تاریخ عیسے کی ہے تجھے چاٹ
اٹھارہ کے اندر اٹھاسی تو ڈاٹ
دُر، خطر ہے، اور خلاف اسے یا پھوٹ
ہے شکستن ٹوٹنا، بشکن ہے ٹوٹ
بادشاہ ہے تاجور، حملہ ہے جھپٹ
فوج عسکر، زور بل، کینہ کپٹ

(ب) "نادر تواخا"، (مؤلفہ منشی جمیعت علی۔ سہارنپور (۱۳۰۷ھ)
یہ نصاب نامہ بھی بیت بازی کے مقصد سے ہی لکھا گیا تھا۔

نمونہ:- قبل اول پہلا، اور آخر ہے اوڑ
اور ثنا تعریف ہے، صد لک کروڑ

قسم کے تدریسی یا لغاتی نصاب ناموں میں قطعاً گنجائش نہیں تھی ـــــ یہاں تک کہ اغلام بازی کی اصطلاحات بھی بعض اہم نصاب ناموں میں شامل کر دی گئیں [1]

اگرچہ شمالی ہند میں اردو لغت نویسی کی ابتدا ان نصاب ناموں کی صورت میں دسویں صدی ہجری کے نصف اول (قصیدہ در لغات ہندی ۹۰۵ھ) سے ہوئی مگر جنوبی ہند اور گجرات میں یہ عمل اس سے بھی پہلے شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی راندیر میں اور ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی گجرات میں تدوین شدہ دو ایسی لغات پر روشنی ڈالتے ہیں جن کا نام، سن تالیف اور جن کے مصنف کے نام بھی نامعلوم ہونے کے باوجود ان میں شامل الفاظ کی قدیم شکلوں کی بنیاد پر انھیں شمالی ہند کے نصاب ناموں خصوصاً "خالق باری" سے زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی اپنی دریافت کردہ ـــ "لغات گجری" کو نہ صرف یہ کہ "خالق باری" سے مقدم قرار دیتے ہیں بلکہ داخلی شواہد کی بنیاد پر یہ نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ ـــــ "یہ لغت نہ صرف یہ کہ گجرات میں لکھا گیا ہے بلکہ "خالق باری" کے مرتب کے پیش نظر بھی رہا ہے۔ اس میں الفاظ کے وہ شکلیں ملتی

[1] ملاحظہ کیجیے "خالق باری اکرم" مولفہ میاں جی محمد اکرم سن تالیف ۱۲۰۵ھ مطبع مصطفائی لکھنؤ (۱۲۶۳ھ)

اس لغت نما نصاب نامے کو اس دور کے دوسرے نصاب ناموں پر اس لیے اہمیت دی جا سکتی ہے کہ اول تو یہ کافی مبسوط (۹۰ صفحات) ہے اور دوسرے اس سے اس وقت کی مغربی یوپی کی اردو کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت الفاظ کی کیا کیا شکلیں رائج تھیں۔ اس میں الفاظ کی ایسی شکلیں بھی ملتی ہیں جو اب متروک ہو چکی ہیں مثلاً اس میں 'ممتاز' کے لیے 'چنیا ہوا'، 'سیر شکمی' کے لیے 'سینہ دھپی' (صـ۱۲) بدھنا (لوٹا) کے لیے "بدھناں" (صـ۳۲)، اندھا کے لیے "اندھلا" صـ۲۱) وغیرہ اس میں عربی، فارسی کے اردو مترادفات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ترکی مترادفات بھی ملتے ہیں ملتے ہیں۔ مثلاً

عور دکورا ندھلا کرا اور اصم ہے بہرا۔
بکم ڈنگ گونگا زرف اور عمیق گہرا (صـ۲۶)

ہیں جو خالق باری کی شکلوں سے قدیم تر ہیں"۔[1]
سید سلیمان ندوی راندیر میں دریافت کردہ لغت[2] کو اگرچہ سب سے قدیم قرار نہیں

---

[1] مقدمہ لغات گجری۔ مرتبہ ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی۔ ادبی پبلشرز بمبئی (۱۹۶۲ء) ص۱۱
یہ ایک سہ کالمی اور سہ لسانی (عربی۔ فارسی۔ اردو) لغت ہے۔ اس کا پہلا اندراج عربی، وسطی اندراج فارسی اور آخری اندراج اردو لفظ ہے۔ اس لغت میں اندراج کی ترتیب ابتدائی اندراج کے لحاظ سے قائم نہ کر کے آخری اندراج یعنی اردو لفظ کے لحاظ سے اس طرح قایم کی گئی ہے کہ عربی اور فارسی کے مشہور لغت نویسوں کا اتباع کرتے ہوئے اگرچہ لام کلمہ کو اندراج کی بنیاد بنایا گیا ہے مگر یہ فرق قائم رکھا گیا ہے کہ جہاں عربی اور فارسی کی بعض لغات میں حرف آخر کے ساتھ حرف اول یا حرف ثانی کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، اس زیر بحث لغت میں حرف آخر کے ماقبل حرف کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر باب الف میں الف و ہمزہ (بشکل ی) کے الفاظ کے بعد جو کہ "پوجیا" سے شروع ہوتے ہیں، 'پ' قبل الف اور 'ت' قبل الف کے الفاظ دیے گئے ہیں اور ان کی باقاعدہ سرخی قایم کی گئی ہے۔ مثلاً فصل اللباع الف میں ب قبل الف۔ تا نا، یا۔ پ قبل الف۔ ما پا وغیرہ۔ اس لغت میں مذکورہ بالا ترتیب کے لحاظ سے صرف ہندی حروف ہجا پر مبنی الفاظ ہی شامل لغت کیے گئے ہیں اور ہم وزن الفاظ کو ایک ساتھ ہی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حاشیہ میں ہر لفظ کی عربی یا فارسی لغات سے سند بھی پیش کی گئی ہے۔

مثال:۔ الاک پرستیدہ پوجیا
المعلوم دانستہ بوجھیا (ص۱)
الفلفل پلپل مرچ (ص ۹۳)

[2] راندیر میں سید سلیمان ندوی کی دریافت کردہ یہ لغت بھی ایک سہ لسانی لغت ہے۔ اس میں عربی، فارسی اور اردو مترادفات دیے گئے ہیں۔ کافی تلاش اور کاوش کے باوجود بھی موصوف اس کے مصنف، اس کے سن تالیف اور خود اس لغت کے نام کی کوئی نشاندہی نہیں کر سکے ہیں۔ یہ لغت ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی کی دریافت کردہ لغت "لغات گجری"
(باقی اگلے صفحہ پر)

دیتے مگر اس میں شامل الفاظ کی شکلیں بھی" لغات گجری" سے کسی طرح بھی کم قدیم نہیں۔ ان دونوں لغات کو شمالی ہند کے نصاب ناموں سے زیادہ قدیم قرار دینے کے سلسلے میں ان دونوں حضرات کی طرف سے دی گئی دلیلوں کے علاوہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ سیاسی اسباب کے نتیجے میں شمالی ہند کی چیزوں (خصوصاً فارسی) سے اہل دکن کا اجتناب، نہ صرف یہ کہ دکن میں شمالی ہند سے صدیوں قبل اردو زبان وادب کی تخلیق کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا تھا بلکہ شمالی ہند میں اس زبان (اردو) کی شکل متعین ہونے یا اس میں ادبی تخلیق کا عمل شروع ہونے تک دکنی ادب بہت آگے تک جا چکا تھا۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں لغات کو بھی شمالی ہند کے نصاب ناموں پر تقدم زمانی حاصل ہے تو نادرست نہیں ہے۔

شمالی ہند کی طرح ہی جنوبی ہند میں بھی ان دونوں لغات کے بعد متعدد نصاب نامے لکھے گئے جن سے جنوبی ہند میں بھی ان کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

" لغات گجری" کو مکمل لغت اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ترتیب و اندراج کا التزام ملتا ہے؛ عربی لفظ عربی کے کالم میں، فارسی لفظ فارسی کے کالم میں اور اردو لفظ اردو کے کالم میں لکھا گیا ہے۔ حاشیہ میں مختلف لغات کے حوالے سے ہر لفظ کی عربی یا فارسی میں توضیح کی گئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس لغت کے

بقیہ ص ۔۔ : سے دو لحاظ سے مختلف ہے۔ اول یہ کہ اس کے اندراجات میں ترتیب کا کوئی التزام نہیں ہے اور ثانیاً یہ کہ "لغات گجری" سہ کالمی نثری لغت ہے جب کہ زیر بحث لغت منظوم ہے۔ اس لغت سے چند اشعار نمونے کے طور پر درج ہیں۔

الله خدا ہے کرتار　　الخالق اُفرید سرجنہار

الجنت بہشت سرگ　　السقر دوزخ نرگ

الیوم روز دیس　　الشعر موی کیس

الکدر تیرہ گدلا　　النقیم نا بینا اندھلا

(نقوش سلیمانی۔ معارف پریس۔ اعظم گڑھ (۱۹۳۹ء) ص۲۷۹)

مخطوطے سے اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اس کا مؤلف اور محشی ایک ہی شخص ہے یا دو مختلف افراد ؟ اسی طرح یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اصل لغت اور حاشیہ ایک ساتھ ہی لکھے گئے یا آگے پیچھے ؟ اس کے برخلاف سید سلیمان ندوی کی دریافت کردہ لغت کو لغت کی بجائے نصاب نامہ کہنا اس لیے مناسب ہوگا کہ اس میں ترتیب اندراج نہیں ہے اور منظوم ہونے کی وجہ سے الفاظ بھی ترتیب کے ساتھ نہیں لائے جا سکے ہیں۔ پہلے مصرعے میں بیان کردہ مترادفات دوسرے مصرعے میں بیان کردہ مترادفات سے اس لیے جوڑ نہیں کھاتے کہ ان الفاظ کی آمد یا اُردو کے پس پشت معنی کی بجائے ضرورتِ شعری (وزن، قافیہ) ہی کار فرما رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے، ان دونوں لغات کے بعد دکن میں بھی لغاتی نصاب ناموں کی تدوین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں "گنج نامہ"[1] سید طاہر شاہ کرنولی (وفات ۱۱۱۵ھ) کی مختصر لغت ـــــ "خوانِ یغما"[2] اور سید محمد واکر (وفات ۱۱۸۴ھ)

---

[1] گنج نامہ: اس نصاب نامے کی سنِ تالیف، مولف کا نام اور سنِ کتابت وغیرہ ہنوز تحقیق طلب ہیں۔ اس کے آخری شعر سے مہلہ تخلص واضح ہوتا ہے جو صحت طلب ہے۔ یہ نصاب نامہ بھی "خالق باری" اور "رازق باری" کی طرز پر ہے۔ اس میں عربی کی بجائے صرف فارسی اور اردو کے ہی مترادفات دیے گئے ہیں۔ اس نصاب نامے کا مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے جو زیادہ قدیم نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر درج ہیں ؎

گرفت پکڑا داد دیا فروخت بیچا خرید لیا
رنجیت بیٹا رنجیت ملا پژمردہ مرجھایا شگفت کھلا
مہلہ نے کہی کتاب گنج فارسی کیا خطاب

(یورپ میں دکنی مخطوطات۔ نصیر الدین ہاشمی، شمس المطابع عثمان گنج۔ حیدر آباد (۱۹۳۲ء)

[2] سید طاہر شاہ کرنولی (وفات ۱۱۱۵ھ) کی دو کتابیں مشہور ہیں، جن میں سے ایک علم فقہ میں "کنز النفائس" اور دوسری علم لغت میں ـــ "خوانِ یغما" ہے۔ ان کی یہ مختصر لغت فارسی۔ اردو کی بجائے فارسی۔ دکنی اردو کی لغت کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں فارسی
(باقی اگلے صفحہ پر)

کی "رازق باری"[1] "رسالہ در لغت عروض"[2] اور فیاض عسکری کی " قادر باری"

(بقیہ صفحہ گذشتہ): کے دکنی مترادفات دیے گئے ہیں۔ نمونے کے لیے چند شعر درج ذیل ہیں ہے

ستے کاداب زر کمرو بازو بند را   دان دری و طوق کر زیبد بہ بازوان
شبوہ حقار تازی و تنبول برگ پان   پس رنگ کات توفل ڈیو پل سپاریاں
چنا سفید آہک دساجو ر فا رسی   جلا عشق پیچہ بدری بود سپاں

(دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی۔ نسیم بک ڈپو لکھنؤ۔ ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴۹)۔

[1] اس نصاب نامے میں عربی، فارسی اور اردو کے مترادفات منظوم کیے گئے ہیں۔ اس کا مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

رازق باری حق ہے جان   اس کا نور نبی پہچان
جب ہو ہر کہیں سو پیار   فوج جیش درسن دیدار
مردن مرنا کردن کرنا   کیا ہے نہاد ؟ دھرتا
واکر اتے موتی رو لیا   فرس لغت کے معنی بولیا

(یورپ میں دکنی مخطوطات (صفحہ ۲۳۴)

[2] اس رسالے کے مصنف کا پتہ نہیں چل پایا ہے۔ اس کا سن تالیف ۱۲۰۰ھ اور سنِ کتابت ۱۲۳۸ھ ہے۔ یہ مختصر اور منظوم رسالہ بھی "خالق باری" کی طرز پر لکھا گیا ہے۔ اور بحور پر مشتمل ہے۔
مثلاً "القطع فی بحر الرمل" وغیرہ۔

مثال: سب سخنور کو ہے بحر رمل کا اشتیاق
اس خوش تر بحر میں ڈالا ہوا ہے نامور
فوج لشکر رسم نیزہ چوب لکڑی موئی بال
سنگ پتھر ریگ بالو سیم رو پا دار گھر

(اردو مخطوطات کتب خانۂ آصفیہ۔ نصیر الدین ہاشمی۔ مطبع ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد جلد اول۔ ۱۹۶۱ء)

(۱۲۱۰ھ)[1] قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے میں ایک لغت بھی ــــ "فرہنگ اصطلاحات سائنس" (۱۲۰۰ھ) کے نام سے لکھی گئی۔ اسے نصاب نامہ کہنا مناسب نہیں ہوگا کیوں کہ اس میں سائنسی اصطلاحات کو اردو میں وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اصل انگریزی الفاظ بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کی اس لیے زیادہ اہمیت ہے کہ اس کے اندراجات میں ہجائی ترتیب کا پورا پورا التزام رکھا گیا ہے۔[2]

جنوبی ہند میں لکھے گئے ان نصاب ناموں کے تعلق سے ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ "گنج نامہ" کے سن تالیف اور مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اسے دیگر نصاب ناموں سے مقدم مانا جاتا ہے۔ اور یہ بات قابل توجہ ہے۔ جیسا کہ شمالی ہند کے نصاب ناموں کے سرسری جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نصاب ناموں کی تشریحی زبان پہلے فارسی رہی جو کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ قدیم اردو اور پھر اردو ہو گئی ہے جیسا کہ ــــ "قصیدہ در لغات ہندی" کی تشریحی زبان فارسی (حوالہ حاشیہ ص۲۵) ہے اور مثل "خالق باری" (حوالہ حاشیہ ص۲۵) کی زبان صرف مترادفاتی اور بعد کے نصاب ناموں کی زبان اردو ہے

---

[1] اس مختصر ۱۱ صفحاتی رسالے میں فارسی کے مخصوص الفاظ کے اردو مترادفات منظوم کیے گئے ہیں۔ اس کا سن تالیف ۱۲۱۰ھ ہے جو اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے ؎

اپنے بیتوں پر میں کیا ہوں لبس | تھے برس ایک ہزار دو سو دس
دیگر اشعار: قادر باری اسم صفات | اللہ خدا ہے نام ذات
رسول مرسل بھیجے گیا | عصمت پانی شرم حیا
بعد شوال آوے ذی قعدہ | اوس کے پیچھے بوجھ ماہ ذی حج

(اردو مخطوطات کتب خانۂ آصفیہ)

[2] اردو مخطوطات کتب خانۂ آصفیہ۔ نصیر الدین ہاشمی (ص۳۲۰)

مثال:- پانی (واٹر) آب فارسی، عربی میں ماء، اردو میں پانی کہتے ہیں۔۔۔

اقسام یخ (SNOW) برف اور یخ میں یہ فرق ہے کہ برف غبار کی مانند برستی ہے اور یخ۔۔۔ گرد اختر کی مانند سنگ کی مانند ہو جاتا ہے۔ (ص۳۲۰)

خالص ہے۔ چوں کہ سید طاہر شاہ کرنولی کی مختصر لغت "خوان یغما" (حوالہ حاشیہ صفحہ ۳۰) کی تشریحی زبان فارسی، سید سلیمان ندوی کی دریافت کردہ لغت (حوالہ حاشیہ صفحہ ۳۴) کی زبان مترادفاتی اور بعد کے نصاب ناموں کی تشریحی زبان اردو ہے اس لیے میرے خیال میں سید طاہر شاہ کرنولی کی — "خوان یغما" کی تشریحی زبان فارسی اور گنج نامہ[1] کی زبان نیم اردو ہونے کی بنا پر "خوان یغما" کو گنج نامہ سے مقدم مانا جانا چاہیے۔

شمالی اور جنوبی ہند کے ان نصابوں اور ابتدائی لغات کے تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شمالی ہند میں اردو لغت نویسی کی بنیاد ان نصاب ناموں کی شکل میں سولہویں صدی عیسوی کے وسط "قصیدہ در لغات ہندی" ۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء) میں پڑی جن کو لغات کی بجائے اردو لغت نویسی کے ابتدائی نقوش سے ہی موسوم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان میں لغت نویسی کی بنیادی شرائط مفقود ہیں جب کہ دوسری طرف جنوبی ہند میں اردو لغت نویسی اپنی ابتدا سے ہی مکمل شکل میں سامنے آئی۔ جنوبی ہند کی ابتدائی لغت یعنی "لغات گجری" اس لیے مکمل لغت کہی جا سکتی ہے کہ اس میں تو ترتیب — اندراج کا ایک منطقی طریقہ کار بھی اختیار کیا گیا ہے۔ باقاعدہ فصلیں اور ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ "لغات گجری" اور سید سلیمان ندوی کی دریافت کردہ لغت کے بعد کوئی ایسی لغت نہیں لکھی گئی (یا الآن تحقیق نہیں کی گئی) جس کو ان دونوں لغات کی ترقی یافتہ شکل کہا جا سکے؛ جب کہ شمالی ہند کے اتباع میں جنوبی ہند میں بھی سترھویں صدی عیسوی ("خوان یغما" سید طاہر شاہ کرنولی (وفات ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء کے) اواخر میں منظوم نصاب ناموں کی تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ شمالی ہند کے ان نصاب ناموں کے نہ جانے کن شواہد کی بنیاد پر پروفیسر محمود شیرانی[2]، ڈاکٹر عبدالحق[3]، ڈاکٹر سید عبداللہ[4] اور پروفیسر

---

[1] حاشیہ صـــــ

[2] حفظ اللسان معروف بہ خالق باری، مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی۔

[3] قدیم اردو، ص۱۱۱۔ [4] مباحث (ص۔۔) نیز مقدمہ نوادر الالفاظ ص۔۔۔

نجیب اشرف ندوی[1] ان نصاب ناموں کی تصنیف و تالیف کا مقصد "ہندی یا اردو کے ذریعے اور مدد سے فارسی یا عربی الفاظ" کی تعلیم قرار دیتے ہیں جب کہ ان نصاب ناموں کی زبان اور انداز سے اس سے مختلف نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ "خالق باری" بعد کی تصنیف ہے اس لیے اس کی تشریحی زبان فارسی اور اردو دونوں ہی ملوان شکل میں ہے۔ اس سے پہلے کے نصاب ناموں۔ "قصیدہ در لغات ہندی" اور "صمد باری" کی تشریحی زبان فارسی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاب نامہ لکھنے کا مقصد عربی یا فارسی کی بجائے اردو (ہندی) الفاظ کی تعلیم دینا تھا۔ اس کے علاوہ "قصیدہ در لغات ہندی" کے اس پہلے شعر "نام ہر چیزے بہ ہندی بشنو از من اے پسر تا شود خاصہ نامِ ہر دوائے نفع بردارى گر" میں فارسی داں کو ہندی (اردو) الفاظ سکھانے یا بتانے کی بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح مذکورہ نصاب نامے کے فوراً بعد تالیف کیے گئے ایک دوسرے نصاب نامے" مثلِ خالق باری" کی تشریحی زبان اگرچہ اردو ہے مگر اس کے اس شعر" خالق جن جگ پیدا کیا رازق سب کو بھوجن دیا" میں تشریح عربی الفاظ — "خالق" اور "رازق" کی گئی ہے اس لیے ان نصاب ناموں کی تالیف کا مقصد کسی ایک زبان کے الفاظ کی تعلیم تک ہی محدود نہ رہ کر مختلف اوقات میں مختلف رہا ہے — یعنی کبھی فارسی کے ذریعے اردو الفاظ کی تعلیم اور کبھی اردو کے ذریعے عربی اور فارسی الفاظ کی تعلیم!

اردو۔ فارسی لغات

سابق الذکر نصاب ناموں یا ابتدائی لغات کی تدوین کے ساتھ ساتھ اردو لغت نویسی کا دوسرا مرحلہ، اردو۔ فارسی لغت نویسی کی شکل میں عہدِ عالمگیری کے ملّا عبدالواسع ہانسوی کی "غرائب اللغات" سے شروع ہوا۔ "غرائب اللغات" سے پہلے فارسی لغات میں کہیں کہیں فارسی الفاظ کے اردو

---

[1] مقدمہ لغات گجری صفحہ

مترادفات بھی دے دیے جاتے تھے۔ جیسا کہ آٹھویں صدی ہجری (۷۰۹) کی فارسی لغت "بحر الفضائل فی منافع الافاضل" کے بارے میں سابقہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس کا چوتھا باب اردو کے ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جو اس وقت ہندی شاعری میں مستعمل تھے۔ اس طرح نویں صدی ہجری کی دو لغات ـــــ "اداة الفضلا" مولفہ قاضی خان ملّا بدر محمد دہلوی اور "شرف نامہ" مولفہ قوام الدین ابراہیم فاروقی، میں عربی اور فارسی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے بعض مقامات پر ہندی (اردو) مترادف بھی دے دیے گئے ہیں۔ یہی صورت حال ایک دوسری لغت ـــ "موید الفضلا" میں بھی ملتی ہے۔ مترادفات کی صورت میں اردو الفاظ چوں کہ ان لغات میں کسی اصول یا باقاعدگی سے نہیں دیے گئے ہیں اس لیے ان کو اردو لغت نویسی کے باقاعدہ سلسلے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے تو صرف ان مولفین لغات کی ہندی دانی کا ہی علم ہوتا ہے۔ اس لیے غرائب اللغات کو ہی اردو۔ فارسی کی باقاعدہ لغت نویسی کے سلسلے کی سب سے پہلی کڑی اور اس کے مؤلف ملّا عبدالواسع ہانسوی کو ڈاکٹر عبدالحق[1] اور ڈاکٹر سید عبداللہ[2] کے رائے کے مطابق اردو کا پہلا لغت نویس کہا جا سکتا ہے۔

غرائب اللغات

ملّا عبدالواسع ہانسوی کی تالیف کردہ یہ پہلی باقاعدہ اردو۔ فارسی لغت عہدِ عالم گیری (۱۱ ویں صدی ہجری کے اواخر یا ۱۲ ویں صدی ہجری کے اوائل) میں مدون ہوئی جسے بعد کو ۱۷۵۰ء (۱۱۶۵ھ) میں سراج الدین علی خان آرزو نے "نوادر الالفاظ" کے نام سے تصحیح اور ترمیم کے ساتھ مرتب کیا۔ اس لغت میں صرف ہندی الاصل اردو الفاظ کو بنیادی اندراج کی حیثیت دے کر فارسی زبان میں تشریح کی گئی ہے اور ان کے عربی اور فارسی مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو۔ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی)، ۱۹۷۳ء۔

[2] مقدمہ نوادر الالفاظ۔ انجمن ترقی اردو۔ کراچی (۱۹۵۱ء)

اگرچہ اندراجات کی ترتیب ہجائی ہے مگر اس کا التزام صرف پہلے حرف تک ہی رکھا گیا ہے۔ یعنی باب الف میں لفظ "آپ" کے فوراً بعد "اٹھا" اور پھر "اپاہج" درج کیا گیا ہے[1] اسی طرح باب الباء العربیہ (ب) میں پہلے "بیگار" کا اندراج ملتا ہے اس کے بعد "پناہ" کا اور پھر "پڑا" یا "پڑی" کا[2]

"صمد باری" یا "رسالہ جان پہچان" (مولفہ میر عبدالواسع ہانسوی) چوں کہ تدریسی مقصد کے تحت صرف بچوں کے لیے لکھی گئی تھی اس لیے اس کا تدریسی انداز سمجھ میں آتا ہے لیکن مولف نے اس لغت میں بھی مدرسانہ انداز ہی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ "غرائب اللغات" میں بھی تشریحی انداز سطحی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لغت کی تالیف کے وقت ان کے مدِ نظر متوسط درجے اور عام ذہن کے طالب علم ہی تھے۔ اس لغت کی تالیف کا مقصد تنقیح و تنقید ہرگز نہیں تھا۔ اگرچہ اس لغت کے حاشیے سے پتہ چلتا ہے کہ مولف نے متعدد فارسی لغات کی ورق گردانی بڑی چابکدستی سے کی ہے مگر اس سلسلے میں بھی ان کی "سطحیت" برقرار رہی ہے۔ چنانچہ اردو کے اکثر عربی و فارسی مترادفات کے سلسلے میں وہ ان کے باریک امتیازات میں فرق قائم نہیں کر سکے؛ یہ سقم صرف مترادفات کی حد تک ہی محدود نہ رہ کر ان کی تشریحات میں بھی پایا جاتا ہے[3] لیکن اس سلسلے میں مولفِ لغت کا یہ اعتراف کہ اس نے اس لغت میں صرف ـــــ "اسمائے غیر مشہورہ و اشیائے مذکورہ و الفاظِ غیر مانوسہ و معانی بین الانام مذکورہ ـــ" کو "یہ عباراتِ واضحہ و اشاراتِ لائحہ" بیان کیا ہے تاکہ ـــ "فائدۂ آں عام و نفعِ آں تمام باشد"[4] اس بات کے لیے مجبور کر دیتا ہے کہ اس لغت کی بعض کمیوں کے باوجود بھی اسے تقدم

---

[1] غرائب اللغات۔ ص۷۲۔

[2] " " ۔ ص۹۳

[3] ڈاکٹر سید عبداللہ۔ مقدمہ غرائب اللغات مع نوادر الالفاظ۔ ص۲۔

[4] دیباچہ۔ غرائب اللغات۔ ص۳۔

زبان کی مکمل اہمیت دی جائے کیوں کہ اس لغت میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں۔ جو کسی فن کے موسس اور ابتدا کرنے والے کی تخلیق میں ہوا کرتی ہیں۔

نوادرالالفاظ

جیسا کہ سابق میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہانسوی کی "غرائب اللغات" کو کافی مدت کے بعد (۱۱۶۵ھ) سراج الدین علی خان آرزو نے تصحیح اور ترمیم کے ساتھ "نوادرالالفاظ" کے نام سے مرتب کیا اور اس میں "غرائب اللغات" کے تمام اندراجات کو شامل رکھا۔

آرزو نے "غرائب اللغات" کے اندراجات کی ترتیبی نوعیت کو پہلے حرف سے آگے بڑھا کر دوسرے حرف تک وسیع کیا، اور تنقیدی نظر سے کام لیتے ہوئے جا بجا ہانسوی کی تشریحوں یا اردو مترادفات کے طور پر دیے گئے عربی اور فارسی الفاظ کی صحت یا غلطی پر بھی روشنی ڈالی۔ یہاں پر ڈاکٹر سید عبداللہ کی یہ رائے قدرے وضاحت طلب ہے کہ ـــــ "آرزو نے "غرائب اللغات" کے سب الفاظ کو نوادر میں لے لیا ہے (ہر چند کہ ان الفاظ کے تلفظ اور املا وغیرہ کے سلسلے میں اعتراضات بھی کیے ہیں۔)[1] قوسین میں درج عبارت خاص طور پر اس لیے توجہ طلب ہو جاتی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تلفظ کا یا املا کا معاملہ اندراجی لفظ سے ہی متعلق ہوگا جب کہ صورت واقعہ یہ نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ڈاکٹر سید عبداللہ سے یہ تسامح کیوں کر ہوا۔ کیوں کہ "غرائب اللغات" یا "نوادرالالفاظ" کا مطالعہ کرتے وقت یہ دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس میں اندراجی لفظ (ENTRY) کا تلفظ یا املا دینے کی بجائے اندراجی لفظ کے لیے لائے گئے عربی یا فارسی کے مترادفاتی الفاظ کے تلفظ یا املا کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراجی لفظ ـــــ ایڑی لیجیے جس کا مکمل اندراج اس طرح ہے:

---

[1] مقدمہ نوادرالالفاظ، ص ۱۷

"ایڑی ..... پاشنہ، بیائے فارسی وبتازی عقب"۔ بفتح عین وکسر قاف
وبائے موحدہ[1]۔" اس میں پاشنہ وعقب کا املا وتلفظ بتایا
گیا ہے جو کہ ایڑی کے، جو کہ اندراجی لفظ ہے، عربی فارسی
مترادفات کے طور پر دیئے گئے ہیں۔

ایک دوسری مثال ——— دائی جنائی۔ لیجیے۔ اس کا مکمل اندراج اس طرح ہے:۔

دائی جنائی - پازاج بیائے فارسی وزائے معجمہ بالف کشیدہ وجیم فارسی و
بفارسی ماماچہ وبتازی قابلہ، بقاف وبائے موحدہ گویند[2]

اس اندراج میں بھی "دائی جنائی" کی بجائے اس کے فارسی مترادف پازاج
اور عربی مترادف قابلہ کے ہی املا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ وکذا

یہاں پر غرائب اللغات مع نوادر الالفاظ کے سلسلے میں ایک بنیادی بات
عرض کر دینا ضروری ہے جس کی طرف ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے طویل مقدمے
میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ اس لغت سے پہلے کی دو لغات ——— یعنی ڈاکٹر
نجیب اشرف کی دریافت کردہ "لغات گجری" اور سید سلیمان ندوی کی دریافت کردہ
نامعلوم الاسم لغت میں بنیادی اندراج کے طور پر صرف ہندی الاصل الفاظ ہی
شامل کیے گئے تھے اور ابواب کا قیام بھی ہندی حروف تہجی کی ترتیب سے ہی
کیا تھا۔ "غرائب اللغات مع نوادر الالفاظ" میں اس کے برخلاف ہندی حروف
تہجی (اب پ ت ٹ ج چ) کے ابواب میں صرف ہندی الاصل الفاظ ہی شامل
کیے گئے ہیں (ث کا باب قائم ہی نہیں کیا گیا ہے) فارسی یا عربی حروف تہجی
(مثلاً خ ش وغیرہ) کے ابواب میں بہت کم الفاظ شامل کیے گئے ہیں۔ ث، ص،
ط ظ ع غ کے نہ تو ابواب ہی ہیں اور نہ ہی ان سے شروع ہونے والے الفاظ!
آرزو نے "غرائب اللغات" میں ف ق کے ابواب کا اضافہ کر کے اپنی
نوادر الالفاظ میں ان سے شروع ہونے والے الفاظ بھی شامل کیے مگر اس اختصار

---

[1] نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ ص۱۴۰

[2] ،، ،، ،، ،، ص۲۳۴

کے ساتھ کہ باب الفاء میں صرف تین الفاظ اور باب القاف میں صرف ایک لفظ (قرقرہ) شامل کیا۔ صرف باب المیم ایسا باب ہے جس میں ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ ساتھ کچھ عربی اور فارسی الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں۔

شمس اللبیان فی مصطلحات ہندوستان

"نوادر الالفاظ" کی تدوین (۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۰ء) کے تقریباً چالیس سال بعد (۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء) مرزا جان طپش دہلوی نے اپنے قیام ڈھاکہ کے دوران ۹۶ صفحات کی ایک مختصر لغت مدون کی جو تقریباً پچاس سال بعد (۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء) مرشدآباد سے شائع ہوئی۔ اس کے ٹائیٹل صفحے پر یہ عبارت درج تھی:-

"شمس اللبیان در علم لغت مشتمل بر لغات و محاورات اردو باسند اشعار فصحاو بلغاء ہندوستان از مصنفات مرزا طپش جان مرحوم در مطبع آفتاب عالم تاب واقع بلدۂ مرشدآباد و محلہ قطب پور طبع شد"[1]

یہ اگرچہ ایک مختصر لغت ہے مگر اس اعتبار سے کافی اہمیت رکھتی ہے کہ ایک تو اس میں اندراجات (ENTRIES) کے تلفظ کی نشان دہی توضیحی طریقے پر کی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ ان اندراجات کے معنی بھی وضاحت کے ساتھ دیے گئے ہیں - خاص بات یہ ہے کہ مترادفات سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

---

[1] شمس اللبیان فی مصطلحات ہندوستان، شائع کردہ عابد رضا بیدار خدا بخش لائبریری پٹنہ (۱۹۷۹ء) ص۳

نصیر الدین ہاشمی نے "اردو مخطوطات کتب خانۂ آصفیہ" میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے: شمس اللبیان یا مصطلحات ریختہ (صفحات ۷، سطریں ۱۱) میں چند مصطلحات کو ردیف وار جمع کیا گیا ہے اور ان کی تشریح اردو کی بجائے فارسی میں کی گئی ہے -

چند مثالیں :-

(۱) ادھیڑنا بننا :- بہمزہ بواؤ مجہول ودال وہائی ہندی ویائی مجہول رسیدہ وسکونِ رائے ہندی ۔ تلفظ کی اس وضاحت کے بعد اس کے معنی اس طرح دیے گئے ہیں ——— "کنایہ از انواعِ تخیل کہ در عالم تنہائی حضور کنند" اس وضاحت کے بعد سند کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے ——— استادی ومولائی حضرت دردؔ می فرماید ، رباعی ———

ع کیا کیا کچھ ادھیڑنا اور بننا ہے۔"[۱]

(۲) ادھیڑبن :- مخفف اول است ونیز بہمیں معنی ۔
مرزا علی تقی محشر گوید (رباعی)

ع کس کس ڈھب کی ادھیڑبن ہے بجے[۲]

(۳) تل :- بکسرِ اول وسکونِ ثانی ، نامِ کنجد کہ قسمیست از اقسام حبوب ، در اصطلاح عرصۂ یک دم ، بل ازاں ہم کم ، معتبر خاں گوید ——— تل میں دل لے کے یوں بگڑتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں[۳]

ایک چوتھی مثال :-

(۴) جگ :- بضم اول وسکونِ کاف عجمی ، در ہندی بمعنی قرن ، عہد ، در اصطلاح آنکہ دو نردِ چوسر کہ در یک خانہ باشند ، فضائل علی خاں در مثنوی زبانِ معشوقہ گوید ....[۴]

یا قِرآن کرنا :- بالکسر ، بمعنی آمدنِ امریست کہ وقوعش کمال تعجب بخشد ، میر تقی میرؔ گوید ۔ شرمندہ ہوئیں طالعِ خورشید وماہ دونوں خوبی نے ترے مکھڑے کی ظالم قِرآن کیا ہے[۵]

---

۱ شمس البیان ۔ ص۲ (مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۷۹ء)
۲ ″ ۔ ص۱۱ ″ ″
۳ ″ ۔ ص۲۰ ″ ″
۴ ″ ۔ ص۲۲ ″ ″
۵ ″ ۔ ص۲۳ ۔ ″ ″

آخرالذکر مثال کے غور طلب معنی سے قطع نظر، یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مرزا طپش جان دہلوی نے اپنی اس لغت میں تلفظ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سند بھی اشعار سے ہی پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں معنوی وضاحت بھی بھرپور طریقے پر کی گئی ہے۔

یہ چوں کہ ایک باقاعدہ لغت کی بجائے مصطلحات (شعری اصطلاحات) پر مبنی ایک مختصر سی لغت ہے اس لیے مؤلف نے اس میں ترتیب کا کوئی التزام نہیں رکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اشعار نوٹ کیے جاتے رہے جن میں کوئی محاورہ (اصطلاح) باندھا گیا ہے اور پھر انھیں ہجائی ترتیب کا التزام رکھے بغیر تقطیع وار جمع کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر 'ب' کی تقطیع میں اندراجات کی ترتیب اس طرح ہے:۔

بک لگی / بک بک / بسرام لینا / بستر / بدن / (صفحہ ۱۴ و ۱۵)۔ ان اندراجات سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ 'ب' کے مابعد والے حروف معکوس ترتیب کے ساتھ لائے گئے ہیں۔ یعنی ب کے بعد پہلے ک پھر ب کے بعد س والے الفاظ اور پھر 'د' کے الفاظ۔ مگر اس مثال کا آخری لفظ بدن ہے جس میں 'ب' کے بعد دال ہے۔ اسی طرح ایک دوسری مثال لیجیے۔

بھیگتے جاتا رات کا / بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دینا / بھپک جانا / صفحہ ۱۶

اس مثال میں پہلے بھ کے مابعد 'ی' پھر 'بھ' کے مابعد الف اور پھر 'پ' کا لفظ لایا گیا ہے۔ اس لغت میں اندراجات میں ترتیب کا لحاظ نہ رکھنے کی ایک تیسری واضح مثال درج ذیل ہے۔ ہاتھ کے تحت محاورات اس طرح ملتے ہیں:۔

ہاتھ لگانے / ہاتھوں ہاتھ لے جانا،

ہوا لگی / ہوا پھرنی / ہاتھ پتھر تلے دینا وغیرہ (صفحہ ۴۸، ۴۹)

اس مثال میں پہلا اندراج "ہاتھ لگانے" (لگانا) اور آخری اندراج "ہاتھ تلے پتھر دینا" اور درمیان میں "ہوا لگی" اور "ہوا پھرنی" وغیرہ کو درج کیا گیا ہے۔

ایک دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ جو محاورہ شعر میں جس تصریفی شکل میں نظم ہوا ہے اسے اس کی اسی استعمال کی شکل میں ہی درج لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "ہاتھ لگانا" کی بجائے "ہاتھ لگانے" درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر پیش کیے گئے شعر کا مصرعہ ہے ـــــ ع کہ خوبوں نے لگائے ہیں مجھے ہاتھ (صـ۴)۔ اسی طرح "ہاتھ پاؤں پھول جانا" کی بجائے "ہاتھ پاؤں پھول جانے" درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر شعر کا مصرعہ ہے؛

ع کہ میرے ہاتھ پاؤں گئے ہیں پھول (صفحہ ۴۹)

اسی طرح "دن پھرنے" اور "دن بھرنے" (ع ہم بھی اپنے دنوں کو بھرتے ہیں) صـ۳۲ درج کیا گیا ہے جب کہ اصل محاورہ۔ دنوں کو بھرنا ہے۔

اس لغت کی ایک دوسری قابل ذکر اور خاص بات یہ ہے کہ یہ اردو کی وہ پہلی لغت ہے جس میں اردو کی ہکاری آوازوں (بھ، پھ، تھ وغیرہ) کو ایک علاحدہ اور باقاعدہ حرف کی شکل دے کر ان کے اندراجات الگ کیے گئے ہیں۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولف لغت اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ یہ ہکاری آوازیں اپنے آپ میں مکمل اور دوسری آوازوں سے جداگانہ اور مشخص ہیں اس لیے انھیں اردو کے حروف تہجی میں بھی جداگانہ حیثیت دی جانی چاہیے۔ یہ چونکہ ایک مختصر بلکہ خود مصنف کے الفاظ میں منتخب مصطلحات کی لغت ہے اس لیے بیشتر تقطیع میں ایک یا دو ہی اندراجات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر "تھ" کی تقطیع میں صرف ایک ہی اندراج ـــــ "تھتھانا منھ کا" ملتا ہے۔ (صـ۳۲)

دلیلِ ساطع

"غرائب اللغات" اور پھر "نوادر الالفاظ" (۱۷۵۰ء) نیز شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان (۱۷۹۲ء) کی تدوین کے بعد ۱۸۳۳ء میں دلیلِ ساطع کی تدوین تک باقاعدہ لغت نویسی کا سلسلہ تقریباً منقطع ہی رہا۔ اس دوران اس سمت میں جس قدر کوشش کی گئی وہ سب نسائی نصاب ناموں کی تدوین و تالیف تک ہی محدود رہی بہرحال ۱۸۳۳ء (مطابق ۱۲۴۸ھ) میں مولوی محمد مہدی واصف نے

"دلیل ساطع" کے نام سے ایک فارسی۔ اردو لغت مدون کی جو مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوئی۔ جیسا کہ خود مولف نے اس لغت کے دیباچے میں ذکر کیا ہے ؎ اس میں شامل الفاظ کسی انگریزی لغت سے ماخوذ ہیں۔ ہر اندراجی لفظ کے آگے حرف 'ہ' یا 'س' کے ذریعے اس کے ہندی یا سنسکرت ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور تلفظ کے سلسلے میں وضاحتی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس لغت کے اکثر الفاظ ایسے ہیں جو اب یا تو متروک ہو چکے ہیں یا جو پہلے بھی بہت شاذ استعمال ہوتے تھے۔

نفائس اللغات

"دلیل ساطع" کی تدوین کے چند سال بعد یعنی ۱۸۳۷ء (۱۲۵۳ھ) میں مولوی اوحد الدین بلگرامی نے ایک لغت۔ نفائس اللغات، کے نام سے مدون کی جو ۱۸۴۹ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس لغت کی تدوین کا مقصد بھی وہی تھا جو میر عبدالواسع ہانسوی نے اپنی لغت "غرائب اللغات" کے دیباچے میں بتایا تھا کہ ـــ "اردوئی ہندوستانی کہ مرکب از فارسی و عربی و ہندی برجی ترکی است، اصل لغت قرار دادہ عربی و فارسی آں را بیان نمود ـــ" چنانچہ اس لغت میں بھی بنیادی اندراج اردو الفاظ کو بنا کر ان کی تشریح فارسی زبان میں کی گئی ہے اور ان کے عربی اور فارسی مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔ اردو الفاظ کی سند دینے کی بجائے عربی اور فارسی مترادفات کی سند کے طور پر جا بجا عربی اور فارسی اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ اس لغت کو سابقہ لغات پر اس لیے اہمیت دی جا سکتی ہے کہ ایک تو یہ سابقہ لغات سے سب سے زیادہ ضخیم (۴۳۶ صفحات) ہے اور دوسرے یہ کہ یہ پہلی لغت ہے جس میں اندراجی (اردو) الفاظ کے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے؎۔

؎ مثلاً اس میں "پیڑنا" کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے ـــ بفتح اول و سکون دوم و کسر رائے ہندی و سکون و یائے تحتانی معروف۔ (نفائس اللغات ص ۱۱) مطبع نول کشور، کانپور (۱۸۷۸ء)

نفائس اللغات سے پہلے کی اردو۔فارسی لغات میں اندراجی الفاظ کی بجائے ان کے عربی اور فارسی مترادفات کے املا اور تلفظ کی وضاحت کی گئی تھی۔ پھر یہ کہ اس سے پہلے کی لغات میں صرف ہندی اصل والے اردو الفاظ کو ہی بنیادی اندراجات کی حیثیت میں شامل کیا جاتا تھا جب کہ اس لغت میں وہ تمام عربی اور فارسی الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں جو کہ اردو میں مستعمل تھے۔

یہ لغت اگرچہ ــــ "اچھی خاصی ضخیم ہے لیکن اس میں الفاظ بہت کم اور محاورے بہت خال ہیں۔ مثلاً الف ممدودہ با یائے موحدہ کے باب میں صرف تین الفاظ (آبخورہ، آبریز، اور آبدرز) ہیں اور الف ممدودہ با رائے مہملہ کے باب میں صرف دو لفظ (آڑ اور آڑو) دیے گئے ہیں۔ اسی طرح آنکھ کے تحت صرف پانچ محاورے درج کیے گئے ہیں۔ یائے تحتانی با واو کے تحت صرف ایک لفظ "یومیہ"۔ ـــ ہے اور با ہا کے باب میں صرف "یہاں" ہے۔ تاہم جو کچھ بھی لکھا ہے وہ مستند ہے۔"[1]

نفس اللغہ

۱۸۴۴ء میں میر علی اوسط اشک شاگرد ناسخ نے نفس اللغہ کے نام سے یہ لغت تالیف کی جس میں اردو الفاظ کے معنی فارسی زبان میں وضاحت کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ اسے لغت کی بجائے فرہنگ کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس میں کہیں کہیں الفاظ کی تشریح کافی اختصار سے بھی کی گئی ہے اور بعض جگہ تو صرف اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے کہ "فارسی است"۔ اور کوئی تشریح نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح محاورات بھی بہت کم دیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں تشریح ناقص بھی ملتی ہے ـــ مثلاً "پھینی" کے معنی لکھتے ہیں۔ "حلوائیاں می سازند و آں را باقند و شیر خورند"۔ اسی طرح "تسلی" کے لیے اتنا ہی لکھا گیا ہے "عربی است ف۔ خورسندی"۔ الفاظ بہت سے چھوٹ بھی گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس لغت میں بھی اردو الفاظ کی سند یا مثال پیش نہیں کی گئی ہے۔ اس لغت کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوجاتا

---

[1] ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو۔ ص ۲۰ (کراچی۔ ۱۹۷۳ء)

ہے کہ مولف کو فنِ لغت نویسی کے اصول سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس لغت کی صرف پہلی جلد ہی طبع ہو سکی جس میں صرف 'ت' تک کے الفاظ شامل ہیں [1]

منتخب النفائس

یہ بھی ایک اہم لغت ہے جس کا تذکرہ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی لغتِ کبیر اردو کے طویل مقدمے میں نہیں کیا ہے۔ اس لغت کو ۱۸۴۵ء (۱۲۶۲ھ) میں محبوب علی رام پوری نے مدون کیا مگر اس فرق کے ساتھ کہ اب تک کی اردو۔فارسی لغات تشریحی طریقے پر لکھی گئی تھیں جب کہ اس میں تشریحی طریقے کی بجائے اردو الفاظ کے عربی اور فارسی مترادفات تین کالموں میں دیے گئے ہیں جس کی وجہ سے اس کو بنیادی طور پر اردو۔ فارسی لغت نہ کہہ کر اردو۔ فارسی۔عربی یعنی تین لسانی لغت کہنا چاہیے۔

اس لغت کا دیباچہ کافی دلچسپی کا حامل ہے۔ اس میں مولف نے "انفس النفائس" کو " نفائس اللغات" کا چربہ بتا کر سرقہ قرار دیا ہے اور "انفس النفائس" کے مولف کو سارق بتایا ہے۔ اس لغت کا ایک دوسرا دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اگرچہ بنیادی طور پر یہ اردو الفاظ کی لغت ہے اور فارسی و عربی الفاظ، اردو الفاظ کے صرف مترادف کے طور پر ہی شامل کیے گئے ہیں مگر اس میں تحقیق و تعلیم کا سارا زور عربی الفاظ پر ہی توڑا گیا ہے۔ چنانچہ بنیادی الفاظ یعنی اردو یا فارسی الفاظ کا تلفظ بتانے کی بجائے عربی الفاظ کے تلفظ کی نشان دہی اعراب کے ذریعے کی گئی ہے اور یہی نہیں بلکہ تمام حاشیائی تشریحات بھی عربی الفاظ سے ہی متعلق ہیں۔ کہیں تو یہ کیا گیا ہے کہ اصل متن میں اعراب کے ذریعے بتائے گئے عربی الفاظ کے تلفظ کو ہی حاشیہ میں بھی توضیحی طریقے پر پیش کر دیا گیا ہے اور کہیں ان کے مادّے، ان کی اصل اور تعریف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لیے یہ لغت اگر اردو کی بجائے عربی الفاظ کی تحقیق کی لغت قرار دی جائے تو زیادہ

---

[1] ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو۔ کراچی ۱۹۷۳ء (صفحہ ۳۸)

بہتر ہوگا۔ اس لغت کے ہر صفحے پر ۲۸ اردو الفاظ درج ہیں اور صفحات کی تعداد ۱۷۲ ہے۔ اس طرح اس لغت کو تقریباً پانچ ہزار الفاظ کی لغت کہا جا سکتا ہے۔ اس میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ مستند ہے[1]

۱۸۴۵ء میں میر حسن ولد میر حسین عرف میر کامل نے "نفائس اللغات" کی تلخیص "انفس النفائس" کے نام سے سہ کالمی انداز میں شائع کی، پہلے کالم میں اردو لفظ، دوسرے کالم میں فارسی اور تیسرے کالم میں اس کا عربی مترادف دیا گیا ہے۔ اس لغت کی بابت اگرچہ مولف "منتخب النفائس" نے "نفائس اللغات" کے سرقے کا الزام لگایا تھا مگر خود اس لغت کے مولف نے اپنے نو صفحات کے (فارسی) دیباچے میں خود کو اس وقت کے دو مشہور ماہرین لغت، مولوی اوحدالدین بلگرامی (مولف نفائس اللغات) اور مولوی قدرت اللہ گوپامئوی کا دست نگر بتایا ہے[2]

انگریزی۔اردو اور اردو۔انگریزی لغات

اردو۔اردو لغت نویسی کی باقاعدہ ابتدا اور اس کے ایک متعین نہج اختیار کر لینے سے قبل مستشرقین (یوروپینوں) کی اردو لغت نویسی بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے تذکرے کے بغیر اردو۔اردو لغت نویسی کا صحیح تجزیہ نامکمل رہے گا۔ اس لیے اردو۔اردو لغت نویسی کی بات شروع کرنے سے پہلے یوروپینوں کی اردو لغت نویسی پر اجمالاً روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تکنیک کے لحاظ سے اردو لغت نویسی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

سترھویں صدی عیسوی کے اوائل سے تبلیغی، اقتصادی اور تجارتی غایت سے اہل یوروپ (انگریز، فرانسیسی، پرتگالی اور ڈچ وغیرہ) ہند آنے لگے تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: منتخب النفائس، محبوب علی رام پوری مطبوعہ (۱۸۴۵ء) (کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی)

[2] عبدالماجد دریاآبادی، مضمون: اردو کے کم یاب لغات، مشمولہ رسالہ نیا دور، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص۲۵

یہ لوگ ابتداً تجارت کی غرض سے ہند آتے رہے اور تجارتی معاملات کی بہتر افہام و تفہیم کے لیے مقامی لوگوں کی زبان سیکھنے کے مقصد کے تحت اپنے اپنے طور پر چھوٹی موٹی فرہنگیں ترتیب دیتے رہے جو عام طور پر رومن رسم خط میں ہی ہوتی تھیں لیکن جب شوقِ تجارت نے جذبۂ ملک گیری کی شکل اختیار کر لی اور مختلف حصّوں پر مختلف یوروپی اقوام کے قدم جمتے گئے تو مقامی زبانوں کو سیکھنے کی ضرورت اور بھی بڑھتی گئی۔ اس کے علاوہ اب تاجروں اور سیاسی عیاروں کے ساتھ ساتھ مذہبی مبلغین کی آمد بھی شروع ہو گئی جن کے لیے مقامی لوگوں کی زبان بخوبی سیکھنے کی ضرورت اور بھی ناگزیر تھی۔ یہ ضرورت صرف دو لسانی لغات سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مسٹر کورج کی مرتب کردہ اور نیل کیٹیلاگ (۱۸۸۷ء) کے حوالے سے گریرسن نے ایک ایسی لغت کے قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے جو ۱۶۳۰ء میں سورت میں لکھی گئی تھی اور فارسی، ہندوستانی، انگریزی اور پرتگالی الفاظ پر مشتمل تھی۔ اس لغت میں فارسی الفاظ فارسی رسم خط اور رومن حروف میں اور ہندوستانی الفاظ رومن اور گجراتی رسم خط میں لکھے گئے تھے۔ گریرسن کی ہی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعد میں یہ کیٹیلاگ فروخت ہو گئی۔ اس لغت کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ اور پتہ نہیں چلتا۔ گریرسن نے اس طرح کی ایک اور لغت۔ 'LEXICAN LINGUAE INDOSTANICA' ، کا بھی ذکر کیا ہے جو ایک کیپوچن راہب فرانسس کس تیورنی سس کی تالیف ہے اور جو سورت ہی میں ۱۷۰۴ء میں لکھی گئی تھی۔ اس لغت کا مسودہ روما کی پروپیگنڈا لائبریری میں موجود تھا۔ یہ لغت دو جلدوں میں تھی اور ہر جلد چار پانچ سو صفحات پر مشتمل تھی[1]

۱۷۱۵ء کے قریب جان جوشیوا کیٹلر نے، جو کہ پروشیا کا باشندہ تھا اور شاہ عالم بہادر شاہ اوّل اور جہاندار شاہ کے عہد میں ڈچ سفیر کی حیثیت میں مقیم رہا تھا، ہندوستانی زبان کی صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی جسے بعد

---

[1] GREERSON : LINGUISTIC SURVEY OF INDIA (VOL. IX).

میں ڈیوڈ مل نے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ ۱۷۷۲ء میں جارج ہیڈلے کی صرف و نحو مع فرہنگ انگریزی و مور لندن سے شائع ہوئی جس میں اردو الفاظ فارسی رسم خط میں لکھے گئے تھے۔ اس میں ایسے الفاظ خاص طور پر شامل کیے گئے تھے جو متحد الصوت مگر مختلف المعنی تھے۔ یہ لغت دوسری بار بھی لندن ہی سے ۱۷۷۴ء میں اور تیسری بار ۱۷۸۴ء میں شائع ہوئی۔ تیسری اشاعت میں عام جملوں اور مکالموں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ چوتھی بار یہ لغت ۱۷۹۶ء میں چھپی اور پانچویں بار مرزا محمد فطرت لکھنوی کی تصحیح اور اضافے کے ساتھ ۱۸۰۱ء میں اس طرح شائع ہوئی کہ اس میں بنگال کے رسم و رواج اور طور و طریق پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہی لغت چھٹی مرتبہ ۱۸۰۴ء میں اور ساتویں مرتبہ مزید تصحیح و اضافے کے بعد ۱۸۰۹ء میں لندن سے شائع ہوئی[1] جارج ہیڈلے کی اس لغت (۱۷۷۰ء کے بعد جیسے فرگسن کی مدون کردہ انگریزی۔ ہندوستانی اور ہندستانی۔ انگریزی لغت ۱۷۷۳ء میں شائع ہوئی، جس میں اردو الفاظ کو رومن حروف میں ہی لکھا گیا تھا لیکن بعض کمیوں کی وجہ سے اس لغت کو زیادہ مقبولیت اور اہمیت نہ حاصل ہو سکی۔

جان گلکرسٹ کی مدون کردہ دو جلدی انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری کلکتہ سے ۱۷۸۷ء میں شائع ہونی شروع ہوئی جو ۱۷۹۰ء میں مکمل ہوئی۔ جان گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو کے استادِ اعلیٰ تھے۔ انھوں نے اردو زبان کی صرف و نحو، لغت، لسانیات اور بول چال پر متعدد کتابیں بڑی محنت اور تحقیق سے لکھیں۔ ان کی زیر بحث انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری اس لیے کافی اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے کہ اس میں انگریزی الفاظ کے معانی رومن اور اردو، دونوں رسم خط میں دیے گئے ہیں جو خوشخط نستعلیق ٹائپ میں ہے۔ انگریزی مترادفات کے طور پر دیے گئے اردو الفاظ کی اصل کی طرف ابتدائی حروف۔ ع، ف، یا رہ، سے نشان دہی کی گئی ہے اس کے علاوہ دوسری تمام سابقہ لغات کے علی الرغم اس میں یہ اضافہ یا جدت بھی کی گئی ہے کہ اردو مترادفات کے ساتھ

---

[1] ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو۔ کراچی ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۹

انگریزی مترادفات بھی شامل کردیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اِسے انگریزی، ہندوستانی۔ انگریزی لغت، کہاجاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندی کے ہکاری الفاظ کو موجودہ رسم خط کے مطابق نہ لکھ کر سادہ ہائے ہوز سے لکھا گیا ہے اور رومن رسم خط میں اس کے نیچے چھوٹی اور ہلکی لکیر لگا دی گئی ہے تاکہ امتیاز قایم ہو سکے۔ اصلاح و ترمیم اور اضافے کے بعد یہ لغت "ہندوستانی فلولوجی" کے نام سے دوبارہ ۱۸۱۰ء میں اڈنبرا سے اور سہ بارہ ۱۸۲۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس کی اس اشاعت میں انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات میں ہندی الفاظ کا بھی اضافہ کیا گیا اور وقت اور خرچ کی کفایت کے خیال سے انگریزی الفاظ کے معنی صرف رومن حروف میں ہی لکھے گئے[۱]۔

اس لغت میں زبان کی قواعد سے متعلق ۴۴ صفحے پر مشتمل ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ جان گلکرسٹ نے ایک اور رسالہ "'INDIA GUIDE'" کے نام سے لکھا تھا جس کے پہلے حصّے میں اردو علم ہجا، صرف و نحو اور زبان سے متعلق مختلف فوائد کا بیان تھا۔ دوسرے حصّے میں ایک انگریزی۔ اردو فرہنگ شامل تھی۔ یہ رسالہ پہلی بار کلکتہ سے ۱۸۰۲ء میں، دوسری بار لندن سے ۱۸۰۸ء میں اور تیسری بار ضروری اصلاح و اضافے کے بعد لندن ہی سے ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ گلکرسٹ کی ایک اور تالیف اتالیق ہندی۔

('THE HINDI MORAL PRECEPTOR AND PERSIAN SCHOLARS SHORTEST ROAD TO HINDUSTANI LANGUAGE')

کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پہلے حصّے میں فارسی صرف و نحو کی مبادیات پر ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ اس کے بعد فارسی حکایتوں اور نظموں کا انتخاب شامل ہے جس کا ترجمہ پہلے ہندی میں اور پھر انگریزی میں کیا گیا ہے۔ یہ ہندی ترجمہ اور فارسی حکایتیں دونوں ہی رومن حروف میں ہیں۔ لیکن

---

[۱] ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو کراچی ۱۹۷۳ء صـ ۲۲

اس کا نظم کا حصہ نسخ ٹائپ میں ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں ہندوستانی، انگریزی اور فارسی الفاظ کی ایک فرہنگ بھی شامل ہے جس کے اندراج کی ترتیب عام طریقہ کار کے برخلاف صوتی بنیاد پر قائم کی گئی ہے ۔۔۔ یعنی قریب المخرج الفاظ ایک ساتھ رکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار کلکتہ سے ۱۸۰۳ء میں شائع ہوئی اس میں فرہنگ کا اضافہ اس کی دوسری اشاعت (۱۸۲۱ - لندن) میں ہوا۔[1]

گلکرسٹ کی مدون کردہ اس لغت کے مطالعے سے جہاں اس کی بعض خوبیاں سامنے آتی ہیں اور اس کے مولف کی اس محنت اور مشقت کا اندازہ ہوتا ہے جو اس نے تحقیق و تدوین کے سلسلے میں اٹھائی ہوں گی، وہیں بعض الفاظ کی دلچسپ تشریحات سے اس کی کچھ بوالعجبیاں بھی سامنے آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولفِ لغت ہندوستانیوں اور انگریزوں کو دو مختلف خانوں میں رکھ کر قدم قدم پر انگریزوں کو خبردار بھی کرتا جاتا ہے کہ وہ ہندوستانی الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے کام لیں ورنہ وہ بھی ہندوستانیوں کی ابلہ فریبیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے اس لغت کو اگر "ہدایت نامہ افرنگ" کہا جائے تو نادرست نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر لفظ 'MISTRESS' کے اردو معنی، صاحبہ، خاتون، بھوانی، بی بی، دینے کے بعد لفظ "بی بی" کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ جتنا غلط استعمال اس لفظ کا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور لفظ کا ہوتا ہو، یعنی جب ٹکے ٹکے کے آدمی ہمارے سامنے اپنی جورو کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے لیے "بی بی" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہماری صبر آزمائی کی انتہا یہ ہے کہ ہم اس لغویت کو برداشت کرتے ہیں بلکہ خود اس مضحک تماشے کو ہوا دیتے ہیں۔ خود ہی "سائیس کی بی بی" اور "مشعلچی کی بی بی" استعمال کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بادشاہ سے لے کر موچی

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو - ڈاکٹر عبدالحق (کراچی) ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۲

کی جورو تک سب کو سب بیبیوں کا درجہ رکھتی ہیں[1] پھر اس لفظ کے تحت "بی بی صاحب" کا ترجمہ انگریزی میں، "لیڈی لارڈ" دے کر یہ لکھا گیا ہے کہ یہ کس قدر مہمل اور بھونڈا اسلوب بیان ہے۔"

اس قسم کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال 'THOU' (تو) کی تشریحات سے بھی دی جا سکتی ہے جس کے تحت ایک طویل نوٹ میں کمپنی کے انگریزی افسران کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ــــ "ہمارے نوکر چاکر، اور دیسی سپاہی، اردو سے ہماری ناواقفیت کے باعث بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے مالکوں سے تو تکار کر کے بات کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ آپس میں ایسا نہیں کرتے ــــ اس سے ان کا مقصد اپنی شان دکھانا اور اپنے بھائی بندوں اور کسانوں پر رعب جمانا ہے، راجپوت لوگ جن کو اپنی ذات پر گھمنڈ ہے خاص طور پر اس شرارت کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی دیسی سپاہی کسی انگریز افسر کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے پیش آئے تو اس کو یہ الفاظ کہہ کر ڈانٹ دینا چاہیے:-

"اے تو خبردار ہو! ہم سے توں تاں جو کدھی پھر کری تو تو خوب مار کھائے گا، ہم تیری ایسی بے ادبی ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔"

اس قسم کی دوسری بہت سی مثالیں بھی اس لغت میں ملتی ہیں۔ ایک اور مثال ــــ لفظ ''PEACE'' کی تشریحات سے پیش کی جاتی ہے۔ اس کا مترادف "صلح" دیتے ہوئے، بات "السلام علیکم" تک جا پہنچی ہے اور یہ کہ ــــ "تنگ نظر مسلمان شبہ کی حالت میں اس کے آگے ــــ "لو کنت مسلم" بڑھا دیتے

---

[1] انگریزی عبارت اس طرح ہے۔

'How absurd it is for us to hear with any degree of patience, as a porter or a seneschal talking of his beebee etc.; at the same time as the humour farce ourselves, we have our 'Saees ki beebee; our 'Mashalchi ki beebee with us, from the king's to the cobler's.

ہیں، یعنی تم پر سلامتی ہو بشرطیکہ تم مسلمان ہو۔"

اس طرح اس لغت میں جا بجا ہندوؤں کی شادی بیاہ کی رسومات کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے اور انگریزوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

جان گلکریسٹ کی انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری کی تدوین واشاعت کے زمانے (۱۷۹۰ء) میں ہی ہنری ہیرس کی مدون کردہ ــــ انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری مدراس سے ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی۔ اس ڈکشنری کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں دکنی الفاظ کی شمولیت پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔ کپتان جوزف ٹیلر نے ایک ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری اپنے ذاتی استعمال کے لیے ۱۸۰۵ء میں لکھی تھی جسے ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے اساتذہ کی مدد سے خاصے اضافے اور نظر ثانی کے بعد ۱۸۰۸ء میں کلکتہ ہی سے شائع کیا تھا جو بعد کو جان شیکسپیر کی مدون کردہ ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری اور دیگر لغات کی بنیاد بنی[۱]۔

جان شیکسپیر کی ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری کا پہلا ایڈیشن لندن سے ۱۸۱۷ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن بھی کافی ترمیم واضافے کے بعد لندن ہی سے ۱۸۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس لغت کے آخر میں کافی ضخیم اشاریہ بھی دیا گیا جس میں وہ تمام انگریزی الفاظ شامل کیے گئے جو اصل لغت میں اردو الفاظ کے مترادفات کے طور پر آئے تھے۔ ان انگریزی الفاظ کے سامنے لغت کا صفحہ نمبر اور کالم درج کر دیا گیا تھا تاکہ ان کے اردو مترادفات تلاش کرنے میں سہولت ہو۔ اس کے چوتھے ایڈیشن میں جو لندن ہی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا، کافی اضافہ کیا گیا اور اشاریہ کی جگہ پر پوری انگریزی۔ اردو ڈکشنری بنا کر شامل کر دی گئی۔ یہ تالیف اس طرح ہندوستانی۔ انگریزی اور انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری، یعنی دو لغات کی

---

[۱] PREFACE: DICTIONARY IN OORDOO AND ENGLISH' By J.T. THOMPSON, CALCUTTA (1838) Page ii.

ایک جامع شکل اختیار کر گئی۔ اس کے تیسرے اور خاص کر چوتھے ایڈیشن میں دکنی الفاظ و محاورات کا بھی اضافہ کر دیا گیا، جو کہ ڈاکٹر ہنری ہیرس کی لغت اور دیگر دکنی کتابوں سے ماخوذ کیے گئے تھے۔ ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری والے حصے میں تمام اردو الفاظ رومن حروف اور اردو رسم خط دونوں میں لکھے گئے ہیں، اور ہندی کے اکثر الفاظ کو ناگری رسم خط میں بھی لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے دوسرے، یعنی انگریزی۔ ہندوستانی ڈکشنری والے حصے میں صرف رومن رسم خط ہی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لغت کافی ضخیم ہے اور اس لحاظ سے یہ اپنے وقت کی سب سے جامع لغت تھی۔[1]

اس کے بعد متعدد ہندوستانی۔ انگریزی اور انگریزی۔ ہندوستانی لغات لکھی گئیں۔ ان میں جے ٹی ٹامسن کی انگریزی۔ اردو ڈکشنری (۱۸۳۶ء طبع ثانی) اے۔ سی۔ ڈی۔ روزاریو کی انگریزی۔ بنگالی۔ اردو (سہ لسانی) ڈکشنری (۱۸۳۷ء) کپتان رابرٹ شیڈون ڈوبلی کی جیبی انگریزی۔ ہندوستانی۔ ڈکشنری (۱۸۴۷ء۔ لندن) ایل براؤن کی مدون کردہ ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری (۱۸۴۷ء۔ کلکتہ) ولیم ییٹس کی ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری (۱۸۴۷ء۔ لندن) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۸۴۸ میں ڈنکن فاربس کی ہندوستانی انگریزی اور انگریزی ہندوستانی ڈکشنری لندن سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی جس کے پہلے حصے (ہندوستانی۔ انگریزی) میں اصل اردو الفاظ اردو رسم خط (نسخ ٹائپ) میں دیے گئے ہیں اور ان کی عربی، فارسی یا ہندی اصل کی طرف ع، ف، یا 'ہ' سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کے دوسرے حصے (انگریزی۔ ہندوستانی) میں انگریزی الفاظ کے اردو معنی رومن رسم خط میں دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک لفظ کے لیے اردو کے متعدد مترادفات دیے گئے ہیں۔ سابقہ لغات کے مقابلے میں اس میں زیادہ الفاظ شامل کیے گئے ہیں۔[2]

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو، ڈاکٹر عبدالحق صـ۱۲ (کراچی۔ ۱۹۷۳)

[2] ملاحظہ ہو:
Dictionary Hindustani and English
by Duncan Forbes LLD,
[illegible] Delhi ([illegible])

۱۹ویں صدی کے وسط میں ڈنکن فاربس کی ڈکشنری کے علاوہ اس قسم کی چھوٹی بڑی تقریباً ۱۵ ڈکشنریاں مدوّن کی گئیں جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ان لغات کے بعد لکھی گئی دو اہم ڈکشنریاں، یعنی ڈاکٹر فیلن کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری (لندن۔ بنارس ۱۸۷۹) اور پلیٹس کی اردو ہندی انگریزی ڈکشنری (۱۸۸۴ء) کا قدرے تفصیل سے ذکر اس لیے ضروری ہے کہ ان لغات کے توسط سے آگے چل کر اردو کی باقاعدہ لغت نویسی کو اس لیے بھی کافی مدد ملی کہ ان لغات کے مولفین کے ساتھ کچھ ایسے ہندوستانیوں (مثلاً منشی چرنجی لال مولف مخزن المحاورات اور سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ) کو بھی کام کرنے کا موقع ملا تھا جنھوں نے اپنی لغات کی تدوین کے لیے مغربی لغت نویسی سے استفادہ کیا اور اس طرح اردو لغت نویسی کو ایک متعین شکل بھی دی۔

ڈاکٹر فیلن کے اسٹاف میں لالہ فقیر چند، منشی چرنجی لال (مولف مخزن المحاورات) لالہ ٹھاکر داس اور دہلی کے ہی لالہ جگن ناتھ اور منشی سید احمد جیسے لوگ شامل تھے۔ یہ ڈکشنری بنارس اور لندن سے ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی جو اس وقت تک شائع شدہ اس قسم کی ڈکشنریوں میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی بااس لیے کہ یہ لغت نویسی کے جدید اصولوں پر مبنی ایک ایسی ڈکشنری ہے جس میں اردو کے تمام انگریزی مترادفات شامل کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اسی طرح سند کے طور پر پیش کیے گئے حصے ایک طرف تو ہندوستانی ادبیات سے ماخوذ ہیں تو دوسری طرف لوک گیتوں اور کہاوتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بول چال اور عورتوں کی مخصوص زبان کو بھی پہلی بار اسی لغت میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی الفاظ کے معنی بول چال (روزمرہ) کی زبان میں واضح کرنے کی بھی کوشش کی گئی[1]

---

[1] Hindustani - English Dictionary
By S.W. Fallon, Banaras, London (1879)

ڈاکٹر فیلن نے ایک دوسری انگریزی۔ہندوستانی ڈکشنری بھی ترتیب دی تھی جو ۱۸۸۳ء میں دہلی،بنارس اور لندن سے شائع ہوئی اور کئی بار چھپ چکی ہے۔ اس لغت میں الفاظ کے ساتھ محاورات بھی دیے گئے ہیں اور تشریح و وضاحت کے لیے انگریزی ادب سے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔اس لغت میں انگریزی کے تمام اردو مترادفات شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے[1] ڈاکٹر فیلن نے انگریزی،ہندوستانی ڈکشنری کی تدوین کا کام ۱۸۷۹ء میں شروع کیا تھا اور E تک کے الفاظ مدون کرپائے تھے کہ اکتوبر ۱۸۸۱ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے اس کام کو ان کے اسٹاف نے J.D. BATE کی نگرانی میں تکمیل تک پہنچایا۔

جان ٹی پلیٹس کی مبسوط اردو،ہندی اور انگریزی ڈکشنری ۱۸۸۴ء میں پہلی بار آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی جو ڈاکٹر فیلن کی ڈکشنری کے مقابلے میں زیادہ ضخیم اور وسیع ہے اور جس میں اردو کے ساتھ ہی ٹھیٹ قسم کے ہندی اور خالص سنسکرت الفاظ بھی کافی تعداد میں شامل کیے گئے ہیں جو اردو میں نہ تو کبھی پہلے مستعمل رہے ہوں گے اور نہ ہی تب تھے۔

اس قسم کی دو لسانی لغات میں الفاظ کی اصل یا ماخذ لسانی کی نشان دہی کی سب سے اوّلین مثال جان شکسپیر کی ہندوستانی۔انگریزی ڈکشنری (۱۸۱۷ء) میں

---

[1] اس سلسلے میں کہیں کہیں بے احتیاطی کا مظاہرہ بھی ملتا ہے۔مثال کے طور پر انگریزی لفظ 'CHILD' کے تحت اردو کے دیگر مترادفات کے ساتھ ساتھ اس کا ایک مترادف "خورد" بھی دیا گیا ہے۔ اسی طرح ورڈس ورتھ کی اس لائین کی 'child is father of the man' ہندوستانی میں وضاحت "جیسا لڑکا ویسا جوان" سے کی گئی ہے (صـ۳۱۱) جبکہ اردو میں اس کا مفہوم انگریزی لائین کے اس مفہوم سے یقیناً مختلف ہوگا۔اسی طرح آگے چل کر CHILDHOOD کے لیے 'خوردی' مترادف بھی کھٹکتا ہے۔

(حوالہ: A New English-Hindustani Dictionary
By S.W. Fallon. M.Gulab & Sons (Lahor-1941)

ملتی ہے جس میں ہر اندراج کے قبل اس کی اصل کی طرف اشارہ کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد پلیٹس کی اس زیر بحث ڈکشنری میں اس سمت میں کافی منضبط اور محققانہ انداز میں پیش رفت کی گئی ہے۔ شکسپیئر نے تو اپنی لغت میں لفظ کی اصل کی طرف اشارہ کردینا ہی کافی سمجھا تھا جبکہ پلیٹس نے اس ڈکشنری میں اصل زبان یا ماخذِ لسانی کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ اردو یا ہندی الفاظ کی اصل شکل کو بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ ہندی الاصل الفاظ کو اردو رسم خط کے ساتھ ساتھ ناگری رسم خط میں بھی لکھ کر ان کی مختلف پراکرت یا اپ بھرنش شکلوں یا ارتقائی مدارج پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پلیٹس کی اس ڈکشنری کی سب سے زیادہ اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں لفظ کی اصل کی ہی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ دیگر زبانوں سے دخیل اردو یا ہندی الفاظ کے اصل ماخذ تک پہنچنے کی بھی کوشش کی گئی ہے[1] اور جہاں کہیں تحقیق ساتھ نہیں دے سکی ہے وہاں قیاس سے بھی کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف یونانی، عبرانی اور لاطینی الاصل الفاظ (مثلاً طلسم، طغرا[2] کے اصل ماخذ (یونانی، لاطینی وغیرہ) کو بھی پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف سنسکرت الاصل

---

[1] مثال کے طور پر اندراج "جنسیت" کو پہلے فارسی بتایا گیا ہے اور ماخذ کے خانے میں اس کی اصل (عربی جنسیۃ، بتاتے ہوئے اسے "جنس" سے مشتق بتایا گیا ہے ص۴۹۱ یا "جلّاب" کو پہلے عربی سے منسوب کیا گیا ہے اور پھر اسے فارسی (گل + آب) سے معرب بتایا گیا ہے (ص۴۰۳) اسی طرح جلیا کو پہلے ہندی بتایا گیا ہے اور اشتقاقیات کے خانے میں اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے (جل۔ + س ک) اس کے تحت جلیت اندراج دیتے ہوئے اس کی عربی اصل جعلیۃ بھی دے دی گئی ہے (ص۳۸۱)

[2] (الف) طلسم: پہلے تو اس کے تین تلفظ۔ طَلِسم، طِلِسم، اور طِلَسم دیے گئے ہیں پھر اس کے یونانی الاصل ہونے کا قیاس ظاہر کیا گیا ہے۔

(ب) طغرا: پہلے اسے فارسی، ترکی بتایا گیا ہے۔ پھر پیدا نے نقل کی ہے۔ یہ عربی طغوۃ سے ماخوذ ہے جس کا مادّہ طغو ہے جو کہیں نہ کہیں دغو سے ماخوذ ہے جس کے معنی دباؤ ڈالنا، آگے ڈھکیلنا، ہیں۔ (ص۵۲۳)

(تت بھو) ہندی الفاظ کے ارتقائی مدارج یا ان کی مختلف پراکرت اوراپ بھرنش شکلوں کو بھی پیش کیا گیا ہے[1]۔ فارسی کے آریائی (غیر عربی) الفاظ (مثلاً دیوان، شاخ، شام، فرمان، فریب وغیرہ) کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی قدیم فارسی اور قدیم پہلوی کے ماخذ تک پہنچ کر فارسی اور سنسکرت کے مشترک الاصل یا متحد الاصل ماخذ دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ایسے الفاظ جو یونانی، عبرانی اور سنسکرت میں قدرے تبدیلی کے ساتھ مستعمل ہیں اور جن کی اصل کا تاحال تعین نہیں ہو پایا ہے (مثلاً کافور، افیون وغیرہ) انھیں بھی ان شکلوں کے ساتھ درج لغت کیا گیا ہے جو متعلقہ زبانوں میں رائج ہیں۔ اس کے علاوہ الفاظ (اندراجات) کے اصل لغوی معنی بھی دیے گئے ہیں تاکہ لفظ کے معنیاتی ارتقا کو سمجھنے کے ساتھ ہی لفظ و معنی کے باہمی ربط اور تعلق پر بھی روشنی پڑ سکے[2]۔

---

[1] طشتری: طشت + ادی پراکرت، س: अ+र+ऽक्षा) صلہ

کسان: (ہ) پراکرت۔ س۔ कि साण्हो کوہادی) صلہ)

ٹکنا: (دلک — ٹانا) + س۔ ق + تا پراکرت तकक س۔ अनकिना صلہ ۱۵۲

پلاٹس نے یہ نشان دہی کردی ہے کہ وہ ٹک، ٹنا کی اصل تک نہیں پہنچ سکے ہیں اس لیے قوسین میں سوالیہ نشان قائم کر دیا گیا ہے۔ (صلہ ۱۵۲)

[2] اس میں شک نہیں کہ پلاٹس نے اپنی اس ڈکشنری میں تمام اندراجات کی اصل اور ماخذ لسانی کی نشاندہی کے سلسلے میں کافی تحقیق اور تلاش سے کام لیا ہے اور ان تمام ماخذات تک پہنچنے کی کوشش کی ہے جو پرکھ کے جدید اصولوں پر کھرے اتر چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ہندی الفاظ کی اصل کی نشاندہی کے سلسلے میں پروفیسر Cowell کے شائع کردہ "دروچی" کے پراکرت پرکاش، پروفیسر PISCHEL کی مرتب کردہ ہیم چندر کی ۔۔۔ پراکرت گرامر۔ Beames کی 'Comparative grammar ofof the Modern Aryan languages of India' اور پروفیسر Hoarnel کی Essays on the Gaudian Languages نیز Hoarnel کی ہی مدون کردہ ہندی گرامر اور ہندی مادّوں سے بھی استفادہ کیا۔ اسی طرح فارسی الفاظ کی اصل کی نشاندہی کے سلسلے میں انھوں نے Handbuch der Zendsprache اور Institutones Lenguae Persicae of vullor سے بھی کافی مدد لی۔ عربی الفاظ کی اصل کی نشاندہی کے سلسلے میں کیمبرج یونیورسٹی میں اس وقت عربی کے پروفیسر ڈاکٹر Wright سے کافی مدد لی۔ اس کے علاوہ پلاٹس نے پروفیسر مونیر ولیمس کی سنسکرت ڈکشنری سے بھی کافی استفادہ کیا (دیباچہ، صلہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۷۴ء)

پلاٹس کی اس " اردو ، کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش ڈکشنری [1] " کا بغور جائزہ لینے پر اس کے اور اس قسم کی دیگر لغات کے شمولات کے درمیان ایک واضح فرق یہ سامنے آتا ہے کہ جہاں دیگر لغات میں ذخیرۂ الفاظ کے سلسلے میں بول چال کی زبان کو بنیاد بنایا گیا ہے اور متروک یا کم مستعمل اردو اور ہندی الفاظ کو اس لیے درج لغت نہیں کیا گیا ہے کہ اس طرح لغت کی ضخامت بھی بڑھ جاتی اور تدوین لغت کا وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا جو کہ محض بول چال کی زبان سے واقف کرانے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ اس صورت حال کی واضح ترین مثال فیلن کی ڈکشنری میں بھی ملتی ہے۔ اس کے برخلاف پلاٹس نے اس ڈکشنری کی تدوین کے لیے اردو اور ہندی کی ادبی کتابوں میں مستعمل الفاظ (خواہ متروک یا شاذ ہی کیوں نہ ہوں) کی شمولیت پر بھی خاص توجہ دی کیوں کہ ان کے سامنے اس لغت کی تدوین کا مقصد مذہبی تبلیغ، یا سیاسی اغراض کی تکمیل کی بجائے واقعی ایک مستند اور جامع قسم کی اردو۔ انگریزی لغت مرتب کرنا تھا [2]

---

[1] 'A DICTIONARY OF URDU, CLASSICAL HINDI AND ENGLISH' By JOHN. T. PLATTS

[2] اس ڈکشنری کی وجۂ تالیف بیان کرتے ہوئے جان۔ ٹی پلاٹس نے اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ فاربس کی ڈکشنری کی اشاعت کے بعد سے اردو اور ہندی الفاظ اور ان کے معانی میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح Bate کی ڈکشنری سے اردو کے طلبا۔ کی ضروریات پوری نہیں ہوتی تھیں اور دوسرے یہ کہ ڈنکن فاربس کی ڈکشنری کی خامیاں بھی اس میں تھیں۔ ان میں سنسکرت، ہندی اور عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جو کیساں املا اور یکساں صوت کے تھے مگر آپس میں معنی اور اصل کے سلسلے میں قطعاً قرابت نہیں رکھتے تھے ان لغات میں ایک ساتھ ہی درج کر دیے گئے تھے۔ Bate کی ڈکشنری گرامر اور اشتقاقیات سے خالی تھی فیلن نے اپنی ڈکشنری ایک ایسے مخصوص مقصد کے تحت مدون کی تھی جو کہ اس ڈکشنری کی تالیف کے مقصد سے قطعاً مختلف تھا اس ڈکشنری میں تمام الفاظ و محاورات کو شامل کیا گیا ہے جبکہ فیلن کی ڈکشنری میں اردو اور ہندی کے ایسے سینکڑوں الفاظ اور محاورے اس لیے شامل نہیں کیے گئے تھے کہ وہ ان کو pedantic سمجھتے تھے اس لیے فیلن کی ڈکشنری کی افادیت اردو طلبا کے لیے بہت کم ہو گئی تھی۔ اگرچہ فیلن کی ڈکشنری بھی ایک اہم کارنامہ ہے اور شاعروں کے کلام سے اس میں جو مثالیں دی گئی ہیں اس کی وجہ سے اس کی اہمیت مسلّم رہے گی۔

(دیباچہ ص ج۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ لندن ۱۹۳۰ء)

اگرچہ پلاٹس کی ڈکشنری کے بعد بھی کئی دولسانی لغات[1] مدوّن کی گئیں مگر ان میں سے ایک بھی پلاٹس کی ڈکشنری کے معیار کو نہ پہنچ سکی۔

اب تک کی معروضات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو لغت نویسی کی ابتدا سولہویں صدی عیسوی کے وسط (۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء) میں حکیم یوسف ہروی کے منظوم نصاب نامے — "قصیدہ در لغات ہندی" سے ہوئی۔ تقریباً ایک صدی بعد اردو کی دولسانی لغت نویسی کا آغاز سترھویں صدی عیسوی کے وسط (۱۱ ویں صدی ہجری کے اواخر) میں ملّا عبد الواسع ہانسوی کی لغت۔ "غرائب اللغات" سے ہوا۔ اس دوران منظوم نصاب ناموں کی تالیف کا سلسلہ بھی ترقی کرتا رہا۔ پھر اٹھارھویں صدی عیسوی کے اوائل (۱۷۱۵ء) میں جان جوشیوا کیٹلر کی مدوّن کردہ "اردو صرف و نحو" کی شکل میں اردو۔ انگریزی اور انگریزی۔ اردو لغت نویسی کا ڈول پڑا۔ اردو لغت نویسی کی ان تینوں ابتدائی شکلوں، یعنی منظوم نصاب ناموں، اردو۔ فارسی فرہنگوں اور اردو۔ انگریزی لغت نویسی نے ۱۹ ویں صدی کے وسط تک ترقی کرتے کرتے باقاعدہ لغت نویسی کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد اردو۔ اردو لغت نویسی کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔

---

[1] مثلاً:

(الف) یونانی۔ اردو لغت، مرتبہ ریورنڈ ایونگ (لدھیانہ ۔ ۱۸۸۷ء)

(ب) ہندوستانی محاورات و الفاظ کی لغت، مرتبہ کرنل فلپس (لندن ۱۸۹۲ء)

(ج) انگریزی۔ اردو ڈکشنری، مرتبہ ڈبلو ایل تھابرن (کلکتہ ۔ ۱۸۹۸ء)

(د) انگریزی۔ اردو جیبی ڈکشنری، مرتبہ ۔ میجر چیپ مین (پارک ٹاؤن ۱۹۰۴ء)

(بحوالہ ۔ مقدمہ لغت کبیر اردو، مولوی عبد الحق، کراچی ۔ ۱۹۷۳ء)

باب دوم

اردو۔اردو لغت نویسی کا دور اول

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، فارسی۔اردو، اردو۔فارسی؛ ہندوستانی۔انگریزی، اور انگریزی۔ہندوستانی لغت نویسی انیسویں صدی کے وسط تک کافی ترقی پا چکی تھی۔ خاص طور پر ڈاکٹر فیلن اور ڈی پلیٹس کی ہندوستانی انگریزی لغت نویسی سے تحریک پا کر اسی دور میں اردو۔اردو لغت نویسی کی بھی ابتداء ہوئی۔ چنانچہ اس سلسلے کی سب سے پہلی اردو۔اردو لغت امام بخش صہبائی کی تالیف ہے انھوں نے اردو صرف و نحو سے متعلق اپنی اس تصنیف (سنہ ۱۸۴۹ء) میں جو کہ اس وقت تک کے رواج کے برخلاف فارسی کی بجائے اردو میں لکھی گئی تھی، اردو محاورات کو بھی شامل کیا تھا اور ان کی وضاحت بھی اردو میں ہی کی تھی۔ اس کے بعد سید ضامن جلال لکھنوی نے ۸۰۴ صفحات پر مشتمل "گنجینۂ زبان اردو یعنی گلشن فیض" کے نام سے محاورات جمع کیے جو سنہ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئے۔ اسے اردو۔اردو لغت نویسی کے لحاظ سے اس لیے خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی کہ ان محاورات کی وضاحت اردو کی بجائے فارسی میں کی گئی تھی۔ بعد میں انھوں نے "سرمایۂ زبان اردو"[1] کے نام سے ایک دوسری لغت کی تالیف کی جس میں الفاظ اور محاورات کے معنی اردو میں دیے گئے تھے۔

قدیم دلّی کالج کے پرنسپل مسٹر بوٹرس کی سفارش پر نیاز علی بیگ نکہت

---

[1] سرمایۂ زبان اردو، سال طبع سنہ ۱۳۰۸ ہجری (مطابق ۱۸۸۷ء) ہے۔

نے " مخزن فوائد " کے نام سے اردو اصطلاحات و محاورات پر مشتمل ایک لغت مدون کی جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہوئی۔ اس میں مولف موصوف نے کافی تلاش و تحقیق کے بعد اردو محاورات جمع کیے اور ہر محاورے کی سند کسی نہ کسی استاد کے شعر سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس میں اندراجات کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے قائم کی مگر محاورات کے اندراج کے سلسلہ میں یہ ترتیب قائم نہیں رہ سکی ہے۔ اس کے علاوہ مولف کو ــــ " محاورہ " " اصطلاح ، اور لفظ کے درمیان فرق کی کوئی پہچان نہیں۔ مثلاً الف ہونا، اڑانا، اوس پڑنا، آنکھیں پتھرانا کو اصطلاح اور آگ پھونک دینا، ڈول ڈنکے بجانا اور ڈلک کو محاورہ لکھتے ہیں۔ صرف چند ہی کو محاورہ لکھا ہے۔ باقی سب کو اصطلاح کا نام دیا ہے[1]

" مخزن فوائد " کی اشاعت کے ساتھ ہی یعنی ۱۸۸۶ء میں ہی منشی چرنجی لال کی تالیف " مخزن المحاورات " بھی شائع ہوئی جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، اس کے بنیادی اندراجات، اردو کے تقریباً دس ہزار محاورات پر مشتمل ہیں جس کی وجہ سے اسے اس وقت تک کی مدون شدہ اردو۔ اردو لغات میں سب سے ضخیم کہا جا سکتا ہے[2]

۱۸۸۸ء میں مرزا محمد مرتضیٰ عرف مچھو بیگ عاشق لکھنوی کی " بہار ہند " اور سید احمد دہلوی کی " لغات اردو " (خلاصہ ارمغان دہلی) شائع ہوئیں۔

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو کراچی (۱۹۷۳ء) ص۴۹

[2] ملاحظہ ہو مخزن المحاورات۔ منشی چرنجی لال دہلوی۔ مطبع محب ہند رفیق بازار دہلی (۱۸۸۶ء)

مولف نے یہ لغت " ہندوستان کے ان باشندوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے " تالیف کی تھی (ص۱) اور بقول خود " اپریل ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۳ء تک صاحب ممدوح (ڈاکٹر فیلن صاحب) کے دفتر میں لغت ہی کا کام " انجام دے چکے تھے (ص۳) اندراج کے سلسلے میں اگرچہ ترتیب کا التزام رکھا گیا ہے مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ چنانچہ آب اور آب زلال کے درمیان آب ابتر، ابجد خواں، آبرو جیسے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔

"بہارِ ہند" کو جو صرف ردیف الف تک ہی چھپ سکی، اس سلسلے کی سب سے بہترین کوشش کہا جا سکتا ہے، کیوں کہ اس میں عام محاورات کے معانی بڑے سلیقے اور خوبی کے ساتھ دیے گئے تھے اور ممکنہ حد تک ہر محاورہ کی سند بھی پیش کی گئی تھی۔ الف کے الفاظ کے بعد اس کے باقی حصے طبع نہ ہو سکے[1] سید احمد دہلوی کی "لغاتِ اردو" میں جو آگے چل کر "فرہنگ آصفیہ" کی تدوین کی بنیاد بنی، ساٹھ ہزار الفاظ و محاورات کی شمولیت کا دعوا کیا گیا جو اس کی ضخامت (۱۰۹۳ صفحات) کی روشنی میں کسی حد تک اس صورت میں درست مانا جا سکتا ہے کہ الفاظ کے ضمن میں مفردات، مرکبات اور محاورات بھی شامل کر لیے جائیں۔ خود مولف کے الفاظ میں "... اس میں عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سنسکرت بلکہ لغاتِ انگریزی مخلوطہ بہ اردو" شامل کیے گئے تھے[2]

سنہ ۱۸۹۰ء میں "مصطلحات اردو"[3] مولفہ مولوی اشرف علی لکھنوی، لکھنؤ سے شائع ہوئی جس میں صرف محاورات ہی شامل کیے گئے تھے، مگر وہ بھی تمام نہیں۔ نیز ان کی تشریح اور وضاحت کے سلسلے میں بھی کافی اختصار سے کام لیا گیا تھا جس کی وجہ سے اردو لغت نویسی کے تعلق سے اسے کوئی اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق نے اس زمانے کی دو ایسی لغات کا بھی ذکر کیا ہے جن کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ ان میں سے ایک توقیر بلگرامی نے تالیف کی تھی جس میں الفاظ کے معنی مختصر طور پر دینے کے علاوہ اساتذہ کے کلام سے سند بھی پیش کی گئی تھی۔ دوسری لغت "خزائن الامثال" کے نام سے شمس الدین فیض۔ (حیدر آبادی) نے مدون کی تھی جس میں زیادہ تر محاورات و امثال کے ساتھ ایسے الفاظ کو ہی شامل کیا گیا تھا جو کسی مخصوص (اصطلاحی) معنی میں مستعمل ہوتے تھے۔ نیز ایسے الفاظ و محاورات کی سند اساتذہ کے کلام سے پیش کی گئی تھی[4]

---

1. مولوی عبد الحق۔ رسالہ اردو، جلد ۱۱، جنوری ۱۹۳۱ء انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ دکن۔ ص ۸۰
2. ملاحظہ ہو لغات اردو، خلاصۂ امتحان دہلی۔ مطبع گلزار، شملہ ۱۸۹۹ء۔
3. ملاحظہ ہو مصطلحات اردو۔ مولوی اشرف علی لکھنوی۔ مطبع نامی۔ لکھنؤ ۱۸۹۰ء
4. مقدمہ لغت کبیر۔ اردو۔ کراچی ۱۹۷۳ء۔ ص ۴۰

یہاں پر سنہ ۱۸۹۱ء کی تالیف اور ۱۸۹۲ء کی مطبوعہ ایک دوسری لغت "جامع اللغات" جلد اول مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری کا اجمالی تذکرہ اس لیے بے محل نہ ہوگا کہ اگرچہ یہ بنیادی طور پر عربی، فارسی اور اردو الفاظ و محاورات پر مشتمل ایک لحاظ سے سہ لسانی لغت ہے مگر اس میں ان تینوں زبانوں سے متعلق الگ الگ فصل قائم کر کے مولفِ لغت نے اردو کے الفاظ اور محاورات بھی الگ ہی جمع کیے۔ پوری لغت کو حروفِ تہجی کے لحاظ سے ۳۲ ابواب میں تقسیم کیا گیا پھر ہر باب کو پانچ فصلوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا کہ پہلی فصل ـــــ لغاتِ عربی و فارسی، دوسری فصل اردو لغات (ہندی و سنسکرت)، تیسری فصل فارسی محاورات و اصطلاحات، چوتھی فصل۔ اصطلاحات و محاورات اردو اور پانچویں فصل متفرقات مثلاً ادویات اور لغاتِ متعلق علم طب وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس لغت کے صرف اردو مشمولات یعنی فصل دوم لغات اردو اور فصل چہارم اصطلاحات و محاورات اردو کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولف کو ایک فارسی لغت "زبدہ اللغات" کی تدوین کا تجربہ حاصل ہونے کے باوجود زیر نظر "جامع اللغات" میں کافی خامیاں ہیں۔ مثال کے طور پر ہر باب کی فصل اول "لغات عربی و فارسی" کے اکثر اندراجات (مثلاً آب، آبرو، آسمان، آشنا، آمد وغیرہ) دوسری فصل "لغات اردو" میں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح تیسری فصل۔ "فارسی محاورات و اصطلاحات" کی تشریح اردو میں کی گئی ہے اور مثال فارسی ادب سے پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح ترتیب اندراج کے سلسلے میں کسی خاص التزام کا احساس نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ترتیب صرف پہلے حرف تک محدود رہی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے بعد آپس اور پھر آبرو کا اندراج ہے[1] یا پہلے آڑ کا اندراج ملتا ہے، اس کے بعد آر پھر آڑا اور اس کے بعد آرہ و آراستہ کا[2]۔ اس لغت کی صرف پہلی جلد (حرف ز تک) ہی شائع ہو سکی۔

---

[1] جامع اللغات۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ مطبع نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۲ء۔ ص ۱۰۲

[2] ـــ

جامع اللغات' کی تدوین واشاعت کے دوران (یعنی ۱۸۹۱ء) امیراللغات [1] مولفہ امیر احمد مینائی لکھنوی کی جلد اول ۱۸۹۱ء میں اور جلد دوم ۱۸۹۲ء میں آگرہ سے شائع ہوئی جسے سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ نے اپنی سابقہ لغت "ارمغان دہلی" کا ہو بہو چربہ قرار دیا۔[2] یہ لغت مکمل نہ ہو سکی۔ تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

"فرہنگ آصفیہ" کی تدوین واشاعت سے کافی پہلے، اس کے مولف سید احمد دہلوی "مصطلحات اردو" کے نام سے ایک لغاتی مجموعہ ۱۸۷۱ء میں مدون کر چکے تھے جسے بعد میں "ارمغان دہلی" کے نام سے مختصر رسالوں کی شکل میں ۱۸۷۸ء سے شائع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے متعدد رسالے شائع کرنے کے بعد بالآخر انہیں ۱۸۸۸ء میں مجموعی شکل میں "لغات اردو (خلاصہ ارمغان دہلی)" کے نام سے شملہ سے شائع کیا۔[3] اسی طرح ان کی ایک دوسری لغت "لغات النسا" جو صرف عورتوں کی زبان اور محاوروں پر ہی مبنی تھی، شائع ہو چکی تھی۔ انھوں نے بعد میں "ارمغان دہلی" پر مبنی "لغات اردو" اور "لغات النسا" کی از سر نو تدوین کی اور معتد بہ اضافوں اور ترمیمات کے بعد اس کی پہلی جلد "ہندوستانی اردو لغت" کے نام سے مدون کرنا شروع کی جو بعد میں نظام دکن کی مالی امداد کے نتیجے میں "فرہنگ آصفیہ" کے نام سے موسوم ہوئی۔ "فرہنگ آصفیہ" کی جلد اول اور جلد دوم ۱۸۸۸ء میں اور جلد سوم ۱۸۹۸ء میں اور جلد چہارم ۱۹۰۱ء میں مکمل ہوئی۔[4]

اب تک کی معروضات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ صدی کا

---

[1] امیراللغات، حصہ اول، مطبع مفید عام پریس، آگرہ۔ ۱۸۹۱ء
" حصہ دوم " " " " ۱۸۹۲ء

[2] دیباچہ فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم۔ رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۰۱ء۔ ص ۲

[3] لغات اردو، مطبع گلزار، شملہ ۱۸۸۸ء

[4] حوالہ فرہنگ آصفیہ۔ جلد چہارم۔ رفاہ عام اسٹیم پریس۔ لاہور ۱۹۰۱ء

نصفِ آخر اردو لغات کی تدوین کا دور رہا ہے؛ کیوں کہ ان پچاس برسوں کی مدت میں ایک طرف تو منظوم لغاتی نصابات بھی بڑی تعداد میں لکھے گئے اور دوسری طرف اردو—فارسی، اور فارسی-اردو لغت نویسی کے ساتھ ساتھ اردو-انگریزی اور انگریزی-اردو لغت نویسی کا سلسلہ بھی نہ صرف جاری رہا بلکہ اپنی ارتقا کے آخری مراحل تک پہنچا۔ اس کے علاوہ آخری پچیس برسوں (ربعِ آخر) میں اردو-اردو لغت نویسی کی بنیاد بھی پڑی اور ایک نامکمل لغت 'امیر اللغات'، نیز "فرہنگِ آصفیہ" (چار جلدی) کی شکل میں اردو کی دو اہم لغات بھی اسی دور میں مدون کی گئیں۔ اس لیے انیسویں صدی کے ربعِ آخر کو اردو—اردو لغت نویسی کا دورِ اوّل کہا جا سکتا ہے۔ "امیر اللغات" اور "فرہنگِ آصفیہ" چوں کہ اس دور کی دو اہم لغات ہیں اس لیے ان کا تفصیلی جائزہ ضروری ہے۔

فرہنگِ آصفیہ

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے گزشتہ صدی کا نصفِ آخر اردو لغات کی تدوین کا دور رہا ہے کیوں کہ ہندوستانی-انگریزی، انگریزی-ہندوستانی، نیز اردو زبان و محاورات پر مشتمل متعدد اردو—اردو لغات اسی دور میں لکھی گئیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "فرہنگِ آصفیہ" کی تدوین سے قدرے قبل اردو-اردو لغت نویسی ایک متعین شکل اختیار کر چکی تھی کیوں کہ "فرہنگِ آصفیہ" کی جلد اوّل کی اشاعت سے ایک سال قبل یعنی ۱۸۸۷ء میں منشی چرنجی لال کی "مخزن المحاورات" اور امتیاز علی بیگ کی "مخزنِ فوائد" شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی تھیں۔ اس کے علاوہ "فرہنگِ آصفیہ" کی تدوین اس لحاظ سے بھی اردو لغت نویسی کے پختہ ماحول میں ہوئی کہ خود اس لغت کے مؤلف کو متعدد لغاتی رسائل کی تدوین و تالیف کے علاوہ ایک اہم مستشرق لغت نویس ڈاکٹر فیلن کے ساتھ سات سال کی لغت نویسی کا بیش قیمت تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔

"فرہنگِ آصفیہ" پر باقاعدہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے ایک بات کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اردو، زبان و ادب کی آبیاری

خالصتاً ادبی اور شعری ماحول میں ہونے کی وجہ سے اردو لغت نویسی پر بھی شعری اثرات غالب رہے۔ چنانچہ اگر اردو لغات کو پروفیسر مسعود حسین کے بقول لغاتِ شعر" کہا جائے تو نادرست نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً ان لغات میں فصاحت کے تعین اور اسناد کے لیے نہ صرف یہ کہ شعراء کے ہی کلام کو معیار قرار دیا گیا ہے بلکہ اکثر اندراجات کے معنی کے طور پر دیے گئے مترادفات بیشتر شعری نوعیت کے ہی ہیں۔ ثانیاً یہ کہ دیگر ترکیبات کے بالمقابل شعری ترکیبات زیادہ سے زیادہ شاملِ لغت کی گئی ہیں، اور اس بات کا بھی ممکنہ حد تک التزام رکھا گیا ہے کہ معاملہ بندی سے متعلق تمام لغاتی شکلیں ہر حال میں لغت میں شامل ہو جائیں۔ غالباً اس شعری غلبہ کا ہی نتیجہ تھا، جو ان مولفینِ لغت کو تحقیق و تدوینِ لغت کے اصل میدان سے ہٹا کر تنقیدِ لغت کے ممنوعہ میدان میں لے آیا اور لغت نویسی سے متعلق تمام معاملات کو تحقیق و تلاش کی بجائے ذاتی صلاحیتِ نقد، فصاحت اور علاقائی بنیاد پر طے کرنے کا وطیرہ چل پڑا۔ بہرحال اردو لغات کا تجزیہ جدید لغت نویسی کے اصولوں کی بجائے خود ان مولفینِ لغت کے اختیار کردہ طریقِ کار کی بنیاد پر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بصورتِ دیگر نہ تو ان مولفینِ لغات سے انصاف ہو سکتا تھا اور نہ ہی تنقیدِ لغت کے موضوع سے!

دوسری بات یہ کہ کسی بھی لغت کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت سب سے پہلا سوال اس لغت کے بنیادی مشمولات کا ہی سامنے آتا ہے جو کہ عام طور پر اندراجاتِ لغت ترتیبِ اندراج، املا، تلفظ، اصل و ماخذ لسانی، قواعدی نوعیت، ادبی و لسانی حیثیت اور معنی نیز معنوی وضاحت سے ہی عبارت ہوتے ہیں ——— یعنی یہ کہ لغت میں کسی قسم کی ضرورت کے تحت کیسے اندراجات کو ترجیح دی گئی ہے؟ اندراجی ترتیب کی نوعیت کیا ہے؟ نیز اس کا التزام کس حد تک کیا گیا ہے؟ مفرد اندراجات کے املا کے بارے میں کیا نقطۂ نظر اختیار کیا گیا ہے؟ اور یہ کہ تلفظ کی نشان دہی اگر کی گئی ہے تو توضیحی طریقہ اختیار کیا گیا ہے یا کہ متحرکاتی طریقہ؟ آیا اندراجات کی اصل یا ان کے ماخذ لسانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ اور اگر کیا گیا ہے تو کیا لغوی اور اصل معنی بھی دیے گئے ہیں؟ اندراجات کی قواعدی نوعیت (اسم، فعل، صفت وغیرہ)

اور ادبی ولسانی حیثیت (فصیح، قدیم، متروک) کے تعین کی بابت نقطۂ نظر یا رویہ کیا رہا ہے؟ معنوی وضاحت کے سلسلے میں تشریحی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے یا مترادفاتی یا دونوں؟ دیگر ترکیبات، محاورات اور ضرب الامثال وغیرہ کی شمولیت پر کس حد تک توجہ کی گئی ہے؟ نیز کیا محاورہ اور استعمال کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟ یہ وہ اہم سوالات ہیں جو کسی لغت کے تنقیدی تجزیے کے سلسلے میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں اردو۔ اردو لغات کا تجزیہ ان بنیادوں پر ہی کیا گیا ہے۔

اندراجاتِ لغت

ہندوستان میں یورپیوں کی ابتدائی لغت نویسی کا مقصد تجارتی اور کاروباری تھا کیوں کہ یہ لوگ مقامی باشندوں کی زبان سے واقف ہوکر ہی اپنے تجارتی اور کاروباری معاملات سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ ان کی ان کوششوں کو مزید تقویت عیسائی مبلغین کی تبلیغی کوششوں سے ملی جس کے لیے اس زبان کا سیکھنا ضروری تھا جو پورے ملک میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ یہی ضرورت "انگریزی ہندوستانی" اور "ہندوستانی انگریزی" لغات کی تدوین کا سبب بنی۔ ان لغات میں مقصد کے لحاظ سے بول چال کی زبان اور تمام محاورات کو شامل کرنا لازمی تھا۔ اسی طرح "اردو۔ فارسی دولسانی لغات" کی تدوین کا مقصد بھی یہی رہا تھا کہ یا تو فارسی محاورات کی اردو شکلوں کو ضبط تحریر میں لا کر انھیں محفوظ کر دیا جائے یا پھر یہ کہ عام استعمال کے اردو الفاظ و محاورات کی فارسی میں تشریح کر دی جائے تاکہ اردو سے ناواقف فارسی گویان ہندوی بھی ان سے واقف ہو سکیں نیز ان کے استعمال کے سلسلے میں کسی قسم کی غلطی نہ راہ پا سکے۔

مستشرقین کی مدون کردہ لغات کے علی الرغم فارسی۔ اردو یا اردو۔ فارسی لغات کے ذخیرۂ اندراجات میں اس لیے اضافہ ہو جانا لازمی تھا کہ ان میں شعری استعمالات کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ ان اردو۔ فارسی لغات کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں بنیادی اہمیت عام استعمال کے الفاظ اور روزمرہ کو ہی دی گئی تھی۔ اس کے

بعد اردو۔ اردو لغت نویسی کے پس پشت زبان و محاورے کے تحفظ[1] کے علاوہ یہ مقصد بھی کارفرما رہا تھا کہ لفظ کی فصیح اور غیر فصیح، متروک اور مستقل حیثیت کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ دہلی اور لکھنؤ کے مکاتیبِ فکر کے فرق کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان لغات کے اندراجی سرمایہ کو جامع اور مکمل کہنا مشکل ہے کیوں کہ بہت سے ضروری اور عام استعمال کے الفاظ غلط طریقۂ کار اختیار کرنے کی وجہ سے یا تو دانستہ شاملِ لغت نہیں کیے گئے یا پھر یہ کہ ایسے الفاظ مدونِ لغت کے خیال میں متروک یا غیر فصیح تھے یا ان کی فصاحت مشتبہ تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ صورتِ حال "فرہنگ آصفیہ" میں اس طرح سامنے آتی ہے کہ خود مولفِ لغت کے استعمال کردہ الفاظ بھی اس کی ہی لغت میں نہیں ملتے اور "عام محاورے، خاص محاورے، فقیروں کی صدائیں۔ سودے والوں کی آوازیں، جواریوں، ٹھگوں، دلالوں، چابک سواروں، بدمعاشوں اور مختلف پیشوں ......[2] سے متعلق تمام لفظی سرمائے کو شاملِ لغت کرنے کا دعویٰ اس لحاظ سے کافی کمزور معلوم ہوتا ہے کہ خود اس لغت کے دیباچے نیز بعض اندراجات کی طولانی توضیحات میں مولف کے اپنے استعمال کردہ سیکڑوں الفاظ شاملِ لغت نہیں ہیں[3]

بہرحال اندراجاتِ لغت کے سلسلے میں "فرہنگ آصفیہ" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ اردو کی پہلی مبسوط لغت ہے اور بعد کی تمام لغات کی تدوین کے لیے اسی لغت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ دوسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ "فرہنگ آصفیہ" کی تدوین سے پہلے اردو میں کئی لغات مدون ہو چکی تھیں۔ جن کے نمونے مولفِ فرہنگ آصفیہ کے پیشِ نظر رہ چکے تھے اور جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی قدیم لغت نویسی کے طریقۂ کار پر بھی ان کی نظر رہی ہوگی اور

1۔ دیباچہ فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص ۲۔ شائع کردہ ترقی اردو بورڈ دہلی۔ (۱۹۷۴ء)

2۔ " " " " ص ۱۲ " " "

3۔ مثلاً پچی چکی، پوستا، تکوین، پارچ، برکھا، وغیرہ (دیباچہ فرہنگ آصفیہ) جریدہ، ازدیاد، پائل (پیر کے بل پیدا ہونے والا بچہ) وغیرہ۔ (ریوم دہلی)

وہ عربی و فارسی لغت نویسی کے نظریوں سے بھی کما حقہٗ واقف رہے ہوں گے مستزاد یہ کہ انیسویں صدی عیسوی میں اہل یورپ کی لغت نویسی کے طفیل میں اہل ہند لغت نویس، مغربی لغت نویسی کے اصولوں سے بھی روشناس ہو چکے تھے خود مدون "فرہنگ آصفیہ" سید احمد دہلوی، ڈاکٹر فیلن کے ساتھ ان کی ہندوستانی - انگریزی ڈکشنری (۱۸۷۹ء) کی تدوین کے سلسلے میں سات سال کام کر چکے تھے - اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کی اپنی "فرہنگ آصفیہ" میں لغت نویسی کے جدید نظریات (مثلاً اصل و ماخذ کی نشان دہی، بعض الفاظ کی تاریخی سرگزشت، مترادفات کے ساتھ متضادات کی شمولیت وغیرہ) بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اپنی استطاعت کے لحاظ سے تمام سرمایۂ زبان کو سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی تاہم ان پر یہ الزام عائد ہو کر رہتا ہے کہ انھوں نے دوسرے بہت سے عام الفاظ کے علاوہ ــــ" اس لفظی سرمایہ کو بھی مکمل طور پر اپنے لغت میں جگہ نہ دی جو نظیر نے اپنی شاعری میں استعمال کیا"۔[1]

---

[1] سید خواجہ حسینی مضمون ــــ "فرہنگ آصفیہ تنقید کے آئینے میں" اردو ادب علی گڑھ شمارہ - ۱۔ (۱۹۶۲ء) -

قاضی عبدالودود مرحوم کی یہ رائے بھی محل نظر رہے کہ ــــ "ہزاروں مفردات و مرکبات و طرق استعمال جو مستند اہل قلم کے یہاں ملتے ہیں اس فرہنگ آصفیہ سے غیر حاضر...... اگر کوئی لفظ یا طرق استعمال ولی، تاجی، فغاں، حاتم، سودا، میر، درد، سوز، قائم، بیاں، بیدار، اثر، حسرت، میر حسن، مصحفی، جرات، انشا، نصیر، ممنون، احسان، ناسخ، آتش، مومن، غالب کے یہاں ملتے ہیں، اور آصفیہ میں نہیں تو یہ مولف کا قصور ہے"۔

قاضی عبدالودود نے ایسے سیکڑوں الفاظ اور ایسی سیکڑوں تراکیب کی فہرست بھی پیش کی ہے، جو سودا، میر، قائم، میر حسن، مصحفی کے یہاں استعمال ہوئے ہیں اور ان کی سند بھی دی ہے جو فرہنگ آصفیہ میں شامل نہیں کیے گئے ہیں۔

(حوالہ تبصرہ فرہنگ آصفیہ۔ خدا بخش لائبریری جرنل شمارہ ۴، ۱۹۷۸ء)

یہ صورت حال صرف "فرہنگ آصفیہ" تک ہی محدود نہیں رہی ہے بلکہ اس کے بعد مدّون کی گئی لغات بھی جو کہ ایک حد تک "فرہنگ آصفیہ" کی ہی نقل ہیں، اس الزام سے بری نہیں ہیں۔ دراصل کسی فردِ واحد سے اس سے زیادہ کی توقع کرنا بھی سراسر بے انصافی کی بات ہوگی۔ البتہ ان مولفینِ لغت نے جہاں کسی لفظ کو خلافِ فصاحت یا خلافِ صحت سمجھ کر اسے شاملِ لغت کرنے سے احتراز کیا ہے تو ان کے اس رویّے کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے لغات کی تدوین کے وقت اندراجات کے تعین کے سلسلے میں اس صائب نظریے سے صرفِ نظر کیا کہ:

"ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہوگیا، عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی پنجابی ہو یا پوربی، از روئے اصل غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے اگر اصل کے مطابق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلافِ اصل ہے تو بھی صحیح ہے ..... اس کی صحت یا غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے۔"[1]

اردو لغات پر شعری غلبے کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ یہاں پر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ "فرہنگ آصفیہ" میں بھی شعری ترکیبات کو شامل کرنے کے سلسلے میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، اور بہت سی ایسی شعری ترکیبات کو لغاتی اندراج کی حیثیت دے دی گئی ہے جو اضافی یا توصیفی ترکیب کے علاوہ اور کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ مثلاً عدم کے تحت عدم پیروی، عدم تعمیل، عدم توجہی، عدم ثبوت، عدم فرصت، عدم مطابقت، عدم موجودگی، عدم واقفیت وغیرہ[2] جیسے اندراجات بھی ملتے ہیں۔ اندراجات کی بابت ایک عام روش یہ بھی سامنے آتی ہے کہ بعض مفردات کو ان کی مفرد شکل میں درجِ لغت کرنے کی بجائے کسی استعمال یا محاورے کی شکل میں شاملِ لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سرزد، واقع، ظہور وغیرہ کو ان کی مفرد شکل کی بجائے سرزد ہونا، واقع ہونا، ظہور میں آنا کی شکل میں درجِ لغت کیا گیا ہے۔ اسی طرح صفو کو بھی جب کہ

---

[1] انشاء اللہ خاں انشاء ــــ "دریائے لطافت"،
ترجمہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔ (۱۹۳۵ء)
[2] فرہنگ آصفیہ جلد سوم۔ ص ۲۶۵، ترقی اردو بورڈ۔ دلی (۱۹۷۴ء)

توجہ المفوح سے پیش کی گئی اس مثال سے کہ ــــ "تجھ اگرچہ کم کھیلتا ہوں، لیکن اگر بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ صفو پر بادری چڑھا جاتے ــــ"[1] یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صفو ایک مستقل لفظ ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ صفو کو مفرد طریقے پر درج کر کے اس کے معنی دیے جاتے یا پھر صفو دینا یا صفو پر بادری چڑھانا کو محاوراتی اندراج کے طور پر درج کیا جاتا۔ ایسا ہی کچھ طرّا کے سلسلے میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ اسے بھی مفرد شکل میں درج نہ کر کے صرف طرّا جمانا کی شکل میں ہی درج کیا گیا ہے۔

تعین اندراج کے تعلق سے اب تک کی معروضات کا مقصد اس لغت کی مسلّمہ اہمیت سے انکار کرنا قطعاً نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس سلسلے میں اختیار کردہ علاقائیت پر مبنی فصاحت اور چلن کے اصول کی وجہ سے پورا سرمایۂ زبان شامل لغت نہیں ہو سکا۔ بلکہ ایک رائے کے مطابق:

> "بعض ضروری الفاظ (بھی) نظر انداز ہو گئے ہیں۔ ان میں "اوبنا" بمعنی بیزار ہونا، تخیل بمعنی خیال آرائی اور دیجور بمعنی سیاہ (شب دیجور) ہیں ان کی غیر حاضری صحیح معنوں میں فروگذاشت ہے"[2]

اس فروگذاشت پر شمس الرحمان فاروقی نے کافی دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے موصوف کے بقول "اردو الفاظ کو لغت قرار دینے میں "آصفیہ" خاص کنجوس ہے لیکن انگریزی الفاظ میں اتنا تکلف نہیں برتا گیا ہے۔ اس سے زیادہ بے اصولا پن کیا ہوگا کہ "اہا" کی دوسری اور اتنی ہی معروف شکل "آہا" نہ دی جائے۔ لیکن "اسکالرشپ" "اسکول" "ماسٹر" "اسپرٹ" (بمعنی جوش، ولولہ، جوہر، یہ سب معنی اردو میں نہیں ہیں) "اسپیکر" بمعنی مقرر تقریر کرنے والا (یہ معنی بھی اردو میں نہیں ہیں) "اسٹوڈنٹ" وغیرہ دھڑلے سے درج ہیں۔ "اسکالرشپ" کی جگہ وظیفہ عرصے سے مستعمل ہے۔ ممکن ہے "آصفیہ" کے زمانے میں نہ رہا ہو۔ لیکن "اسکول ماسٹر" کبھی اردو نہیں مانا گیا۔ ماسٹر، ماسٹر صاحب البتہ اردو ہیں۔ ماسٹر جی" بھی اردو ہے۔ "اسپرٹ" اور "اسپیکر" محض مخصوص معنوں میں

---

1. فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ ص ۲۲۱ ترقی اردو بورڈ۔ دلّی (۱۹۷۴ء)
2. کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔ جلد اول۔ جابر علی سید شائع کردہ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ ۱۹۸۴ء

اردو ہیں۔ (اسپرٹ، بمعنی الکوہل یا الکہل اور "اسپیکر" بمعنی اسمبلی یا پارلیمنٹ کا اسپیکر، ان کے علاوہ کوئی اور معنی دینا زیادتی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ "اسٹاف" نہیں درج کیا گیا جو کہ اسکول ماسٹر کے مقابلے میں زیادہ اردو ہے۔ "آصفیہ" نے آزمائش لکھا ہے۔ (مع ہمزہ اور یائے تحتانی کے) لیکن "آزمائشی" چھوڑ دیا ہے۔ اس کو اردو سے زیادہ غیر اردو الفاظ پسند ہیں۔ چنانچہ ہندی الفاظ بھی خوب درج کیے گئے ہیں (مثلاً برکھ بمعنی بیل "مرگا" بجا بمعنی بازو، مثلث کا ضلع "، برہسپت" بمعنی عالم فاضل وغیرہ) نور اللغات میں "اہا" اور "آہا" دونوں درج ہیں، لیکن "اہا" بمعنی کلمہ ماتم نہیں دیا ہے۔ ہندی اور انگریزی الفاظ کے سلسلے میں "نور اللغات" زیادہ محتاط ہے۔ اگرچہ اس میں "اسپیکر" (بمعنی تقریر کرنے والا، جو بالکل غلط ہے) درج ہے۔ آصفیہ نے کم سے کم ایک معنی تو صحیح لکھے تھے، یعنی "پارلیمنٹ کا اسپیکر" لیکن "اسکالرشپ" "اسکول ماسٹر" "اسٹوڈنٹ" وغیرہ درج نہیں ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس احتیاط میں اسٹیشن ماسٹر بھی نظر انداز ہو گیا ہے۔ "برکھ" "برہسپت" (بمعنی عالم فاضل) درج نہیں ہیں۔ لیکن "بجا" بمعنی مثلث کا ضلع (جو اردو میں قطعی نہیں ہے) لکھا ہوا ہے۔[1]

"فرہنگ آصفیہ" کے اندراجات کے تعلق سے بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کی اس رائے سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ ——

"بہت سے الفاظ و محاورات چھوٹ گئے ہیں اور بعض اوقات بے جا طویل نویسی سے کام لیا ہے۔ فحش الفاظ کے جمع کرنے میں خاص اہتمام کیا ہے اور کوئی فحش لفظ یا محاورہ ایسا نہیں ہے جو ان کی نظر سے بچا ہو جو ڈاکٹر فیلن کے فیض کا اثر معلوم ہوتا ہے۔"[2]

بابائے اردو کی اس رائے کی توثیق اس ایک مثال سے ہی ہو جاتی ہے جس میں صرف انگیا کے تحت یہ سب ذیلی اندراجات بھی ملتے ہیں:

"انگیا کا بنگلا، انگیا کا جھرمٹ، انگیا کا گھاٹ، انگیا کے پٹھے، انگیا کی چڑیا،

---

[1] مضمون۔ اردو لغت اور لغات نگاری: مشمولہ "لغت نویسی کے مسائل" مکتبہ جامعہ۔ (دہلی ۱۹۸۵ء) ص۱۵

[2] مضمون۔ اردو لغات اور لغت نویسی۔ رسالہ اردو۔ انجمن ترقی اردو کراچی، پاکستان، (جنوری ۱۹۶۱ء) ص۵

انگیا کی خواصی، انگیا کی دیواریں، انگیا کی ڈوری یا انگیا کی کٹوریاں وغیرہ"۔[1]
اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولف "فرہنگ آصفیہ" نے اس قسم کے الفاظ کی تلاش اور شمولیت کے سلسلے میں واقعی التزام سے کام لیا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین کی اس رائے کی صیابت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ:۔

"اگرچہ گالیاں بھی زبان کا حصہ ہوتی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھیں لغت بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس لغت میں اس قسم کے بہت سے اندراجات ملتے ہیں۔ جن کی شمولیت کا کوئی جواز نہیں تھا۔"[2]

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مولف فرہنگ آصفیہ نے جس طرح اس لغت کے دوسرے حصوں میں طویل نویسی سے کام لیا ہے۔ اسی طرح معنوی وضاحت میں بھی طویل نویسی راہ پا گئی ہے جس کی وجہ سے ان پر فحش نگاری کا الزام آگیا ہے۔[3]

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۴ ترقی اردو بورڈ۔ دلی۔ سنہ ۱۹۷۴ء۔

[2] اس طرح کی چند مثالیں پیش ہیں:۔

(الف) اختی گھوڑا۔ بازاری لوگ پھبتی کے لیے بے سینے کی عورت کو کہتے ہیں۔ مثال میں محشر کا شعر پیش کیا گیا ہے۔ جلد اول۔ ص ۱۴۴۔

(ب) لنڈی۔ اندراج میں شامل کیا گیا ہے (نفرت یا حقارت سے عورت) کا خطاب۔ مثال کے طور پر قصہ بھرتری سے دوہا پیش کیا گیا ہے۔ جلد چہارم۔ ص ۲۱۱ اسی طرح اگلا اندراج لنڈیت بھی دیا گیا ہے۔

(ج) چوتیا چوت مراتی۔ کا اندراج بھی ملتا ہے۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۵

(د) مزے میں آنا۔ مثال میں شوق قدوائی کا شعر پیش کیا گیا ہے۔

(ہ) آرام کرنا۔ ہم صحبت ہونا۔ ع مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو تو رخ (انشا۔ جلد اول۔ ص ۱۲۱)

[3] وہ ایک اندراج جھبوا کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

(طبق زن) مصنوعی آلۂ تناسل جو سابقہ پیشہ عورتیں اپنی تسلی کے واسطے بنوا کر اور بجائے منی کے اس میں لعاب بہیدانہ یا اسپغول بھر کر طبق زنی کرتی ہیں۔ رنگین اور جان صاحب کے یہاں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ جلد سوم۔ ص ۲۱۳۔

مولف فرہنگ آصفیہ کی اس رائے سے قاضی عبدالودود کا اختلاف بالکل بجا ہے کہ "ہاں اگر کچھ چھوڑا ہے تو مغلظات اور فحش چھوڑا ہے، کیوں کہ قاضی صاحب بھی جن الفاظ کو فحش سمجھتے ہیں ان میں سے شاید کوئی ہو، جو آصفیہ میں نہ ہو ـــ "مولف لغت کی خاص توجہ ایک نقطہ پر ہے جو کافِ فارسی سے شروع ہوتا ہے اور بلا کم و بیش ۵۰ مستقل لغات (الفاظ) ہیں (جلد چہارم ص ۱۰۲) جن کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک کے لیے راحت اور ۲۳ کے لیے چرکین کے اشعار بطور سند پیش کیے ہیں"[1]

مولف فرہنگ آصفیہ کی اس "فحش نگاری" کی صفائی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان پر فحش الفاظ کے جمع کرنے میں خاص التزام سے کام لینے کا الزام اگر کسی حد تک غلط نہیں ہے مگر مولف لغت کے ساتھ زیادتی ضرور ہے۔ جہاں تک فیلن کی ڈکشنری کا تعلق ہے، تو اس میں "فواحشات" کو "زبان کے استعمالات" کے نام پر جمع کیا گیا ہے اور اس کام کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ـــ خود فیلن کو، یا اُن کے اثرِ صحبت کی بناء پر سید احمد دہلوی کو اس طرح کے اندراجات کے لیے، اس لیے زیادہ مورد الزام نہیں ٹھرایا جا سکتا کہ اس طرح کے اندراجات سے ان دونوں کے لیے گریز ممکن نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت انشاؔ، رنگینؔ، بحرؔ، جرأتؔ، جیسے شعراء اپنی معاملہ بندی، خاص طور پر ریختہ گوئی کے طفیل میں ایک ایسا شعری سرمایہ تخلیق کر چکے تھے جس سے صرفِ نظر ممکن ہی نہیں تھا۔ خود میر تقی میرؔ، سوداؔ اور ذوقؔ کے کلام سے بھی اس طرح کے "فحش" اندراجات کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس طرح کے اندراجات کو جمع کرنے کا مقصد کسی ذوق کی تسکین کی بجائے اس زبان اور ان محاوروں کو محفوظ کر دینا تھا جو ان شعراء نے شعر بند کیے تھے۔

ترتیب اندراج

اندراج اور تعینِ اندراج کے بعد لغت کا دوسرا مرحلہ ترتیب اندراج ہے

---

[1] تبصرہ فرہنگ آصفیہ۔ خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ ۲ (۱۹۷۷ء)

تعلق رکھتا ہے، یعنی یہ کہ لغت کے مشمولات کو کس ترتیب سے درج کیا گیا ہے؟

اگرچہ اردو کی تمام جدید لغات میں ترتیب اندراج کے سلسلے میں ہجائی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے، مگر تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اور وہ اس طرح کہ "فرہنگ آصفیہ" میں تمام اندراجات ہجائی ترتیب سے مفرد شکل میں شامل کیے گئے ہیں۔ یعنی مفردات، مرکبات، محاورات، ضرب الامثال غرض کہ تمام مشمولات کو مفرد اندراج کی حیثیت دے کر الگ الگ سطر میں لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "دل" اور اس سے بننے والے تمام مرکبات اور ذیلی اندراجات کو دل کے تحت ہی درج نہ کر کے الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مولف "فرہنگ آصفیہ" لغت کے مشمولات کی اندراجی تفریق کے یا تو قائل ہی نہیں تھے یا پھر یہ کہ ان کے یہاں مشمولاتِ لغت کی اندراجی تفریق کا کوئی احساس ہی نہیں رہا ہو گا۔ آخر الذکر بات اس لیے قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ مسٹر فیلن کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری (۱۸۷۹ء) میں اصل اندراج اور ذیلی اندراجات کے درمیان واضح تفریق ملتی ہے اور مولف فرہنگ آصفیہ مسٹر فیلن کے ساتھ سات سال تک کام کر چکے تھے۔ اس صورت میں یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سید احمد دہلوی اندراجی تفریق سے واقف نہیں رہے ہوں گے۔ مسٹر فیلن کی اس ڈکشنری میں دل کے بعد دوسرا اصل اندراج "دلچسپ" ہے۔ دل اور دلچسپ کے درمیان دسیوں اندراجات (دلآ، دلآرام، دل زار، وغیرہ وغیرہ)[1] ملتے ہیں جن کو دل کے تحت ذیلی اندراجات کے طور پر ہی درج کیا گیا ہے جب کہ فرہنگ آصفیہ میں اس سے مختلف صورتِ حال ملتی ہے۔

تلفظ کی نشان دہی

کسی اندراج کی تحریری شکل کو صوتی ترسیل دینے کا عمل تلفظ کہلاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی اندراج کی تحریری شکل اور صوتی ترسیل میں مکمل مطابقت کیوں کر پیدا کی جائے؟ پھر ایک دشواری یہ بھی سامنے

[1] ہندوستانی انگلش ڈکشنری۔ ایس ڈبلیو فیلن میڈیکل ہال پریس بنارس۔ (۱۸۷۹ء) ص ۶۳۳

آتی ہے کہ متحد الحروف مگر مختلف الصوت اندراجات کا تلفظ کیسے ظاہر کیا جائے؟ اس دشواری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو کا دامن مختصر مصوتوں کے ذریعۂ اظہار سے یکسر خالی ہے۔ مثلاً اَ ذُ یا اُ ذُ سے اُ ذٗ کا فرق تو کسی نہ کسی صورت میں ظاہر کیا جا سکتا ہے، مگر یَ (بالفتح) اور یِ (بالکسر) کے مختصر مصوتوں کا اظہار لغت نویس کے لیے دشواری کا باعث ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ متحد الحروف اور مختلف الصوت الفاظ کا یہ صوتی اختلاف اشتباہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر متحد الحروف مگر مختلف الصوت یہ تین لفظ ہیں۔ مُیل، مِیل، میل۔ یہ تینوں لفظ متحد الحروف ہوتے ہوئے اصل اور معنی کے لحاظ سے مختلف الصوت ہیں۔ یہاں مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صوتی اختلاف کو کیسے واضح کیا جائے؟ اس مسئلہ کا حل صرف صوتیاتی علامتوں کی شکل میں ہی تلاش کیا جا سکتا ہے جن سے اردو تا حال تہی دامن ہے۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ مختصر مصوتوں کے اظہار سے متعلق یہ دشواری اکثر اختلافِ تلفظ کی شکل بھی اختیار کر جاتی ہے۔ تلفظ کا یہ اختلاف فارسی الاصل الفاظ کے سلسلے میں تو اور بھی زیادہ پیچیدگی اختیار کر جاتا ہے۔ کیوں کہ:-

"فارسی زبان میں الفاظ کی صحیح قرأت اور صحیح تلفظ کا مسئلہ نہایت دشوار مسئلہ ہے۔ قرأت کے سلسلے میں سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ اس زبان میں چھوٹے مصوتات داخل نہ ہونے کی بنا پر اعراب کے اعتبار سے الفاظ (کے تلفظ) کا تعین اکثر دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ دشواری عربی الاصل اور فارسی الاصل دونوں قسم کے الفاظ میں یکساں طور پر محسوس کی جاتی ہے۔ حالاں کہ اوّل الذکر الفاظ جب اصل عربی میں مستعمل ہوتے ہیں تو ان کی قرأت میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ عربی زبان میں اعراب سے قواعدِ زبان کا کام لیا جاتا ہے۔ اعراب کے لحاظ سے الفاظ کی قرأت اور تلفظ کے تعین میں جو دشواری لاحق ہے اس کے ساتھ ہی الفاظ کی حیثیت کا تعین بھی فارسی زبان کا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔"[1]

---

[1] پروفیسر نذیر احمد "فارسی میں الفاظ کی تصحیح کا مسئلہ" رسالہ تحریر دہلی شمارہ (۱) ۱۹۶۷ء صفحہ ۳۵

گویا اس طرح تلفظ کے اظہار کے سلسلے میں دو نمایاں مسئلے یہ سامنے آتے ہیں کہ کسی لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے نیز یہ کہ کسی تلفظ کو بالکل صحیح طریقے پر کیسے ظاہر کیا جائے؟

اس صورت حال کی روشنی میں اردو لغات کا جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ لغت نویسی کے دوسرے حصوں کی طرح تلفظ کے اظہار کے سلسلے میں بھی ذاتی صوابدید سے ہی کام لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نحاتی اندراج کے تعین کی طرح اندراج کے تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی کافی عدم یکسانیت پائی جاتی ہے۔ تلفظ کے سلسلے میں طریقۂ کار کی یہ عدم یکسانیت مختلف لغات میں ہی نہیں بلکہ لغت واحدہ میں بھی ملتی ہے۔ ایک لغت میں تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں مختلف طریقۂ کار اختیار کرنے کی سب سے اچھی مثال "نور اللغات" اور "مہذب اللغات" ہیں۔ جن پر آئندہ باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔

جہاں تک "فرہنگ آصفیہ" کا تعلق ہے تو اس میں تلفظ کی نشان دہی یا وضاحت کا کوئی باقاعدہ التزام نہیں ملتا۔ "ڈیڑھ لاکھ" اندراجات والی اس ضخیم لغت میں مشکل سے ڈیڑھ سو اندراجات کا تلفظ توضیحی شکل میں دیا گیا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ "فرہنگ آصفیہ" کے بعد کی لغات مثلاً "امیر اللغات" میں تمام اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے اور "نور اللغات" نیز "مہذب اللغات" میں بیشتر اندراجات کے اور "فیروز اللغات" (ایک جلدی) میں تمام اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جہاں مولف "فرہنگ آصفیہ" نے اپنی لغت کے دوسرے اجزا مثلاً قواعدی نوعیت اور ادبی حیثیت کے تعین اور معنوی وضاحت پر ضرورت سے زیادہ توجہ دی ہے، وہ تلفظ کی نشان دہی پر اتنی توجہ کیوں نہ دے سکے۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے صرف ان اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی کی ہے جن کے تلفظ میں کسی قسم کا اختلاف پایا گیا ہے اور مسلمہ تلفظ کو انھوں نے اپنی لغت میں شامل نہیں کیا ہے۔

اصل اور ماخذِ لسانی کی نشان دہی

کسی لغت میں فراہم کردہ دیگر تمام اہم معلومات میں اندراج کی اصل یا اس کے ماخذِ لسانی کی نشان دہی بھی شامل ہے، یعنی یہ کہ کسی اندراجی لفظ کی اصل کیا ہے؟ وہ اصلاً کس زبان سے تعلق رکھتا ہے؟ اس سلسلے میں عام طور پر تین طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ یا تو یہ کہ اندراج کے ماخذِ لسانی کی طرف علامتی حروف سے اشارہ کر دیا جاتا ہے یا پھر یہ کہ ماخذِ لسانی کی طرف اشارہ ہی نہ کر کے اندراج کی اصل شکل بھی اس کے لغوی معنی کے ساتھ دے دی جاتی ہے۔ پہلا طریقہ عام طور پر مختصر اور چھوٹی لغات میں اور دوسرا طریقہ نسبتاً بڑی لغات میں اختیار کیا جاتا ہے۔ جامع اور مبسوط قسم کی لسانیاتی لغات میں دوسرے طریقے سے بھی آگے بڑھ کر اندراج کی اصل شکل اور اس کے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اس کے تمام تصریفی اور ارتقائی مدارج پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جہاں تک اردو۔ اردو لغات میں اندراج کی اصل یا اس کے ماخذِ لسانی کی نشان دہی کا تعلق ہے تو لغات کے دیگر تمام اجزائے ترکیبی کی ہی طرح اس سلسلے میں بھی کوئی یکسانیت نہیں ملتی [1]

---

[1] اردو۔ اردو لغت نویسی کے دونوں ابتدائی مراحل یعنی اردو۔ فارسی لغت نویسی اور اردو انگریزی۔ اردو لغت نویسی میں اندراج کی اصل یا ماخذِ لسانی کی نشان دہی کافی ترقی پا چکی تھی۔ جان شیکسپیئر کی ہندوستانی۔ انگریزی ڈکشنری (۱۸۱۷ء) میں ہر اندراج سے قبل علامتی حروف کے ذریعے اصل زبان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طریقے کو بعد میں اردو کے دوسرے مغربی لغت نویس بھی اختیار کرتے آئے۔ اس کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل جان پلاٹس کی "اے ڈکشنری آف اردو، کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش" (۱۸۸۴ء) میں ملتی ہے۔ شیکسپیئر نے اپنی ڈکشنری میں صرف اصل کی طرف اشارہ ہی کر دینا کافی سمجھا تھا مگر جان پلاٹس نے اپنی مذکورہ ڈکشنری میں اصل زبان کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ اردو اور ہندی کے اندراجات کی اصل شکل بھی پیش کی۔ خاص طور پر ہندی کے سنسکرت الاصل الفاظ کی مختلف پراکرت اور اپ بھرنش شکلوں یا ان کے ارتقائی مدارج کی بھی نشان دہی کی جس کی وجہ سے دخیل الفاظ کی اصل بھی واضح ہو گئی ہے۔ یہی طریقہ عربی اور فارسی کے دخیل یونانی اور عبرانی الفاظ کے سلسلے میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

چنانچہ "جامع اللغات، نوراللغات" اور "فیروزاللغات" میں بیشتر اندراجات کی اصل کی طرف صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ "جامع اللغات" میں جہاں تہاں اس کی اصل شکل دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ "فرہنگ آصفیہ" میں اصل کی طرف اشارہ کرنے کے علاوہ جستہ جستہ الفاظ کی ہی اصل شکل دی گئی ہے۔

اصل یا ماخذ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں ان لغات کا گہرائی سے جائزہ لینے پر جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ جن اندراجات کے اصل اور لغوی معنی نیز رائج اور محاوراتی معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ ان کی اصل اور ماخذ لسانی کی نشان دہی کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ لیکن جہاں کہیں کسی لفظ کے لغوی معنی اور مستعمل معنی نیز محاوراتی معنی میں کوئی فرق ہے یا اس میں کسی قسم کی صوری یا صوتی تبدیلی آگئی ہے۔ اس کی اصل بھی اختلافی ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مولفین لغات نے اندراج کی اصل کا تعین اندراج کی لغاتی (LEXICAL) بنیاد پر نہ کر کے اس کے مستعمل معنی یا محاوراتی معنی کی بنیاد پر کیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی زبان کا کوئی لفظ اردو میں کسی معنوی یا صوری تبدیلی کے ساتھ داخل ہوا ہے تو اسے اس کی اصل زبان سے منسوب کرنے کی بجائے بے محابا "اردو" لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً لفظ شکیل (حسین، خوبرو) کے سلسلے میں صاحب "قاموس الاغلاط" کی یہ رائے کہ :-

> "عربی میں لفظ شکیل بمعنی خوب رو نہیں آیا ہے۔ اس لیے خوب رو کے معنی میں اس کا ترک اولا ہے۔" نہ صرف فرہنگ آصفیہ میں نقل کر دی گئی ہے بلکہ اس تصدیق کے ساتھ کہ "جن لغات والوں نے اس معنی میں عربی قرار دیا ہے وہ خطا پر ہیں کیوں کہ عربی میں اس کے معنی مکروفریب کے آئے ہیں[1]........ اور فارسی میں یہ لفظ کسی استاد کے کلام یا تصانیف ایران میں نہیں پایا جاتا۔ پس اس معنوں میں اردو والوں کی گھڑت ہے۔ اس لیے اس کو اردو ہی کہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ

---

[1] حالانکہ عربی میں شکیل (بہ کسرۂ شین) کے معنی مکروفریب ہیں نہ کہ شکیل بہ فتح شین کے۔

عطف و اضافت ناجائز ہے۔"[1]

اس سلسلے میں اگرچہ صاحب "مہذب اللغات"[2] کی بھی یہی رائے ہے[3] اور "نور اللغات" میں بھی اس کی تائید ملتی ہے مگر اس استثنا کے ساتھ کہ — "فارسی لغات میں یہ لفظ نہیں آیا ہے"[4] یہاں پر لفظ شکیل کے عربی اور فارسی استعمال کے سلسلے میں ان مولفین لغات کی مذکورہ بالا "تحقیقات" کی صحت یا عدم صحت کی بحث میں پڑے بغیر صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اندراج کی اصل کے تعین کے سلسلے میں ان مولفینِ لغات کا نقطۂ نظر کیا تھا۔

ایک اور مثال لیجیے: "فرہنگ آصفیہ" میں شک کو عربی قرار دیتے ہوئے شکی کو اردو لکھا گیا ہے (جلد سوم ص ۱۸۹) اس طرح ایک دوسرے اندراج "سرپرست" کے سلسلے میں "فرہنگ آصفیہ" کی یہ رائے کہ — "اس لفظ کو ان معنوں میں فارسی خیال کرنا غلطی ہے[5] فارسی میں صرف خادم اور میزبان کے معنی میں آتا ہے"[6] صاحب مہذب اللغات کو نہ صرف قبول ہے بلکہ اپنے قول فیصل کے ذریعے یہ تصدیق بھی کر دی ہے کہ "بہرصورت ان معنوں میں یہ لفظ اردو ہے"[7] غرض کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے اور ستن (سنہ) شکی، شکیل، ضرورت مند، ضروری، عادی، جیسے تمام الفاظ کو ان کی اصل زبان سے منسوب کرنے کی بجائے انھیں اردو لکھ دیا گیا ہے۔

یہ طریقہ صرف مفردات ہی نہیں بلکہ مرکبات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ ص ۱۰۵۔ ترقی اردو بورڈ۔ دلی سنہ ۱۹۷۴ء۔

[2] مہذب اللغات۔ جلد ہفتم۔ ص ۸۹۔ سرفراز قومی پریس (لکھنؤ ۱۹۷۰ء)

[3] نور اللغات۔ جلد سوم۔ ص ۴۲۹۔ نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء۔

[4] فارسی لغات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ فرہنگ عمید (مطبوعہ ایران ۱۳۵۰ھ) کی اشاعت پنجم کے ص ۷۴۵ پر اس لفظ کے معنی واضح طور پر دوسرے معانی کے ساتھ ساتھ "نگہبان، بزرگ، ترخانوادہ کسے کہ دارادارہ..." وغیرہ وغیرہ بھی دیے گئے ہیں۔

[5] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ ص ۱۸۹۔ ترقی اردو بورڈ۔ دلی۔ ۱۹۷۴ء۔

[6] مہذب اللغات۔ جلد ششم ص ۳۸۸۔ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۶۹ء۔

میں بھی اختیار کیا گیا ہے چنانچہ مرکبات کی اصل کی نشاندہی کے وقت ان کے اجزائے ترکیبی کی اصل کو نظر انداز کر کے ان کے استعمال اور اردو پن کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اگرچہ "فرہنگ آصفیہ" میں جہاں تہاں یہ التزام ملتا ہے کہ مرکبات کے اجزائے ترکیبی کی الگ الگ نشاندہی کر دی گئی ہے مگر یہ ادھورے پن سے وہ بھی خالی نہیں۔ مثلاً دو مرکبات "راحت طلب" اور "مشکل کشا" کو لیجیے۔ اگرچہ راحت طلب کے دونوں اجزائے ترکیبی عربی ہیں مگر "نوراللغات" اور "مہذب اللغات" میں اسے فارسی بتایا گیا ہے۔ مشکل کشا کا جزو اول عربی اور جزو ثانی فارسی ہونے کے ناطے، "فرہنگ آصفیہ" میں اختیار کردہ طریقۂ کار کے مطابق اسے بھی (ع۔ف) ہی لکھنا چاہیے تھا۔ مگر "فرہنگ آصفیہ" میں اسے صرف عربی لکھا گیا ہے۔ اور "نوراللغات" میں صرف فارسی۔ غرض کہ مرکبات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی معنی اور استعمال کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے؛ اور حیادار، زوردار، مجبور، عزت دار جیسے ہزاروں اندراجات کو ان کی اصل زبان سے منسوب کرنے کی بجائے ان کے معنی اور استعمال کی بنیاد پر صرف فارسی یا اردو لکھ دیا گیا ہے۔

اصل یا ماخذِ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں جو دوسری بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل زبان اور اردو میں اندراج کے اعراب کے تغیر یا صوری تبدیلی کی وجہ سے بھی اس کی اصل میں فرق قایم کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراج۔ شلّ (بے حس، بے جان، سُن) کو ہی لیجیے۔ "فرہنگ آصفیہ"[1] میں چوں کہ اندراج کے مختلف معنوں کے درمیان کوئی فرق قایم نہ کر کے انھیں ایک ہی نمبر کے تحت درج لغت کیا گیا ہے؛ اسی لیے اسے عربی لکھ دیا گیا ہے۔ "نوراللغات" میں بھی اسے عربی تو لکھا گیا ہے مگر یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ یہ عربی میں بہ تشدید لام، اردو میں بغیر تشدید مستعمل ہے مگر ان دونوں لغات کے برخلاف "مہذب اللغات" میں اسے بے حس، بے جان کے معنوں میں عربی اور تھکا ماندہ کے لحاظ سے اردو قرار دیا گیا ہے۔[2]

یہ تو تھی معنوی توسیع کے لحاظ سے اندراج کی اصل کی نشان دہی کی بات ـــــ

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ ص ۱۸۵۔ ترقی اردو بورڈ۔ دلی۔ ۱۹۷۴ء

[2] مہذب اللغات۔ جلد ہفتم۔ ص ۱۹۲۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۶۰ء۔

اب ذرا اس سے مختلف ایک دوسری بات لیجیے۔ ایک اندراج ہے ــــ سِنجاف۔ اس لفظ کے اردو اور فارسی معنی میں قطعاً فرق نہ ہونے کے باوجود اسے اس لیے اردو لکھا گیا ہے کہ ان مولفینِ لغت کے نزدیک اردو میں اس کا استعمال بہ فتحِ اوّل اور فارسی میں بہ کسرۂ اوّل ملتا ہے[1] جب کہ فارسی میں یہ لفظ بہ فتحِ اوّل بھی مستعمل ہے۔"[2]

تیسری بات یہ ہے کہ جہاں عربی اور فارسی اصل والے الفاظ کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں ان کے استعمال کو بنیاد بنایا گیا ہے، سنسکرت الاصل الفاظ کے سلسلے میں اس طریقۂ کار سے روگردانی کی گئی ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ ہندی یا سنسکرت الاصل دخیل الفاظ کے اردو اور اصل معنی میں کوئی واضح فرق یا تبدیلی واقع نہ ہونے کے باوجود بھی ان کو اردو قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ عربی و فارسی الفاظ کی اصل کی نشاندہی کے سلسلے میں ایسا نہیں کیا گیا ہے۔ مانا کہ سنگھار ان کو تو اردو لکھنا کسی حد تک درست ہو سکتا ہے۔ مگر سنگھار کے اردو اور ہندی معنی میں کوئی فرق یا تبدیلی نہ ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا اصول کے مطابق اسے بھی اردو لکھنے کے بجائے یا تو ہندی لکھنا چاہیے تھا یا پھر اس کی اصل "شرنگار" دے کر سنسکرت لکھا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا ہے۔[3]

---

[1] فرہنگِ آصفیہ۔ جلد سوم ص۱۱۳۔ و مہذب اللغات جلد ششم ص۲۴۲

[2] لغت نامہ علی اکبر دہ خدا (جلد ز، س) ص۲۹۷ میں، برہان، غیاث اللغات، فرہنگِ آنند راج وغیرہ کے حوالے سے اسے بالکسر اور بالفتح دونوں قرار دیا ہے۔ (لغت نامہ مطبوعہ تہران ۱۹۶۱ء)

[3] مہذب اللغات، جلد ششم ص۲۴۹۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۶۹ء)

[4] ایک دوسری مثال "سموسہ" کی لیجیے، اسے فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات اور مہذب اللغات میں اردو قرار دیا گیا ہے جب کہ اس کے اردو اور فارسی معنی میں کوئی فرق نہ ہونے کی وجہ سے اسے فارسی ہی لکھا جانا چاہیے تھا۔ ایک اور مثال "سن (سنہ) سال، برس" کی لیجیے یہ لفظ عربی سنۃ کی مفرس یا مورد شکل ہے مگر معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ مگر اسے عربی یا اردو لکھنے کی بجائے فارسی لکھا گیا ہے۔

عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کی اصل کی نشان دہی کے طریقۂ کار میں اس فرق کی وجہ پروفیسر مسعود حسین کی رائے میں یہ ہے کہ ان مولفین لغت کی علمیت قطعاً یک طرفہ تھی یعنی انھیں عربی اور فارسی زبانوں پر جس قدر عبور رہا ہوگا، ہندی یا سنسکرت زبان پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا اسی وجہ سے پروفیسر صاحب موصوف سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل کی نشان دہی کو ان اردو لغات کا کمزور ترین حصہ قرار دیتے ہیں۔

اپنے ہی اختیار کردہ اصول پر پوری طرح کاربند نہ رہنے کی ایک اور عام سی مثال دو اندراجات ہیں: "زمیندار" اور "شرابی" یہ دونوں الفاظ اپنے معنی نیز ان مولفین لغت کے اختیار کردہ اصول (یعنی استعمال) کی بنیاد پر اردو ہی لکھے جانے چاہیے تھے، کیوں کہ شرابی بمعنی شراب خور یا شارب کا استعمال فارسی اور عربی میں نہیں ملتا۔ اوّل تو شرابی کا لفظ عربی میں اس شکل میں نہ تو ملتا ہے اور نہ ہی عربی صرف و نحو کے مطابق صحیح ہی ہے۔ بلکہ یہ فارسیوں کی اختراع ہے کہ انھوں نے اسے شراب سے یائے نسبتی لگا کر شرابی کر لیا اور وہ بھی صفتی معنی میں نہ کہ اسمی (فاعلی) معنی میں۔ اس کا اسمی (فاعلی) استعمال (یعنی شراب پینے والا) صرف اردو سے ہی مخصوص ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا اصول کے مطابق اسے بھی اردو لکھا جانا چاہیے تھا۔ یہی صورت حال "زمیندار" کی بھی ہے۔ زمیندار۔ (زمین کا مالک) اپنے اصطلاحی معنی میں خالصتاً اردو ہے۔

اب تک تو بات تھی اردو کے مولفین لغت کے اپنے اختیار کردہ اصول اور سوچنے سمجھے طریقہ کار کی! اب ذرا اس افراط و تفریط کی بھی بات ہو جائے جو کہ اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں ان لغات میں بھی بہت سی مثالوں کی شکل میں ملتی ہے۔ دو اندراجات "طلا" (بمعنی ضماد و قضیب) اور طلا (بمعنی زر، سونا) ملتے ہیں۔ اوّل الذکر طلا کو "فرہنگ آصفیہ"[1] میں تیل کا معرب اور "نوراللغات"[2] نیز "مہذب اللغات"[3] میں عربی بتایا گیا ہے۔ لغت بین طلا کی ان میں سے کس اصل کو صحیح سمجھے گا یہ تو وہی جانے

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ صـ۲۹۴۔ ترقی اردو بورڈ۔ دلی (۱۹۷۴ء)۔

[2] نوراللغات۔ جلد سوم۔ صـ۵۱۰۔ نیر پریس لکھنؤ۔ (۱۹۲۴)

[3] مہذب اللغات۔ جلد ششم صـ۳۴۲۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۶۹ء)

یا پھر یہ مولفین لغت جانیں! دوسرے اندراج یعنی طلا (زر، سونا) کو فرہنگ آصفیہ[1] میں تلا (میزان) کا معرب مانا گیا ہے جب کہ مولف نوراللغات[2] کا یہ کہنا ہے کہ اس لفظ کو زر یا سونا کے معنی میں فارسیوں نے استعمال کیا۔ اگر فارسیوں نے استعمال کیا تو کہاں سے کیا اور پھر یہ معرّب کیوں اور کیسے ہوگیا؟ اس سلسلے میں مہذب اللغات کا تائیدی قول فیصل اس طرح ہے:-

"فرہنگ آصفیہ نے مذکورہ بالا معنوں میں اس لفظ کو عربی (معرّب) لکھا ہے اور طلا (میزان) کا معرب مانا ہے۔ جو (کہ) ہندی ہے۔ لکھتے ہیں (کہ) چوں کہ ہندوستان کے راجہ سونے میں تل کر سونا دان کرتے تھے۔ اہل عرب نے اس سونے کو طلا سمجھ کر طلا بنایا اور زر کے معنی میں استعمال کرنے لگے۔ ورنہ تلا بمعنی ترازو ہے۔"[3]

"فرہنگ آصفیہ" کی مذکورہ بالا رائے شاید 'فرہنگ رشیدی' کی اس رائے پر مبنی ہے کہ ——" (غالباً لفظِ طلا معرّب تلا است کہ لفظ ہندی است۔" اگرچہ اس رائے کی تصدیق ایرانی لغت —— ' لغت نامۂ دہ خدا' سے بھی ہوتی ہے۔ مگر اسے معرّب کی بجائے مفرّس لکھنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ یہ فارسیوں کا اختیار کردہ ہے نہ کہ عربیوں کا! البتہ اسے عربی طریقہ پر فارسیایا ضرور گیا ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری مثال صلا (آواز، دعوت کی آواز، پکار) کو فرہنگ آصفیہ، میں عربی لکھا گیا ہے جب کہ صاحب 'نوراللغات' کا کہنا ہے کہ ——" یہ لفظ عربی کی مستند کتابوں میں پایا نہیں گیا۔ فارسیوں[4] نے بلانا کے معنی میں استعمال کیا

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد سوم۔ ص۲۲۵ ترقی اردو بیورو (۱۹۷۴ء)

[2] نوراللغات۔ جلد سوم۔ ص۵۱۸۔ نیر پریس لکھنؤ (۱۹۲۹ء)

[3] مہذب اللغات۔ جلد ہفتم۔ ص۱۲۲۔ سرفراز پریس لکھنؤ (۱۹۷۰ء)

ایک دلچسپ مثال نوراللغات سے جس میں ایک عام عربی الاصل لفظ "اصیل" کے تانے بانے سنسکرت سے ملا دیے گئے ہیں اور وہ اس طرح کہ۔ اصیل۔ (سنسکرت میں اشیل ہے۔ الف مفتوح کا شیل نیک چلن) جلد اول ص۲۱۰ نیر پریس

[4] پلاٹس کی اردو ہندی انگریزی ڈکشنری میں اسے صدا کا معرب بتایا گیا ہے۔

ہے۔ 'نوراللغات' کی اس رائے کی جزوی توثیق صاحبِ 'مہذب اللغات' نے بھی 'بہارِ عجم' کے حوالے سے اس طرح کردی ہے کہ:۔

"بالفتح کھانے کے لیے بلانا اور فارسیوں میں مطلق بلانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ معنی نمبر ۱۔ (دعوتِ عام کرنا) میں عربی ہے لیکن راقم کو کسی بھی عربی لغت میں یہ معنی نظر نہیں آئے۔ گوشت بریاں اور آگ سے آگ روشن کرنا، اس کے معنی لکھے ہیں"[1]

صلیب کو 'فرہنگِ آصفیہ'[2]، 'نوراللغات' اور 'مہذب اللغات' وغیرہ میں فارسی چلیپ کا معرّب بتایا گیا ہے جب کہ اس کے برعکس خود عربی صلیب کا مفرس چلیپ ہے۔ اسی طرح قلا (قلابازی) اور ذرا کو صریحاً اردو لکھا گیا ہے جب کہ قلا کو ہندی کلا سے اور ذرا کو عربی ذرّہ سے مورّد لکھنا چاہیئے تھا۔

ان معروضات سے مجموعی طور پر یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان مولفینِ لغات کا اصل مقصد اندراجات کی لغوی یا لسانی اصل بتانے کی بجائے، ان کی لسانی حیثیت کی نشان دہی کرنا تھا۔ پھر جیسا کہ ان لغات کے دیباچوں یا صرف مقصدِ تالیف کے مطالعے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے، ان لوگوں کی لغت نویسی کا اصل مقصد لغت تیار کرنے اور اسے جدید لغت نویسی سے ہم آہنگ کرنے کی بجائے زبان کی حفاظت اور تصحیح کرنا تھا۔ چنانچہ ان لغات میں قدم قدم پر یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ کون سا لفظ اصل زبان اور اردو میں کس نوعیت میں مستعمل ہے، وہ اپنی اصل حالت میں ہے یا کہ اردو نے اس میں کچھ تبدیلی کرلی ہے۔ اس طرح ان لغات میں اندراجات کی اصل کی نشان دہی کا مقصد، تصحیحِ زبان کے جال میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔

اگرچہ 'فرہنگِ آصفیہ' کا تعلق اردو۔ اردو لغت نویسی کے پہلے دور سے 'نوراللغات' کا تعلق دوسرے دور سے اور 'مہذب اللغات' کا تعلق تیسرے دور سے ہے، مگر اصل اور ماخذِ لسانی کی نشان دہی سے متعلق اس بحث میں ان تینوں لغات کا ایک ساتھ

---

[1] مہذب اللغات۔ جلد ہفتم۔ ص ۲۴۶۔ سرفراز پریس لکھنؤ۔ (۱۹۶۲ء)

[2] فرہنگِ آصفیہ۔ جلد دوم۔ ص ۲۴۲۔ ترقی اردو بورڈ (۱۹۷۴ء)

جائزہ لیے بغیر اس طریقہ کار کی وضاحت اور ان لغات کے مولفین کے دیے گئے نشان دہی ممکن نہ تھی۔ تاہم 'نور اللغات' اور 'مہذب اللغات' میں کی گئی اصل کی نشان دہی کا اجمالی ذکر ان کے ابواب میں بھی کیا جائے گا۔

قواعدی نوعیت

کسی بھی لغت میں اصل یا ماخذ لسانی کی نشان دہی سے زیادہ یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں اندراجات کی قواعدی نوعیت اور ان کی ادبی اور لسانی حیثیت کی کس حد تک نشان دہی کی گئی ہے؟ یہ ایک بہت ہی نازک کام ہے اور ذرا سی بھی بے احتیاطی سے لغت کی تدوین کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی بھی اندراج کی ادبی حیثیت (فصیح، غیر فصیح، عوامی بازاری) یا اس کی لسانی نوعیت (متروک، قدیم) کے تعین کے بارے میں اختلاف رائے کی گنجائش بہر طور باقی رہتی ہے، مگر جہاں تک لفظ کی قواعدی نوعیت کا تعلق ہے، اس سلسلے میں کسی بھی قسم کے اغماض کو روا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اختلاف علاقہ کی بنیاد پر لفظ کی تذکیر و تانیث بھی اختلافی ہوسکتی ہے مگر اس کی اسمی، فعلی، یا صفتی نوعیت کے تعین کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی غلطی یا چشم پوشی قابل درگذر قرار نہیں دی جاسکتی۔ 'فرہنگ آصفیہ' کے بشمول دوسری لغات میں بھی اسی طرح کی چشم پوشی کا احساس اسماء کے مقابلے میں صفات کے تعلق سے زیادہ ہوتا ہے، یعنی اندراجات کی اسمی نوعیت کی حتی الامکان صحیح نشان دہی کی گئی ہے جب کہ صفتی اندراجات کی قواعدی نوعیت کی وضاحت میں کافی حد تک تسامح سے کام لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ 'سمیت' لیجیے۔ 'فرہنگ آصفیہ'[1] میں قواعدی نوعیت کے لحاظ سے اسے اور اس کے مترادف 'ساتھ' دونوں کو تابع فعل بتایا گیا ہے۔ نور اللغات[2] میں سمیت کی قواعدی نوعیت کے بارے میں سکوت اختیار

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم۔ ترقی اردو بورڈ دہلی (۱۹۷۴ء)
[2] نور اللغات جلد سوم۔ نیر پریس لکھنؤ۔

کیا گیا ہے، مگر اس کے مترادف "ساتھ" کو اسم بتایا گیا ہے۔ 'فرہنگِ آصفیہ' اور 'نوراللغات'[1] کے علی الرغم یعنی، تابع فعل یا اسم بتانے کی بجائے 'فیروزاللغات' میں اس کے حرفِ صفت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اس بوالعجبی کا یہیں پر خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے مترادف "ساتھ" بمعنی (ہمراہ، شریک، ساجھے میں) کو بلا پس و پیش اسم قرار دے دیا گیا ہے۔[2]

اس صورتِ حال کے پیش آنے کی وجہ ان مولفینِ لغت کی اس اصول سے ناواقفیت قرار دی جا سکتی ہے کہ لفظ بیک وقت نحوی اور لغاتی دونوں عناصر کا حامل ہوتا ہے اور اس کی قواعدی یا نحوی نوعیت اس کے معنوی استعمال کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے؛ یعنی لفظ کی نحوی نوعیت کی تبدیلی سے اس کی معنوی یا لغاتی نوعیت اور لغاتی نوعیت کی تبدیلی سے اس کی نحوی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے جو الفاظ جس قدر زیادہ چلن میں ہوتے ہیں ان کا قواعدی عنصر بھی اتنا ہی زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ "سمیت" کے مقابلے میں "ساتھ" کا چلن زیادہ ہے اور یہ معنوی استعمال کے فرق سے کبھی اسم کی شکل میں مستعمل ہوتا ہے تو کبھی تابع فعل کی شکل میں۔ اس کی دوسری مثال "کچھ"، "کیا"، "کر" اور "ہی" جیسے الفاظ سے بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

بہر حال 'فرہنگِ آصفیہ' میں تقریباً تمام اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس سقم کے ساتھ کہ محاورات کو محاورہ لکھنے کی بجائے فعل لازم / فعل متعدی سے عبارت کیا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر محاوراتی معانی کے ذیل میں آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

معنوی وضاحت

لغت میں اندراجِ لغت (ENTRY) کے تلفظ، اصل اور ماخذِ لسانی نیز

---

[1] فیروزاللغات فیروز اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۹۳ء۔ صفحہ ۔۔۔

[2] " " " " صفحہ ۴۲۵

قواعدی نوعیت اور ادبی حیثیت کی نشان دہی کے بعد اس کے معانی کے تعین اور وضاحت کا مرحلہ آتا ہے۔ لغت کا یہ حصہ بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ عام طور پر لغت کا استعمال الفاظ و محاورات کے معانی معلوم کرنے کی غرض سے ہی کیا جاتا ہے۔ اس طرح لغت کی خوبی یا خامی کا سب سے زیادہ دارومدار اس کے معنوی وضاحت کے حصے پر ہی ہوتا ہے۔ یہ معنوی وضاحت یا تو اندراج لغت (ENTRY) کے مترادف کی شکل میں یا پھر تشریح کی شکل میں کی جاتی ہے۔ لغت کے متعینہ مقاصد کے تحت ہی مترادفاتی یا وضاحتی طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایک ہی لغت میں دونوں ہی طریقے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اچھی لغت میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں کسی نہ کسی ترتیب کا بھی التزام رکھا جاتا ہے۔ مترادفات کی شکل میں معنی دیتے وقت ان کے باہمی فرق کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے[1]۔ معانی کے ساتھ ساتھ ان کی مثال یا سند بھی دی جاتی ہے اور اگر مثالیں چند مخصوص معانی تک ہی محدود رکھی جاتی ہیں۔ تو اصولی طور پر اس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے۔ معنوی وضاحت کے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ لغاتی (LEXICAL) معانی اور محاوراتی معانی گڈمڈ نہ ہونے پائیں۔

اردو کی چاروں اہم لغات یعنی "فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، جامع اللغات، اور مہذب اللغات" کا مذکورہ بالا خطوط پر جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان لغات کے مولفین نے اندراجات کی معنوی وضاحت کے سلسلے میں کسی طرح کی یکسانیت (UNIFORMITY) کا کوئی خیال نہیں رکھا ہے۔ ان لغات میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں بلکہ بسا اوقات اپنے ہی اختیار کردہ طریقۂ کار میں بھی یکسانیت

---

[1] مثال کے طور پر۔ گُنا، گِنا، اور پگھلنا یا پگلنا، سیلا، پچھاؤں یا کرتی، کرتب اور کرتوت جیسے الفاظ قریب المعنی تو ہیں مگر مکمل طور پر ایک دوسرے کے مترادف نہیں ہیں۔ اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے مگر اس سے یہ لغات محروم ہیں۔

کو برقرار نہیں رکھا گیا ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے، مذکورہ چاروں لغات میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ یکساں طریقۂ کار اختیار نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان میں انفرادی طور پر اختیار کردہ طریقۂ کار بھی عدم یکسانیت کا شکار ہے۔ چنانچہ "فرہنگِ آصفیہ" میں اندراجات کے معنی کی وضاحت مترادفات کی شکل میں بھی کی گئی ہے، اور توضیحی شکل میں بھی۔ پھر یہ کہ یہ معنوی وضاحت اگر کہیں تشنہ یا نامکمل ہے تو کہیں کہیں قاموسی شکل بھی اختیار کر گئی ہے۔ یہی افراط و تفریط مترادفات کے سلسلے میں بھی مشاہدے میں آتی ہے۔ بلا تامل یہ تک کہا جا سکتا ہے کہ مترادفات کے انتخاب کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ غیر اردو مترادفات بھی درجِ لغت کر دیے گئے ہیں، اور اس شوق میں سنسکرت، عربی، فارسی، قدیم پارسی، اور پراکرت و پالی زبان کے بھی ایسے مترادفات شامل کر لیے گئے ہیں جن کا کوئی تک نہ تھا۔ مستزاد یہ کہ بعض اوقات اندراجات کی دوسری زبانوں میں موجود مختلف شکلوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔[1]

---

[1] (الف) مثال کے طور پر ایک اندراج "آگ" لیجیے اس کی وضاحت کرنے یا اس کے مترادفات دینے سے پہلے دوسری زبانوں میں اس کی مختلف شکلوں کی نشان دہی اس طرح ملتی ہے۔

"آگ۔ س۔ [illegible] اگنی یا اگنہ، پراکرت [illegible] پرانی فارسی آویش اژ، اور ترکی۔ اوت، مگدھ۔ اگی، پورب اگی۔ پہاڑی ہندی آگی" اس کے بعد اس کے مترادفات کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

(۱) آگ، اگنی، اگن، آتش، بیسندر، اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر کا نام، شعلہ، لو وغیرہ وغیرہ۔ (فرہنگِ آصفیہ جلد اول صفحہ ۱۹۲ ترقی اردو بورڈ ۱۹۷۴ء)

(ب) آگ کے ہی قریب کا ایک دوسرا اندراج "آنکھ" ہے اور آنکھ کے معنی کی وضاحت کرنے سے پہلے مختلف زبانوں میں اس کی شکلوں کی نشان دہی اس طرح کی گئی ہے۔

"آنکھ" س۔ [illegible] آکشی از اکش، پراکرت۔ اچھی، پالی۔ اکھی، انگریزی، EYE، مگدھ۔ آکھی، گجراتی آکھ، عربی عین، ژند، اہولس ــــــ" اس کے بعد آنکھ کے مترادفات کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

(۱) عین، نیر، لوچن، دید، چشم، بینائی کا آلہ۔ (فرہنگِ آصفیہ جلد اول صفحہ ۱۹۳ ترقی اردو بورڈ ۱۹۷۴ء)

باقی اگلے صفحہ پر

"فرہنگ آصفیہ" میں مترادفات کے انتخاب کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ مولفِ لغت نے تمام عربی اور فارسی الاصل اندراجات کے معانی کی نشاندہی کرتے وقت ان کے سنسکرت مترادفات دینے کی بھی پوری کوشش کی ہے۔[۱]

"فرہنگ آصفیہ" میں اندراجات کی معنوی وضاحت کے سلسلے میں یہ بات بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ مترادفات کے انتخاب یا ان کی وضاحت کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "نایاب" جیسے ایک عام لفظ کے معنی نمبر ا کے لیے "کم یاب" نادر، عمدہ جیسے مترادفات[۲] اور "ساخت" کے لیے تصنع، تکلف اور فریب[۳] جیسے مترادفات دیے گئے ہیں۔ واضح ہے کہ بناوٹ کے لیے تصنع اور تکلف کے ساتھ ساتھ ساخت جیسے مترادفات تو صحیح ہیں مگر ساخت کے لیے بناوٹ، تراش، اور وضع کے ساتھ ساتھ تصنع، تکلف اور فریب جیسے مترادفات کسی طور درست نہیں۔ اسی طرح اگرچہ "رسّی" کے ایک مرادی معنی سانپ بھی ہوتے ہیں اس لیے رسّی کا ایک مترادف سانپ بھی ہو سکتا ہے مگر چونکہ سانپ کہہ کر رسّی کبھی مراد نہیں لی جاتی اس لیے سانپ کا مترادف رسّی دینا[۴] کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، بالکل اسی طرح جس طرح کہ "چاند"[۵] اور "چراغ"[۶] کے مرادی معنی بیٹا یا پیارا بیٹا تو دیے جا سکتے

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) (ج) اسی طرح "آپ" کی مختلف شکلیں اس طرح بتائی گئی ہیں۔ س [illegible] آتمن، پراکرت، آتا، اپا، اپا تو، پرانی ہندی، آپس، آپن۔ دفرہنگ آصفیہ جلد اول ص ۱۹۲ ترقی اردو بورڈ (۱۹۷۴ء)

(د) آسن۔ س۔ [illegible] لاطینی سیڈا SEDA پالی آسا تم (فرہنگ آصفیہ جلد اول ص [illegible]۔ ترقی اردو بورڈ۔

[۱] دم (خون) کے لیے "رکت" (جلد سوم ص ۲۶۵) بہشت کے لیے بیکنٹھ۔ جلد اول۔ ص ۴۳۰۔ خودی کے لیے گربھ۔ (جلد دوم ص ۲۱۹) خواہش کے لیے اِچھا۔ (جلد دوم ص ۲۱۷۔ اور پناہ کے لیے شرن۔ جلد اول۔ ص ۵۳۲۔ وغیرہ۔)

[۲] فرہنگ آصفیہ۔ جلد چہارم۔ ص ۵۳۹۔ (ترقی اردو بورڈ ۱۹۷۴ء)

[۳] " " جلد سوم۔ ص ۳۰ " " "

[۴] " " ص ۱۳۰ " " " "

[۵] " جلد دوم ص ۹۳ " " " "

[۶] " " ص ۱۵ " " " "

ہیں مگر "ہیثاہ" کے لیے چاند یا چراغ جیسے مترادفات غلط ہوں گے۔

مانا کہ مترادفات کے انتخاب کے سلسلے میں پائے جانے والے اس سقم کے لیے ان سے پہلے کے مولفینِ لغت بھی ذمہ دار ہیں مگر خود مولف فرہنگ آصفیہ بھی اس کے لیے کافی حد تک ذمہ دار ہیں۔ کیوں کہ ان کے سامنے جدید لغت نویسی کے نمونے آچکے تھے اور وہ ڈاکٹر فیلن جیسے ماہر لغت نویس کے ساتھ کام بھی کر چکے تھے۔ وہ کہیں کہیں ڈاکٹر فیلن پر بھی نکتہ چینی بلکہ ان کی اردو دانی پر حرف گیری بھی کر جاتے ہیں مگر خود مترادفات کے درمیان باریک فرق کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔[1] جب کہ یہ واضح ہے کہ اس وقت کی تمام متداول فارسی اور سنسکرت لغات مولف کے سامنے رہی ہوں گی۔ جیسا کہ بعض اندراجات کی معنوی بحث کے سلسلے میں مولف نے ان میں سے بیشتر لغات[2] کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اسی طرح تمام ہندی الاصل اندراجات کے سنسکرت ماخذ دینے اور عربی اور فارسی الاصل اندراجات کے سنسکرت مترادفات اور معنی دینے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے جس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ ان کے پیش نظر اس وقت کی ہندی یا سنسکرت لغات بھی رہی ہوں گی۔[3]

---

[1] مثال کے طور پر ناوک کے لیے تینوں مترادفات "تیر، بان، سر خدنگ" ایک ساتھ ہی درج کر دیے گئے ہیں، جب کہ تیر، بان اور سر خدنگ میں کافی فرق ہے۔ پھر یہ کہ ناوک تیر یا بان یا سر خدنگ کی بجائے چھوٹے تیر کو کہتے ہیں۔
(فرہنگ آصفیہ۔ جلد چہارم۔ ص ۵۳۵۔ ترقی اردو بورڈ۔ (سنہ ۱۹۷۴ء)

[2] مثال کے طور پر "خربزہ" کی اصل اور ماخذ لسانی نیز معنی کی بحث کرتے ہوئے مولف آصفیہ نے "لغائس اللغات، فرہنگ رشیدی، موئید الفضلا، مدار الافاضل، سراج اللغات، فرہنگ سروری اور فرہنگ غیاث وغیرہ کا ذکر کیا ہے (جلد دوم ص ۹۲)

[3] وہ "پگڑی" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ کس زبان کا ہے۔ نہ سنسکرت میں ہے اور نہ اور مختلف زبانوں میں۔ مگر چوں کہ ہندوستان میں بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہندی قرار دیا گیا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص ۵۱۴۔ ترقی اردو بورڈ ۱۹۷۴ء)
اسی طرح "ابجار" کی صحت اور اصل کے سلسلے میں برہان قاطع، فرہنگ سروری، موئید الفضلا، ناصر الدین قاچار کے سفرنامے نیز آثار الصنادید کا حوالہ دیتے ہوئے تقریباً ۲۰ سطروں میں بحث کی گئی ہے۔
(فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص ۱۱۔ ترقی اردو بورڈ۔ دہلی ۱۹۷۴ء)

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، "فرہنگ آصفیہ" میں اندراجات کے معانی و مترادفات کے ساتھ ساتھ مختصر وضاحت اور طویل وضاحت کی شکل میں بھی دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں مختصر وضاحتیں نہ صرف تشنہ رہ گئی ہیں بلکہ کافی حد تک مبہم بھی ہو گئی ہیں۔ اسی طرح اس لغت میں قاموسی وضاحتوں کی بھی کمی نہیں ہے جہاں تک حروف تہجی کی تعریف اور ان کی قدر اور ان کے خواص کے ذکر کا تعلق ہے تو اس میں بھی عدم یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر "الف" کی وضاحت دو سو سطروں[1] میں "ب" کی ۱۹ سطروں میں[2] "پ" کی وضاحت[3] اکیس سطروں میں کی گئی ہے تو "ت"[4] اور "چ"[5] کی وضاحت کے لیے محض چار سطریں کافی سمجھی گئی ہیں۔ یہی صورت حال دوسرے اندراجات مثلاً اسماء الرجال، مقامات، واقعات اور داستانی کرداروں کے سلسلے میں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ابجد کی وضاحت حاشیہ کی پانچ سطروں کے بشمول ۸۰ سطروں[6] میں کی گئی ہے تو ابو علی سینا کا تذکرہ تقریباً ۷ سطروں[7] میں کیا گیا ہے۔ بچوں کے ایک کھیل "اٹکن بٹکن" کی وضاحت چودہ[8] سطروں میں اور ارسطو کی وضاحت ۷ سطروں[9] میں کی گئی ہے۔

غرضیکہ اس لغت میں کہیں کہیں تو اندراجات کی وضاحت کے لیے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے گئے ہیں۔ "مجنوں" کے بعد "مجنوں کا مختصر قصہ" ۱۹۲ سطروں[10]

[1] فرہنگ آصفیہ جلد اول ص۵ ترقی اردو بورڈ دہلی ۱۹۷۴ء

[2] 〃 〃 〃 ص۱۳۹ 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 ص۳۷۳ 〃 〃

[4] 〃 〃 جلد دوم ص۲۶ 〃 〃

[5] 〃 〃 〃 ص۲۷ 〃 〃

[6] 〃 〃 جلد اول ص۱۸۴، ۵۱۸ 〃 〃

[7] 〃 〃 〃 ص۹۲، ۹۳ 〃 〃

[8] 〃 〃 〃 ص۲۰ 〃 〃

[9] 〃 〃 〃 ص۱۳۵، ۳۷۲ 〃 〃

[10] 〃 〃 〃 ص۲۹۵–۲۹۸ 〃 〃

میں اور "دہلی" کی کہانی ۲۲ سطروں[1] میں بیان کی گئی ہے "نستعلیق" کی ۲۴ سطروں[2] میں اور حضرت امیر خسرو کا ذکر ۱۴۴ سطروں[3] میں کیا گیا ہے۔ "آئینہ" کی پوری کہانی بیان کرنے کے لیے ۲۲ سطروں[4] مخصوص کی گئی ہے۔ اور "بکاوَلی" کی کہانی ۱۰۴ سطروں[5] میں بیان کی گئی ہے۔

ان چند مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مولفِ فرہنگ آصفیہ نے بعض اندراجات (جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے) کے سلسلے میں لغت نویس کے منصب سے تجاوز کرکے قاموس نگار کا کردار بھی ادا کیا ہے۔

اس سلسلے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے فرہنگ آصفیہ کے ایک بہت بڑے سقم کی بجا طور پر نشان دہی کی ہے کہ ——"اس میں بے جا طویل نویسی[6] ملتی ہے" کچھ مثالیں سابقہ صفحات میں دی جا چکی ہیں مگر اس کی دوسری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں ذاتی تاثرات اور جذبات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے کسی کشمیری کے ذاتی عمل کو بنیاد بنا کر پوری کشمیری قوم کو معتوب کر ڈالا ہے[7]۔ اسی طرح عرب کا ذکر کرتے ہوئے "عرب سرائے" کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھا ہے کیوں کہ نظام الدین اولیاء کے پاس واقع یہ بستی ان کی ننہال تھی۔ کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں، جہاں کوئی ذاتی معاملہ نہ ہونے کے باوجود بھی انھوں نے اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھانے کی کوشش میں اپنی لغت نویسی کو ہی مجروح کر لیا ہے۔ سراندیپ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد دوم ص۲۹۹ (۱۹۰۸ء)
[2] " جلد چہارم ص۵۴۰ "
[3] " جلد دوم ص۱۹۰ ۱۹۰۸ء "
[4] " جلد اول ص۳۳۷ "
[5] " " ص۳۴۲ ۱۹۰۸ء "
[6] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۱ء: اردو لغت اور لغت نویسی کے مسائل ص۱۰
[7] فرہنگ آصفیہ جلد سوم ص۵۵۸ ۔ (۱۹۰۸ء)

"یہاں کے باشندے مسافروں کو جواہرات میں بڑے دھوکے دیتے ہیں۔ اور جھوٹا جواہر ان کے ہاتھ تعریف کر کے فروخت کر دیتے ہیں۔ ان کی انگریزی گفتگو قابلِ مضحکہ ہے۔" (جلد سوم صفحہ ۴۴)

دوسری لغات ہی کی طرح "فرہنگِ آصفیہ" میں بھی یہ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ مفرد اندراجات کے محاوراتی معانی بھی دیے گئے ہیں، اور پھر ان معانی کو ان مفردات سے بننے والے محاوروں کے تحت بھی درجِ لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "دانت" کے پہلے معنی کے بعد اس کے دوسرے معنی 'میل'، 'رغبت'، 'خواہش'، 'قصد' بھی دیے گئے ہیں اور پھر ان کے بعد "دانت رکھنا" اور "دانت ہونا" وغیرہ محاورے درج کر کے یہی معنی دوہرائے گئے ہیں[1]۔ اسی طرح "آنکھ" کے پانچویں معنی — 'امتیاز'، 'تمیز'، 'پہچان'، چھٹے معنی — 'مہارت'، 'مشق'، آٹھویں معنی — 'اندازہ'، 'تخمینہ'، نویں معنی — 'توقع'، 'سہارا' وغیرہ بھی دیے گئے ہیں۔ جب کہ "آنکھ" کے یہ تمام معنی محاوراتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آگے چل کر ان معانی کو ظاہر کرنے والے "آنکھ" کے محاورے نہ صرف یہ کہ الگ الگ درجِ لغت کیے گئے ہیں بلکہ مثال کے طور پر وہی اشعار یا مصرعے بھی نقل کیے گئے ہیں جو کہ آنکھ کے مذکورہ پانچویں، چھٹے، آٹھویں اور نویں معانی کی مثال کے طور پر پیش کیے جا چکے تھے[2]۔

اس صورتِ حال کی مزید وضاحت اندراج "جوتا" سے اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے معنی نمبر ۲ "مجازاً — 'نقصان'، 'ٹوٹا'، معنی نمبر ۳ 'بڑا بھاری نقصان'، 'سلوتی'" دینے کے بعد اس سے بننے والے محاورے جوتا لگنا۔ جوتا مارنا بھی الگ سے درجِ لغت کیے گئے ہیں۔ اسی طرح "زبان" کے تیسرے معنی

---

[1] فرہنگِ آصفیہ جلد دوم ص ۲۲۵

[2] فرہنگِ آصفیہ جلد اول ص ۱۵۳

[3] ملاحظہ کیجیے۔ فرہنگِ آصفیہ جلد اول۔ ص ۱۰۲ (۱۹۷۴ء)

[4] فرہنگِ آصفیہ جلد دوم ص ۵ (۱۹۷۴)

"قول" کے ساتھ ساتھ "وعدہ" بھی دیے گئے ہیں جب کہ "زبان دینا" محاورہ کی صورت میں بھی یہی معنی دوہرائے گئے ہیں[1]۔ اندراج "کان" کے چوتھے معنی۔ مجازاً 'توجہ'، 'دھیان'، بھی دیے گئے ہیں اور اس کے بعد "کان لگانا" کا محاورہ دے کر یہی معنی دوہرائے گئے ہیں[2]۔

"فرہنگ آصفیہ" نیز دوسری لغات خصوصاً "مہذب اللغات" میں یہ صورتِ حال عام طور پر مشاہدے میں آتی ہے۔ ان مولفینِ لغت کے نزدیک اندراجات کے دور از کار اور محاوراتی معانی دینے کی ایک بنیادی وجہ جواز یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ محاورہ اور اصطلاح میں واضح فرق قائم نہیں کر سکے تھے اور محاوراتی معانی کو اصطلاحی معانی کے ضمن میں ہی رکھتے ہوئے انھیں مفردات کے معانی کے تحت ہی درج لغت کر دیتے تھے۔ مولف فرہنگ آصفیہ کے نزدیک محاورہ:-

"اس اہم کلامی اور روزمرہ سے عبارت ہے جس میں عوام الناس، خواندہ اور ناخواندہ اپنے اپنے ملک کے رواج کے مطابق بے فکر و تامل گفتگو کرتے ہیں۔ اس میں ترکیب نحوی اور رعایت لفظی سے چنداں بحث نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیں مستورات کی زبان کو محاورہ کہنا مناسب ہے[3]۔
مثال:-

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے"[3]

وہ اصطلاح کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:-

"کسی ایک گروہ کا متفق ہو کر کسی لفظ کے معنیٔ موضوع کے علاوہ کسی اور معنی کا مقرر کر لینا ہے ..... جیسے اہل فارس کاغذی پیرہن کو بجائے داد خواہ و مستغیث استعمال کرتے ہیں .... اور اردو میں جیسے "چال

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد سوم۔ ص۲۹۵ (۱۹۷۴ء)
[2] 〃 〃 〃 ص۴۲۹ 〃
[3] دیباچہ فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص۱۲۔ (ترقی اردو بورڈ دہلی۔ ۱۹۷۴ء)

چلنا" بمعنی فریب میں لانا، دغا دینا اور دال گلنا بمعنی مقصد حاصل ہونا
رائج ہے، مثلاً ؎

جس پہ یاروں کی چال چلتی ہے
کہیں واعظ کی دال گلتی ہے

علی ہذا القیاس ہزاروں اصطلاحیں جن کا ذکر اس کتاب میں آچکا ہے،
مستعمل ہیں"[1]

حالانکہ کاغذی پیرہن اور دال گلنا کا لغاتی فرق بالکل واضح ہے۔ اگر تھوڑی سی بیدار مغزی سے کام لیتے تو کاغذی پیرہن پر رومیتی چھری، بجو مجول کرکے اسے اصطلاح لکھ سکتے تھے مگر اسے اسم مونث ہی لکھا ہے[2]

محاورات اور اصطلاح کے سلسلے میں مولف فرہنگ آصفیہ کی سابق الذکر رائے کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ وہ اصطلاح اور محاورے کے اصل معنی اور ان کے باہمی فرق سے یا تو بخوبی واقف نہیں تھے یا پھر یہ کہ ان کے دور تک اصطلاح اور محاورے کے یہی معنی رہے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محاورات کی قواعدی نوعیت کی طرف اشارہ کرتے وقت انھیں محاورہ لکھنے کی بجائے فعلِ لازم، یا فعلِ متعدی سے موسوم کرتے ہیں[3]

'فرہنگ آصفیہ' میں معنوی ترتیب کا کافی حد تک التزام ملتا ہے اور وہ

---

[1] دیباچہ فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص ۲۳ ترقی اردو بورڈ دہلی۔ (۱۹۷۴ء)

[2] فرہنگ آصفیہ جلد چہارم۔ ص ۵ ۔ ″ ″ ″ ″

[3] مثال کے لیے دیکھیے:۔ (الف) آنکھیں لڑانا۔ فعل متعدی (جلد اول ص ۲۹۴

(ب) بات چلانا فعل متعدی۔ ″ ص ۳۹۳

(ج) بیڑا اٹھانا۔ ″ ″ ۔ ″ ص ۳۶۵

(د) بیڑا پار ہونا۔ لازم۔ ″ ص ۳۶۵

(ہ) پانی پینا ″ ۔ ″ ص ۴۸۵

(و) پانی میں آگ لگانا۔ متعدی۔ ″ ص ۴۸۵

اس طرح کر اندراجات کے اصل یا لغوی معنی پہلے دیے گئے ہیں اور رائج و مستعمل بعد میں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

آدم :۔ (۱) بھورا، مٹیالا، گندمی وغیرہ (جلد اول ص ۱۳۱)

جَین :۔ (۱) بوڑھا آدمی (۲) سراوگیوں کے مت کا نام، (۳) جین مت کا ماننے والا[1]

خلاصہ :۔ (۱) فراخ، کشادہ، ڈھیلا (۲) دور دور، جدا جدا (۳) پاک صاف (۴) مختصر (۵) لب لباب[2]

گوکل :۔ (۱) گائیوں کا ریوڑ (۲) گوسالا، باڑا۔ (۳) اس مشہور اور متبرک گاؤں کا نام ....[3]

لجاجت :۔ (۱) لڑائی، اصرار، مبالغہ۔ (۲) عاجزی، منت[4]

وثیقہ :۔ (۱) مضبوطی، استواری۔ (۲) عہد و پیمان (۳) عہد نامہ، تمسک[5]

ہوا :۔ (۱) آرزوئے نفس، خواہش نفسانی، شہوت وغیرہ (۲) کرۂ باد (۳) باد[6]

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ "فرہنگ آصفیہ" میں اصل اور لغوی معنی پہلے اور اردو میں رائج اور مستعمل معنی بعد میں دیے گئے ہیں۔ بہر حال یہاں پر قاضی عبدالودود مرحوم کی یہ رائے بھی پیش نظر رہے کہ "اگرچہ مولف نے دیباچے میں یہ اطلاع دی ہے کہ وہ پہلے لغوی معنی دیتے ہیں، مگر اس قاعدے کی بکثرت خلاف ورزی ہوتی ہے۔" (تبصرۂ فرہنگ آصفیہ۔ خدا بخش لائبریری جرنل شمارہ ۱۹۷۷ء)

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد دوم ص ۶۸۳۔ ترقی اردو بورڈ۔ دہلی۔ ۱۹۷۴ء۔

[2] 〃 〃 ص ۲۰۱ 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 ص ۹۷ 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 جلد چہارم ص ۱۸۱ 〃 〃 〃 〃

[5] 〃 〃 ص ۷۴۵ 〃 〃 〃

[6] 〃 〃 ص ۷۳۸ 〃 〃 〃

دوسری زیرِ نظر لغات کی ہی طرح "فرہنگِ آصفیہ" کی بھی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بیشتر معانی کی سند یا وضاحت کے لیے مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ بیشتر سندیں یا مثالیں اشعار کی ہی شکل میں دی گئی ہیں تاہم اکا دکا مثالیں نثری شکل میں بھی مل جاتی ہیں۔ کہیں کہیں یہ سقم بھی ملتا ہے کہ اردو معانی کی مثالیں غیر اردو کلام سے بھی دی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر "ناتمام" کے معنی نمبر (۲) "کچا، خام" دیے گئے ہیں اور سند کے طور پر حافظ شیرازی کا یہ مصرعہ پیش کیا گیا ہے ؎

ع ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است [1]

یا "ناتھ" کے معنی نمبر (۲) "جوگیوں کا لقب" کی سند کے طور پر تلسی داس کا یہ دوہا نقل کیا گیا ہے۔

؎ کت مُرلی، کت چندرکا، کت گوپن کا ساتھ
تلسی جا کے کارنے ناتھ بھئے رگھنا تھ [2]

اسی طرح کہیں کہیں مفردات کی سند مرکبات سے بھی دی گئی ہے جیسے:۔
قمار:۔ (چال، بازی) کی سند اس شعر سے دی گئی ہے ؎

ہم سا بھی اس بساط پر کم ہوگا بد قمار
جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بری چلے

(ذوق) [3]

اس مثال میں نہ صرف یہ کہ قمار کی سند بد قمار سے دی گئی ہے بلکہ ایک اسم (قمار) کی سند صفت (بد قمار) سے دینے کی بھی فاحش غلطی سامنے آتی ہے۔ ایک دوسری مثال "قلیل" کی لیجیے اس میں قلیل (کوتاہ، خورد) کی مثال قلیل الطاقت اور کل قلیل فتنۃ وغیرہ سے دی گئی ہے۔ (جلد سوم ص ۳۹۸)

'فرہنگِ آصفیہ' میں معنوی وضاحت کا ایک قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے کہ

---

[1] فرہنگِ آصفیہ۔ جلد چہارم۔ ص ۵۱۵۔ ترقی اردو بورڈ دہلی۔ (۱۹۷۴ء)
[2] " " " ص ۵۲۱۔ " " "
[3] " " جلد سوم ص ۳۹۹۔ " " "

اس میں جہاں تہاں اندراجات کی نوعیت یا ان کے معانی سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ——"اجارہ" کی صحت اور اصل کے سلسلے میں برہانِ قاطع، "فرہنگ جہانگیری"، "مؤیدالفضلا"، ناصرالدین قاچار کے سفرنامے، نیز آثارالصنادید وغیرہ کے حوالوں سے تقریباً ۲۴ سطروں میں بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح "آدم" کی اصل سے متعلق بحث بھی تقریباً ۳ سطروں میں پھیلی ہوئی ہے، جس سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ مولفِ لغت کو جس کسی بھی اندراج کے سلسلے میں جس قدر بھی معلومات جہاں کہیں سے حاصل ہوئیں انھیں درجِ لغت کر دیا گیا۔ اور جن اندراجات کے بارے میں ان کی معلومات محدود تھیں، یا جو ان کی نظر سے نہیں گزر سکی تھیں ان کے محدود بلکہ نامکمل معانی پر ہی قناعت کر لی گئی۔ مثال کے طور پر "آتشک" کو لیجیے۔ سنی سنائی باتوں پر مبنی ایک طولانی وضاحت کے بعد اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک یہ مرض ان لوگوں سے شروع ہوا ہے جنھوں نے فنِ عیاشی میں ترقی کر کے اسے کمال درجہ پر پہنچایا اور دن رات کی مشق سے وہ بات بہم پہنچائی جس میں رگڑ سے زیادہ کام پڑے چنانچہ اس سے آتشک کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ پس اسی حرکت سے یہ مرض پیدا ہوا۔"[3]

سابق الذکر معروضات اور ان کے سلسلے میں دی گئی مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اندراجات کی معنوی وضاحت کے سلسلے میں مولف فرہنگ آصفیہ کے اختیار کردہ طریقۂ کار میں یکسانیت نہیں ملتی۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، اس نکتے کی نشان دہی کا مقصد، مولفِ لغت کے کام کی اہمیت سے انکار کرنا ہرگز نہیں ہے۔ پھر یہ کہ یہ پہلے ہی طے پا چکا ہے کہ ان زیرِ نظر لغات کی فنی پرکھ آن

---

[1] فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ص۴۷ ترقی اردو بورڈ دہلی۔ (۱۹۷۴ء)
[2] " " ص۱۳۱ " " "
[3] " " ص۱۰۰ " " "

اصولوں کی بنیاد — پر کی گئی ہے جو کہ ان مولفینِ لغت نے خود ہی وضع اور اختیار کیے تھے۔

یہاں پر جابر علی سید کی تصنیف ـــــ "کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ" کا ذکر ضروری ہے۔ اسے وارث سرہندی کے حواشی و تعلیقات کے ساتھ مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد سے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں پلیٹس کی "اردو کلاسیکل ہندی انگلش ڈکشنری" اور "فرہنگِ آصفیہ" کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ پلاٹس کی ڈکشنری کا جائزہ صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۱۰۵ تک اور "فرہنگِ آصفیہ" کا جائزہ صفحہ ۱۰۸ سے صفحہ ۱۴۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں مولفِ فرہنگِ آصفیہ پر الزام یہ لگایا گیا ہے کہ:۔

"مولفِ فرہنگِ آصفیہ نے اپنے طول طویل دیباچے میں ہر سطح پر اردو لسانیات، صوتیات، اور اشتقاقیات (عمومی اور خصوصی) پر روشنی ڈالی ہے لیکن بجز معدودے چند الفاظ کے دخیل بتانے کے .... اردو میں پنجابی کے لفظوں کی جزوی ہی سہی لیکن قطعی طور پر ثابت الفاظ کے دخیل ہونے کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔"[1]

اور یہ کہ:۔

"فرہنگ میں قواعدِ زبان کے بعض مسلّمہ اصولوں سے بوجوہِ نامعلوم انحراف کیا گیا ہے..... اسمائے فاعل کو صفت بتانا سراسر غلط ہے۔ ..... دردانگیز، دردمند، اور اسی قبیل کے سینکڑوں لفظوں کو بجائے اسم فاعل بتانے کے اسم صفت کے طور پر درج کیا گیا ہے اور دونوں کے لازمی امتیاز سے قطعِ نظر کر لیا گیا ہے۔ اسم فاعل۔ اسم کی قسم باعتبارِ بناوٹ کے، اور صفت، باعتبارِ معنی کے ہے، اس لیے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔"[2]

---

[1] کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔ جابر علی سید، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ ۱۹۸۴ء ص۱۱۲

[2] " " " " " " " " ص۱۱۷

جہاں تک پہلے الزام کا تعلق ہے، مولف فرہنگ آصفیہ نے یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا ہے کہ ان کی اس لغت میں اردو کے پنجابی، دکنی، بنگالی یا مراٹھی وغیرہ زبانوں کے دخیل الفاظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ کیوں کہ ان زبانوں کے دخیل الفاظ بیشتر عربی، فارسی یا ہندی (سنسکرت) سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اصل اور مآخذ لسانی کی نشان دہی سے متعلق بحث میں کہا جا چکا ہے، اس قبیل کے صرف اُن الفاظ کی نشان دہی کی گئی ہے جو کسی قسم کی صوری یا معنوی تبدیلی کے ساتھ اردو میں داخل ہوتے ہیں۔ جابر علی سید نے غالباً انھیں الفاظ کی طرف معدود ے چند الفاظ کی شکل میں اشارہ کیا ہے۔

رہی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کی بات، تو مولفِ 'فرہنگ آصفیہ' اس بات کے لیے مستحقِ ستائش ہیں کہ وہ اس معاملے میں اپنے تمام متاخرین لغت نویسوں سے بھی بہت آگے ہیں۔ انھوں نے قواعدی نوعیت کی نشان دہی حتی الامکان طریقے پر درست ہی کی ہے۔ جابر علی سید کا یہ الزام بے بنیاد ہے کہ سینکڑوں لفظوں کو بجائے اسم فاعل بتانے کے اسم صفت کے طور پر درج کیا گیا ہے، کیوں کہ لغت میں کسی بھی لفظ کی قواعدی نوعیت کا تعین "باعتبار بناوٹ" کی بجائے "باعتبار معنی" کے کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دردمند، اور دردانگیز جیسے الفاظ کو اسم فاعل لکھنا چاہیے تھا۔ اس طرح کے تمام الفاظ اسم فاعل کی بجائے اسم صفت ہی قرار دیے جائیں گے۔

اس لغاتی جائزے میں 'فرہنگ آصفیہ' میں کی گئی اصل کی نشان دہی سے بھی بحث کی گئی ہے مگر موصوف اپنی بات واضح نہیں کر پاتے ہیں مثال کے طور پر:

فارس:-

"اس کو ف یعنی فارسی درج کیا ہے، معرّب از پارس لکھنا چاہیے تھا۔ موصوف نے اس کی اصل پارس بتا دی ہے جو اس علاقے کا حاکم تھا اس کے نام سے یہ منسوب ہوا۔ آج کل پارس جنوبی ایران

کا صوبہ ہے "[1]

ایک دوسری مثال:۔

ترجمان :۔

"مولف (فرہنگ آصفیہ) بھی (ہیلیٹس کے تتبع میں) اسے عربی الاصل قرار دیتے ہیں۔ یقیناً ان کی نظر سے رشیدی یا المعربات یا غیاث اللغات نہیں گزری، ورنہ یہ غلطی نہ کرتے۔ کبھی کبھی عجمیت اسیب بن کر بعد الرشید پر حاوی ہو جاتی ہے۔ مثلاً آدم کے لفظ کی اصل وہ عجم میں تلاش کرتے ہیں۔ ترجمان کو "اسٹینگاس" ترزفان اور ترفان کی شکلیں بھی بتاتا ہے" [2]

پہلی مثال میں اگر مولف فرہنگ نے فارس کو "ف" لکھ کر اس کی اصل پارسا بتادی ہے تو یقیناً وہ جابر علی سید کی اس غیر ضروری حرف گیری سے بالاتر ہو گئے ہیں۔ البتہ سید صاحب نے خود اس میں ـــــ "جو اس علاقے کا حاکم تھا اس کے نام سے یہ منسوب ہوا، آجکل پارس جنوبی ایران کا صوبہ ہے" کا اضافہ کر کے غیر لغاتی اضافے کا الزام اپنے اوپر لیا ہے۔ دوسری مثال میں اگرچہ نشانہ مولف فرہنگ رشیدی کو بنایا گیا ہے مگر بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ "فرہنگ آصفیہ" نے ہی کوئی بڑی غلطی کی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ فرہنگ آصفیہ میں دی گئی اصل میں اسٹینگاس کی ڈکشنری میں دی گئی اصل کا بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

جابر علی سید نے اپنے اس لغاتی جائزے میں "فرہنگ آصفیہ" میں دی گئی معنوی وضاحت سے بھی بحث کی ہے۔

امیر اللغات

"امیر اللغات" کی داغ بیل دراصل اس وقت پڑی تھی جب امیر مینائی نے

---

[1] کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔ سید جابر علی۔ (جلد اول صفحہ ۱۱۹)

[2] " " " " " صفحہ ۱۲۷

سر الفریڈ لائل کے ایما پر اور نواب کلب علی خان (والیٔ رام پور) کے حکم سے "آ" تا "ب" اور "ی" تا "ے" مقوط کے الفاظ و مرکبات کا نمونہ مرتب کر کے ۱۸۸۶ء میں تاج المطابع رام پور سے "نمونۂ امیر اللغات" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد امیر اللغات کا پہلا حصہ (الف ممدودہ) ۱۸۹۱ء میں مطبع مفید عام آگرہ سے اور پھر دوسرا حصہ (۱۸۹۲ء) میں آگرہ سے ہی شائع ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں لغت کے تیسرے حصے، (جس میں ب کے لغات شامل تھے) کی تدوین تقریباً مکمل ہو چکی تھی لیکن اس کی اشاعت کے لیے سرمایہ نہیں تھا۔ جولائی ۱۸۹۸ء میں تیسرے حصے میں کچھ الفاظ تحقیق طلب رہ گئے تھے اور "پ" کے لغات کا چوتھا حصہ زیر ترتیب تھا کہ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں امیر مینائی کا انتقال ہو گیا[1]

جس طرح "فرہنگ آصفیہ" سید احمد علی دہلوی کی تن تنہا کدوکاوش کا نتیجہ ہے اسی طرح "امیر اللغات" (جلد اول و دوم) بھی امیر مینائی کی تن تنہا کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولف فرہنگ آصفیہ کو "فرہنگ آصفیہ" کی تدوین سے قبل ڈاکٹر فیلن کے ساتھ کام کرنے اور چند ذاتی لغات ترتیب دینے کی صورت میں لغت نویسی کا خاصا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، امیر مینائی نے نمونۂ امیر اللغات کی تدوین کے سلسلے میں کچھ لوگوں سے صرف مشورے حاصل کیے تھے اور مغربی یو پی نیز دلی کے دورے کیے تھے اور اخبارات کے ذریعے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر کی روایت کے مطابق۔ امیر اللغات کا نمونہ تنہا امیر کی کوششوں کا نتیجہ تھا لیکن اس کی اشاعت کے بعد لغت کی تیاری کے لیے انھوں نے چھ افراد پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی تھی۔ دن میں لغات کا جو مسودہ تیار ہوتا تھا رات کو کمیٹی میں اس پر بحث کی جاتی تھی۔

---

[1] مطالعۂ امیر۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ (۱۹۶۵ء) ص ۱۴۲

• ڈاکٹر محمد ابو سحر کی اطلاع کے مطابق امیر اللغات کا تیسرا حصہ (ب) جولکھر ثانی کے بعد مکمل کر لیا گیا تھا، اسرائیل احمد مینائی کے پاس کراچی میں موجود ہے۔ باقی قلمی مسودات ضائع ہو چکے ہیں۔ (ص ۱۴۱)

ایک مہینے تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن بحث و مباحثے نے اتنا طول کھینچا کہ "آہ" کا لفظ بھی پورا نہ ہو سکا اور آخر کار یہ طے ہوا کہ امیر مینائی خود اپنی رائے پر عمل کریں"۔ [1]

یہاں پر ڈاکٹر ابو محمد سحر کی یہ رائے محلِ نظر ہے کہ "امیر مینائی انگریزی سے بالکل ناواقف تھے لیکن (چونکہ) امیر اللغات کی تالیف کا آغاز ایک انگریز کے مشورے سے ہوا تھا اور اُس نے مولف کو کچھ ہدایات بھی دی تھیں (دیباچہ امیر اللغات جلد اول) اس لیے امیر اللغات کی تالیف میں جدید اصولوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے"۔ [2]

جہاں تک "امیر اللغات" میں شامل اندراجات کی اصل یا ان کے مآخذ لسانی کی نشان دہی یا ان کی قواعدی نوعیت کی طرف اشارہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں شک نہیں کہ مولف موصوف نے اس سلسلے میں زبردست تحقیق و تلاش سے کام لیا ہے اور اپنی بات کو مدلل طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مگر لغت نویسی کے جدید اصولوں کی جھلک کے تعلق سے اس میں چند باتیں ایسی ہیں جو اس کی نفی کرتی ہیں۔

جہاں تک اس لغت کے دونوں حصوں کے اندراجات کا تعلق ہے تو اس پر بھی فرہنگ آصفیہ والی بات صادق آتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولف فرہنگ آصفیہ نے بول چال کی زبان کو زیادہ اہمیت دی ہے جب کہ "امیر اللغات" میں شعری ترکیبات کی بہتات ملتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "امیر اللغات" یا اس سے پہلے "نمونۂ امیر اللغات" کی تدوین کے وقت امیر مینائی کے سامنے اس وقت کی متداولہ لغات رہی ہوں گی اور ان لغات کے اندراجات کو انھوں نے اپنی لغت میں شامل بھی کیا مگر بہت سے اندراجات کو اسقاط بھی کر دیا ہے۔

مولف فرہنگ آصفیہ نے "امیر اللغات" کے مولف پر اپنی لغت "ارمغانِ دہلی" کا ہو بہو چربہ اتارنے کا الزام متعدد بار لگایا ہے پہلے تو دہلی سے شائع ہونے

---

[1] مطالعۂ امیر (بحوالہ امیر مینائی ص [illegible])

[2] مطالعۂ امیر ص [illegible]

والے "اکمل الاخبار" میں اس الزام کو لے کر مضامین لکھوائے گئے پھر "فرہنگ آصفیہ" کی جلد اول اور چہارم کے دیباچوں میں بھی اس کا ذکر کیا گیا [1]

مؤلف فرہنگ آصفیہ کے اس الزام کے سلسلے میں ڈاکٹر حامد حسن قادری کی رائے سے اتفاق کیا جائے گا کہ "...... مولوی سید احمد دہلوی کی اس فضیلت میں شک نہیں کہ انھوں نے اردو کی سب سے بڑی اور مکمل لغت سب سے پہلے مرتب کی اور ۱۸۷۸ء میں ارمغانِ دہلی شائع کی۔ منشی امیر احمد مینائی کو امیر اللغات کا خیال بعد کو آیا اور انھوں نے ۱۸۸۴ء میں لفظ "آنکھ" کا نمونہ مرتب کیا۔ امیر مینائی کے سامنے فرہنگ کا نمونہ موجود تھا۔ یقیناً اس سے استفادہ کیا ہوگا لیکن اس کی ہو بہو نقل نہیں کی بلکہ سید صاحب کی لغات کو خود جانچا، غیر ضروری اندراجات کو ترک کیا، ضروری محاورات جو رہ گئے تھے ان کا اضافہ کیا، سند کے اشعار الگ تلاش کر کے لکھے۔ چند مثالیں یہ ہیں:-

'آنکھوں کی سوئیاں': اس کی مثال فرہنگ میں نہیں ہے۔ امیر نے داغ کا شعر سند میں لکھا ہے۔

'آنکھوں میں پھرنا': فرہنگ میں سند کے ۱۴ شعر ہیں جن میں سے دو چار بھی کافی تھے۔ اس لیے کہ اس محاورے کے صرف ایک ہی معنی ہیں۔ امیر مینائی نے صرف چار شعر لکھے ہیں جن میں سے صرف ناسخ کا شعر مشترک ہے۔ ظفر، آتش، رشک کے اشعار امیر نے الگ لکھے ہیں۔

'آنکھوں میں تنکے چبھونا': اس کی سند فرہنگ میں نہیں ہے۔ امیر نے داغ کا شعر لکھا ہے۔

---

[1] چنانچہ فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے دیباچے میں امیر غریب کے حاشیے میں لکھتے ہیں — "اللہ اللہ کیا مقام عبرت ہے کہ حضرت امیر صاحب امیر مینائی جنھوں نے اس خیر خیر میں امیر اللغات کے دو باب صرف الف ممدودہ و مقصورہ کے ہو بہو ارمغانِ دہلی کا چربہ اتار کر شائع فرمائے اور بھی بہت کچھ لکھنے والے تھے...... مگر افسوس کہ چند ہی روز میں اپنی حسرت دل ہی میں لے کر اس دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہوئے۔ (صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۹۰۱ء)

آنکھوں میں تلنا/ تولنا:۔ یہ محاورے فرہنگ میں بالکل نہیں ہیں۔ امیر نے مع اسناد لکھے ہیں۔

آنکھوں میں جہاں اندھیر ہونا:۔ تاریک ہونا، سیاہ ہونا، ان سب کی مثالیں امیر نے بالکل الگ لکھی ہیں۔

آنکھوں میں باتیں ہونا/

آنکھوں میں بہار پھولنا/

آنکھوں میں خاک لگانا:۔ فرہنگ میں نہیں ہیں، امیر نے مع مثال لکھے ہیں۔

آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا:۔

آنکھوں میں ٹھیرنا/

آنکھوں میں چڑھنا:۔ امیر اللغات میں نہیں ہیں" فرہنگ میں ہیں، یہ سب محاورے ہیں۔ ان کو شامل نہ کرنا امیر اللغات کی خامی ہے۔

آنکھوں میں آنسو بھر آنا:۔ "فرہنگ آصفیہ" میں بطور محاورہ درج ہے :۔ اس کی یہ مثال لکھی ہے ع آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں میں بھر آئے (انیس) اصل میں یہ کوئی محاورہ نہیں ہے، سیدھی سی بات ہے حقیقی معنی مراد ہیں اسے محاورہ گردانا غلطی ہے۔

آنکھوں میں آنا:۔ اس محاورے کے دو پہلو ہیں۔ دونوں لغت والوں کو دونوں ہی مفہوم لکھنے ضروری تھے مگر دونوں نے ایک ایک پہلو لیا ہے، "امیر اللغات" میں اس کے معنی ہیں، نظروں میں سمانا، اور مثال یہ ہے:۔

میری آنکھوں میں تم آؤ اگر شمشاد قامت آؤ
شجر رہتا ہے اکثر سبزہ دریا کی ترائی میں

(اسیر)

یہاں انسان کا مجسم آنکھوں میں آنا مفہوم ہوتا ہے

یہ صرف شاعرانہ تخیل ہے اسی لیے امیرؔ نے اس خصوصیت کی تصریح کردی ہے۔ "فرہنگ آصفیہ" میں اس محاورے (آنکھوں میں آنا) کے یہ مفہوم بتائے گئے ہیں — جچنا سمانا، نظر پر چڑھنا، خیال میں آنا، دھیان میں آنا، اور سند میں یہ شعر لکھا ہے ؎

نہیں آتے کسی کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے (میرؔ)

(جب کہ یہاں نگاہ میں جچنا مراد ہے۔[1]

ان دونوں لغات کے اس سرسری موازنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ، "امیر اللغات" کو "ارمغان دہلی" کی ہو بہو نقل کہنا یا اس کے مولف پر سرقے کا الزام لگانا تو غلط ہے ہی، یہ علمی حلم و بردباری کے بھی منافی ہے۔ یہی بات اگرچہ مولف "فرہنگ آصفیہ" نے صاحب "نور اللغات" کے بارے میں بھی کہی ہے مگر ان دونوں لغات کے تقابل سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "نور اللغات" میں بھی کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ کوئی بھی لغت سابقہ لغات کے مشمولات سے صرف نظر کر کے مکمل لغت ہو ہی نہیں سکتی۔

امیر اللغات "فرہنگ آصفیہ" پر اس لیے بھی ایک اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں اندراجات کی اصل یا ان کے مآخذ لسانی کی نشاندہی اور تلفظ کی وضاحت کے سلسلے میں پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ اس لغت کا یہی وہ حصہ ہے جو اسے اردو۔ اردو لغت نویسی میں زبردست اہمیت کا حامل بنا دیتا ہے۔ امیر مینائی نے لغت نویسی کے سلسلے میں ایک نمایاں کردار یہ ادا کیا ہے کہ کسی اندراج کے تلفظ کے سلسلے میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں اپنی تحقیقی رائے کو بھی پیش کر دیا ہے، مثال:۔

آتش :— ف (اس کی اصل ژند کا لفظ آترس ہے۔ آترس سے قدیم فارسی میں

---

[1] حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، ص ۱۲۲ (آگرہ اخبار پریس ۱۹۶۶ء)

آتیش اور اس سے آتش ہو گیا۔) آگ، (و)

مث — اربعہ عناصر سے ایک عنصر کا نام؛ . . . .

فائدہ:- اس لفظ میں فرہنگ نگاروں نے کسرۂ و فتح تائے قرشت میں اختلاف کیا ہے۔ جو لوگ کسرہ کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ آتیش تائے مکسورہ کے اشباع سے پیدا ہوا اور یہ اس کے ثبوت میں کافی ہے کہ تائے آتش مکسور ہے۔ اور جو فتح کو راجح کہتے ہیں وہ کثرت استعمال شعرا سے اپنے دعوے کو قوت دیتے ہیں اور حق یہی ہے کہ جہاں تک تتبع کیا گیا ہے سرکش و کشش وغیرہ قوافی میں پایا گیا اور آتش کو مشبع آتیش کہنا بھی ظاہراً ٹھیک نہیں اس لیے کہ آتیش خود قدیم فارسی ہے۔"[1]

اس مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ امیر مینائی نے اپنی لغاتی تحقیق کے سلسلے میں کافی لغات کی ورق گردانی کی ہوگی، مگر اس لغت میں جو چیز انھیں لغت نویسی کے جدید اصولوں سے بہت دور لے جاتی ہے وہ اس لغت کے غیر لغاتی —— (NON-LEXICAL) اندراجات ہیں۔ یہ غیر لغاتی اندراجات حصۂ اول میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ہوا یہ ہے کہ موصوف نے کسی مفرد یا مرکب اندراج کی اصل یا اس کے مآخذ لسانی، تلفظ اور معانی کی نشان دہی کے بعد اس اندراجی لفظ کی صفات اور تشبیہات کا ذکر بھی ضروری سمجھا ہے۔ چنانچہ آب (پانی) کی تمام لغاتی معلومات فراہم کرنے کے بعد آب کی تشبیہات اور صفات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کے لیے لغت کے کئی کالم صرف کر دیے گئے ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر ابو ابو محمد سحر کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ —— "آسمان اور آنکھ وغیرہ کی صفات و تشبیہات کا تو براہِ راست موقع تھا . . . . . ."[2] کیوں کہ لغت نویسی خاص طور پر امیر مینائی کے بعد کی جدید لغت نویسی بھی، اس طرح کے غیر لغاتی

---

[1] حوالہ۔ امیر اللغات، جلد اول (ص ۱۱۲) مطبع مفید عام آگرہ — ۱۸۹۱ء)

[2] مطالعۂ امیر (ص ۲۴۳) نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔ ۱۹۶۵ء

اندراجات کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی، مگر ان کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ امیر مینائی نے بعض الفاظ کے معانی کی مناسبت سے بھی صفات و تشبیہات لکھنے کا پہلو نکالا ہے۔ مثلاً آنسو کے معنی اشک لکھ کر اشک کی متعدد صفات و تشبیہات درج کر دی ہیں اور ہر ایک کی سند یا مثال میں اشعار دیے ہیں۔ آنکھ کی صفات و تشبیہات جن کو امیر نے مع مثالوں کے درج کیا ہے، سب سے زیادہ ہیں۔

عاشق و معشوق کی آنکھوں کی صفات و تشبیہات اس طرح دی گئی ہیں:۔

صفاتِ چشمِ معشوق:۔ آفتِ جان، آفت کی آنکھ، اثر کی آنکھ، بانکی، بھبھوکا، بیباک، تیر انداز، تیر بانک، دھواں دھار، رس بھری، رسی، رسیلی، کٹیلی، کیفی، مدھ ماتی، موہنی، وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہاتِ چشمِ معشوق:۔ آم کی پھانکیں، بادام، برچھی، بھونرا، جوگی، چاہِ بابل، چھری، رنجالو، ممولی، میکدہ، ہلاکو، وغیرہ وغیرہ۔

صفاتِ چشمِ عاشق:۔ آبناک، اشک آلود، بے خواب، پاکباز، پتھر، پردرد، جگر افشاں، خانہ خراب، ڈبڈبائی ہوئی، سیار، گلنار وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہاتِ چشمِ عاشق:۔ آبجو، آئینہ، انگارہ، برجِ میزان، ترازو، چراغ، دانۂ انگور، ساون بھادوں، مجمر، نگینہ، ندیاں، وحدت بین وغیرہ وغیرہ۔[1]

مذکورہ بالا مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولفِ امیر اللغات، نے اس طرح اس لغت میں غیر لغاتی (NON-LEXICAL) عنصر کی بھرمار کر کے لغت نویسی کے جدید اصولوں اور ان کے تقاضوں سے ناآشنا ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ چوں کہ یہ لغت صرف پہلے حرف (الف ممدودہ و الف مقصورہ) تک ہی شائع ہو سکی اس لیے بھی اس کا شمار اردو کی باقاعدہ اور مکمل لغات میں نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان کی اس کوشش نے بعد کے لغت نویسوں کے لیے روشنی کا کام کیا۔ چنانچہ "امیر اللغات" کی تکمیل کے جذبے سے ہی مولوی نور الحسن نیر کاکوری نے بیسویں صدی کے ربع اول

---

[1] امیر اللغات، جلد اول ص۱۵۱، و مطالعۂ امیر ص۲۳۴

میں لغت نویسی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور 'نوراللغات' کے نام سے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک جامع لغت مدون کی۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں، دوسری جلد ۱۹۲۷ء میں، تیسری جلد ۱۹۲۹ء میں اور چوتھی جلد ۱۹۳۱ء میں شائع کی۔ اس لغت کا تعلق چوں کہ اردو۔ اردو لغت نویسی کے دوسرے دور سے ہے اس لیے اس کا جائزہ اگلے باب میں لیا جائے گا۔

باب سوم

اردو۔اردو لغت نویسی کا دورِ دوم

سرمایۂ زبانِ اردو

سید ضامن علی جلالؔ لکھنوی، "سرمایۂ زبانِ اردو" سے کافی پہلے ۱۸۸۱ء میں محاورات پر مشتمل ایک جامع لغت "گنجینۂ زبانِ اردو" یعنی "گلشن فیض" کے نام سے شائع کر چکے تھے۔ یہ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم فرہنگِ محاورات تھی مگر چوں کہ اس کی تشریحی زبان، فارسی تھی یعنی اس میں اردو محاورات کی تشریح و وضاحت فارسی زبان میں کی گئی تھی، اس لیے اس کا شمار اردو۔فارسی لغت نویسی میں کیا جاتا ہے۔ سید ضامن علی جلالؔ لکھنوی نے غالباً اس فرہنگ کی اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے، اس کو پورا کرنے کی غرض سے "سرمایۂ زبانِ اردو" تالیف کی جس کی تشریح کی زبان بھی انھوں نے اردو ہی رکھی۔ 'سرمایۂ زبانِ اردو' کا سن تالیف ۱۳۰۴ ہجری (مطابق ۱۸۸۶ء) ہے۔ اس کا شمار بھی اردو۔اردو لغت نویسی کے دورِ اول کی لغات، "فرہنگِ آصفیہ"، اور "امیر اللغات" کے ساتھ ہی کیا جانا چاہیے تھا مگر چوں کہ یہ لغت ایک تو مختصر اور نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ بیشتر محاورات اور روزمرّہ تک ہی محدود ہے اور دوسرے اس میں اُس وقت تک کی اس لغت نویسی کا مشاہدہ نہیں ہوتا جس کی جھلک 'فرہنگِ آصفیہ' اور "امیر اللغات" میں ملتی ہے، اس لیے اسے ان دونوں لغات کے دور سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس لغت پر چوں کہ جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی نے کافی توجہ اور اہمیت دی اور اس کے جائزے پر مشتمل ایک ضخیم کتاب 'فرہنگِ اثرؔ' ہی مرتب

کرڈالی۔ اس لیے اس کا جائزہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ بہرحال اس کا تجزیہ "فرہنگِ اثر" کے ضمن میں ہی کیا جائے گا۔

نور اللغات

"فرہنگِ آصفیہ" کی تکمیل (۱۹۰۱ء) کے بعد دیگر کئی چھوٹی بڑی لغات شائع ہوئیں۔ مگر چوں کہ یہ سب نہ تو جامع تھیں اور نہ ہی ان میں سے کسی میں بھی "فرہنگِ آصفیہ" یا "امیر اللغات" جیسی لغت نویسی کی سی گہرائی اور گیرائی تھی، اس لیے یہ زیادہ قابلِ اعتنا قرار نہ پا سکیں۔ ان میں سے ایک قابلِ ذکر "فرہنگِ شفق" مولفہ منشی لالتا پرشاد شفق لکھنوی ہے۔ یہ ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی تھی اور اس میں صرف وہی محاورات شامل کیے گئے تھے جو ناسخ، آتش، غالب اور ذوق نے باندھے تھے۔ اس میں سند کے طور پر ان شاعروں کے کلام سے اشعار بھی پیش کیے گئے تھے[1]

"امیر اللغات" (جلد اول و دوم ۱۸۹۲ء) کے نامکمل کام کو پورا کرنے کی غرض[2] سے نور الحسن نیر کاکوروی نے ۱۹۲۴ء میں نور اللغات کی تدوین شروع کی اور اسی سال اس کا پہلا حصہ (جلد اول) نیر پریس لکھنؤ سے شائع کیا۔ اسے چار مبسوط جلدوں میں مکمل کیا جس کی آخری جلد اشاعت العلوم پریس، فرنگی محل، لکھنؤ سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ لغت اگرچہ "امیر اللغات" کی تکمیل کے طور پر مدون کرنے کی غرض سے شروع کی گئی تھی۔ مگر مولفِ لغت نے اس کا انداز "امیر اللغات" کے انداز سے قطعاً مختلف اور جامع رکھا۔ ایک تو یہ کہ مولفِ

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو۔ مولوی عبدالحق۔ انجمن ترقی اردو کراچی۔ ۱۹۷۳ء صـ۲۳

[2] مقدمہ نور اللغات۔ جلد اول۔ نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۴ء۔ صـ۲

[3] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیر کاکوروی نے اس لغت کی تدوین کا کام ۱۹۱۷ء سے شروع کر دیا تھا کیوں کہ اس لغت کی تیسری جلد کے سرورق پر لغت کے نام کے بعد یہ عبارت:
"جس کا تاریخی نام ۔ اردو کا تاج الغبوق ۱۹۱۷ء بھی درج ہے۔

'نوراللغات' نے 'امیراللغات' کے غیر لغاتی اجزا کو اپنی لغت سے باہر رکھا، یعنی انھوں نے اپنی لغت میں کسی اندراج، یا اندراج کے معنی کی صفات اور تشبیہات کو شامل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اندراج کی اصل یا ماخذ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں امیر مینائی جیسی تلاش اور تحقیق سے بھی کام نہیں لیا۔ اس لغت کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اندراجاتِ لغات

لغاتی اندراجات کے تعین کے سلسلے میں تفصیلی بحث "فرہنگ آصفیہ" کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ یہ کہا جا چکا ہے کہ 'فرہنگ آصفیہ' میں تمام لفظی سرمائے کو جمع کرنے کی کوشش تو کی گئی، مگر سارا زور زبان اور محاورہ تک ہی محدود رہا یہاں تک کہ اس وقت تک کے ایک اہم شاعر نظیر اکبرآبادی کی لفظیات تک کو بھی شاملِ لغت نہیں کیا گیا۔ یہ معاملہ صرف 'فرہنگ آصفیہ' تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کے بعد مدوّن کی گئی لغات بھی، جو ایک حد تک 'فرہنگ آصفیہ' پر ہی مبنی ہیں، اس الزام سے بری نہیں ہیں۔ 'نوراللغات' کے سلسلے میں تو اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ اس میں بھی بہت سے الفاظ کو شامل نہیں کیا گیا ہے، اور "متروکات" کے نام سے کچھ ایسے الفاظ کی فہرست شاملِ لغت کر دی گئی ہے جن میں سے اکثر نہ تو اس وقت متروک تھے اور نہ اب متروک ہیں۔

اندراجاتِ لغت کے سلسلے میں جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، اردو کے مؤلفین لغت پر شعری غلبہ تھا۔ یہی صورت حال 'نوراللغات' میں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ شعری ترکیبات کو شاملِ لغت کرنے کے سلسلے میں اس میں بھی کافی افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، اور بیشتر ایسی شعری ترکیبات کو لغاتی اندراج کی حیثیت دے دی گئی ہے جن کی حیثیت ترکیبِ اضافی یا ترکیبِ توصیفی کے سوا کچھ اور نہیں۔ مثال کے طور پر 'صاحب' کے تحت:

" صاحبِ اختیار / صاحبِ اخلاق / صاحبِ اقبال / صاحبِ لب / صاحبِ بہادر / صاحبِ تخت / صاحبِ تدبیر / صاحبِ تمیز / صاحبِ جاگیر

صاحبِ جائیداد/ صاحبِ جمال/ صاحبِ دل/ صاحبِ سلیقہ وغیرہ[1]
جیسے اندراجات بھی ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا اندراجات میں صرف تین یعنی صاحبِ بستہ (بمعنی سوز خوانوں کا سردار) صاحب بہادر (بمعنی انگریز یا یوروپی) اور صاحبِ دل (عارف) ایسے اندراجات ہیں جنھیں لغاتی اندراجات کی حیثیت دی جانی چاہیے تھی۔ باقی اندراجات ایسے ہیں جن کا تعلق لغت کی بجائے قواعدِ زبان یا صرف و نحو سے ہے۔ ہر وہ شخص جو اردو زبان کی قواعد نیز ترکیبِ اضافی اور ترکیبِ توصیفی کی تعریف سے واقف ہے، لغت کی مدد کے بغیر بھی ان کے معنی سے واقف ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس صاحبِ بستہ یا صاحبِ دل ایسی ترکیبیں ہیں جو اپنے اضافی اور توصیفی معنوں سے آگے کے معنی پر بھی روشنی ڈالتی ہیں جس کے لیے لغت کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قواعد نویس کا کام ختم اور لغت نویس کا کام شروع ہوتا ہے۔

'نوراللغات' کے ساتھ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک طرف تو اثر لکھنوی "نوراللغات" میں درج بہت سے متروکات کو متروکات ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اثر لکھنوی نے اپنی اس رائے کی صلابت کی وجہ سے اس کا ایک "تجزیہ نامہ" "فرہنگ اثر" کے نام سے بھی مدون کر ڈالا، دوسری طرف مولف "مہذب اللغات" نے نوراللغات کے بیشتر اندراجات کو یہ کہہ کر ساقط کر دیا ہے کہ یہ لکھنؤ میں مستعمل نہیں یا اب رائج نہیں۔ بہرحال اندراجات کے تعین کے سلسلے میں "نوراللغات" کو "فرہنگ اثر" اور "مہذب اللغات" کی رائے کے بین بین رکھنا مناسب ہوگا۔

ترتیبِ اندراج

"فرہنگ آصفیہ" اور "امیراللغات" کی ہی طرح "نوراللغات" میں بھی اندراجات کے لیے ہجائی ترتیب ہی اختیار کی گئی ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ جہاں "فرہنگ آصفیہ" میں تمام اندراجات ہجائی ترتیب سے منفرد طور پر الگ الگ لائن میں

---

[1] نوراللغات۔ جلد سوم۔ ص ۴۸۲۔ نیر پریس لکھنؤ (۱۹۲۹ء)

درج کیے گئے ہیں ، " نورُاللغات " میں مفردات کو ہی اصلی اندراج (MAIN ENTRY) مان کر اس کے تمام مرکبات اور محاورات کو ذیلی اندراجات کے طور پر لغت میں درج کیا گیا ہے ۔ پروفیسر مسعود حسین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ذیلی اندراجات قائم کرنے میں یہ قباحت ہے کہ مطلوبہ لفظ کی تلاش مشکل ہو جاتی ہے ۔ موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ جدید لغت نویسی (مثلاً ویبسٹر کی ڈکشنری) کے مطابق یعنی لفظ ، خواہ مفرد ہو یا مرکب ، علاحدہ علاحدہ درج کیا جائے ؛ اور یہ کہ ذیلی اندراجات کے طور پر صرف لفظ کے استعمال کی چند مثالیں اور محاورے وغیرہ دیے جا سکتے ہیں ۔

اس میں شک نہیں کہ لغت بین کی سہولت کے لیے وہی طریقۂ کار سب سے زیادہ موزوں ہوگا جس کی طرف پروفیسر مسعود حسین نے اشارہ کیا ہے اور جسے پہلے ' فرہنگ آصفیہ ' میں اور پھر بعد میں " مہذب اللغات ' میں بھی بروئے کار لایا گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ' نورُاللغات ' میں کسی مطلوبہ لفظ یا محاورے کی تلاش میں کسی قدر دشواری پیش آتی ہے ، جب کہ " فرہنگ آصفیہ " اور " مہذب اللغات " میں کوئی بھی لفظ یا محاورہ آسانی سے تلاش کر لیا جاتا ہے ۔

" نورُاللغات " میں تمام مرکبات ، محاورات اور امثال وغیرہ کو اگرچہ مفردات کے ہی ذیل میں رکھا گیا ہے مگر اس بات کا خاص التزام رکھا گیا ہے کہ متحد الحروف مگر مختلف المعنی اور مختلف الحروف الفاظ کو الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر :

دِیو (فارسی) اور دِیو (ہندی)[1] کو الگ اندراج کی حیثیت دی گئی ہے ۔ سَحَر (جادو) اور سَحَر[2] (صبح) کو بھی الگ ہی درج کیا گیا ہے ۔

تلفظ کی نشان دہی

جیسا کہ ' فرہنگ آصفیہ ' کے ضمن میں کہا جا چکا ہے ، اردو ۔ اردو لغات میں تلفظ

---

[1] نورُاللغات ۔ جلد سوم ص[illegible]

[2] " " ص۱۳۱

کی نشان دہی کے لیے ایک سے زائد طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ 'فرہنگ آصفیہ' میں تو بہت کم اندراجات کے تلفظ کو بتایا گیا ہے، مگر 'نوراللغات' میں اس کے برعکس پہلے تو تمام اندراجات (مفردات) کے تلفظ کو اعراب کے ذریعے واضح کیا گیا ہے اور اس کے بعد بیشتر اندراجات کے تلفظ کے لیے وضاحتی طریقہ کار بھی کام میں لایا گیا ہے؛ مگر اس سلسلے میں یکسانیت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی اکر وضاحتی طریقے (مثلاً شرطیہ۔ بالفتح وکسرِ سوم و سکونِ یائے معروف مشدّد و مفتوح[1]) سے کی گئی ہے تو کہیں ہم وزن یا مساوی الحرکات (مثلاً صیغہ۔ ع صیغہ بروزن زینت[2] یا اگری بروزن سفری[3]) الفاظ کے ذریعے بھی تلفظ بتایا گیا ہے۔

ایک بات یہ واضح رہے کہ 'نوراللغات' میں تمام مفرد اندراجات کی بجائے بیشتر اندراجات کے ہی تلفظ کو بتایا گیا ہے اور اس سلسلے میں زیادہ ترہم وزن الفاظ کا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ مولفِ لغت نے اس سلسلے میں اپنے لفظ و تلفظ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"صحت تلفظ کے واسطے اعراب دے دیے ہیں اور جہاں کہیں اعراب سے کام نہیں چلا وہاں اعراب کے علاوہ اس لغت سے زیادہ مشہور الفاظ میں وزن بتادیا ہے اور بعض مقامات پر شعر لکھ دیے ہیں"[4]

اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں چوں کہ یکساں اور منظم طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس اندراج کا تلفظ مولف کو آسانی سے مل گیا، اسے تو درج لغت کر دیا اور جہاں تلفظ نہیں مل سکا ہے وہاں اس کی نشان دہی نہیں کی ہے۔ اس لیے تلفظ کی نشان دہی کو اس لغت کا کمزور

---

1. نوراللغات جلد سوم ص ۱۲۳ نیر پریس لکھنؤ (۱۹۲۹ء)
2. " " " ص ۱۲۱ " " "
3. " جلد اول ص ۲۵ " " ... (۱۹۳۳ء)
4. دیباچہ نوراللغات۔ جلد اول ص ۱۲

حصہ کہا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طرف تو ایک کالم کے دس اندراجات ڈاکن تا ڈبکی میں صرف ڈاکن اور ڈائیننگ ہال کا تلفظ نہیں بتایا گیا ہے۔ باقی آٹھ اندراجات۔ ڈب (بالفتح) ڈرار (بالفتح) ڈبکا (بالفتح) ڈبکی (بالفتح) کے تلفظ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے[1] ، دوسری طرف ایک دوسرے کالم کے تمام اندراجات ——— عدت / عدد / عدس / عدم کا تلفظ صرف اعراب سے ظاہر کیا گیا ہے[2]

اس عدم یکسانیت کی چند مزید مثالیں:۔

اگرچہ "اماکن" (بفتح اول وکسر چہارم)[3] کا تلفظ دیا گیا ہے مگر اس کے ماقبل کے اندراج "امارہ" کا تلفظ نہیں بتایا گیا ہے، صرف اعراب کے ذریعے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ دوسری طرف "ایزد" (ف۔ بکسر اول وسوم وسکون یائے مجہول) کا تلفظ تو دیا گیا ہے مگر اس کے مابعد کے اندراج ایزاد کا تلفظ نہیں دیا گیا ہے[4]

اس لغت میں کہیں کہیں اختلافِ تلفظ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً:

جنیو:۔ (بروزن تگاپو) ہندؤں کی زبانوں پر اسی طرح ہے شعرا نے بھی اسی طرح نظم کیا ہے۔ مسلمانوں کی زبان پر بروزن غزلو ہے[5]

پکائیں:۔ (ہ۔ اصل میں بفتحِ اول وچہارم ہے۔ عورتیں یائے مفتوحہ کی جگہ عموماً یائے مکسورہ سے بولتی ہیں۔[6]

سجل:۔ (سنسکرت۔ سجت، اچھا، ہندی میں بکسرِ اول وفتح دوم ہے) فصحا کی زبانوں پر اردو میں بکسرِ دوم ہے[7]

---

[1] جلد سوم جنرل پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۷۶ء ص۷

[2] 〃 〃 〃 〃 ص۱۳۵

[3] جلد اول نیر پریس لکھنؤ ص۳۷ - ۱۹۲۴ء

[4] 〃 〃 ص۱۰۹ 〃

[5] نوراللغات جلد دوم ص۳۳۵ نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء

[6] 〃 جلد اول ص۶۰ 〃 ۱۹۲۴ء

[7] 〃 جلد سوم ص۳۰ 〃 ۱۹۲۹ء

جھینگر :۔ (بفتحِ کافِ فارسی، عوام بضمِ کاف بولتے ہیں)[1]

اصل اور مآخذِ لسانی

"نوراللغات" میں صرف مفردات کی اصل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور کہیں کہیں اصل زبان میں ان کی نوعیت یا مادّہ بھی درج لغت کر دیا گیا ہے، مگر مرکبات کی اصل کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں "فرہنگِ آصفیہ" اور "نوراللغات" میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ فرہنگ میں مرکبات کو بھی مفرد اندراج کی حیثیت دی گئی ہے اس لیے اس میں مرکبات کی اصل کی نشان دہی ضروری تھی! اور "نوراللغات" میں چوں کہ مرکبات کو (مفردات کے ذیل میں ہی درج لغت کر کے) ذیلی اندراجات کی حیثیت دی گئی ہے، اس لیے اس میں مرکبات کی اصل کی نشان دہی نہ تو ضروری ہی تھی اور نہ ہی آسان۔ اس لغت میں مفردات کی اصل کی نشان دہی کی چند مثالیں درج ہیں:۔

1 **ایسا** :۔ (ھ پرس: اشکا) جلد اول ص۳۷۷

باٹ :۔ (س: وارتا۔ ورت، بولی) جلد اول ص۴۴۱

بتول :۔ (بروزن رسول) (ع۔ بتل بمعنی قطع سے) اسم فاعل (جلد اول ص۱۱۵)

برچھا :۔ (فارسی میں برچق)، (جلد اول ص۵۴۲)

بوتل :۔ (انگ۔ باٹل) جلد اول ص۴۴۶

ان چند مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس لغت میں عربی، فارسی اور سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مگر اس لغت کا سقم یہ ہے کہ یہ طریقۂ کار تمام اندراجات کے سلسلے میں اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو واقعی یہ اُس وقت کی لغت نویسی کا ایک بڑا کارنامہ ہوتا۔

اس لغت میں اندراجات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں اختیار کی گئی

---

[1] جلد دوم ص۳۶۳ نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء

رواروی کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اردو کی دیگر لغات میں "زمین" (ف) کے ساتھ ساتھ "زمیندار" کو بھی فارسی لکھا گیا ہے وہیں "زمیندار" کی اصل کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے[1] اسی طرح "فنڈا" کو فارسی بتا کر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ (فارسی میں غنداً، غنڈہ) کہتے ہیں[2] جب کہ اسی لغت میں "گنڈا" کو ہندی بتایا گیا ہے[3]

ایک اور مثال لیجیے۔

جہاں "فرہنگ آصفیہ"، نیز دیگر اردو لغات میں "عادی" کو اردو بتایا گیا ہے، "نور اللغات" میں اس کی کوئی اصل نہ بتا کر یہ بحث کی گئی ہے۔

"یہ لفظ عربی لغات میں نہیں ہے۔ ہندوستانی فارسی والوں نے بنا لیا ہے۔ فارسی میں قاآنی نے بمعنی اس چیز کے جس کی عادت پڑ گئی ہو استعمال کیا ہے"[4]

مولف نے یہ رائے دراصل سابقہ لغات کے تتبع میں دے دی ہے کہ یہ لفظ عربی لغات میں نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ۱۹۶۴ء میں بیروت سے شائع شدہ جبران مسعود کی عربی لغت "الرائد" میں عادی (العادی) کے معنی نمبر ۸۔ اس طرح دیے گئے ہیں: — عادی المعادی۔ اَشَدُّ الاشغال اَلّتی تعوق الانسان عن اموره[5]

"الرائد" میں عادی (العادی) کی اس تعریف سے ایک تو یہ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ عربی لغات میں نہیں ہے اور اسے سب سے پہلے قاآنی نے استعمال کیا ہے۔

۱؎ نور اللغات جلد سوم ص۱۴۵ - نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء

۲؎ " " ص۵۹۴۔ " "

۳؎ " جلد چہارم ص۲۹۹ " "

۴؎ " جلد سوم ص۵۳۳ " ۱۹۳۱ء

۵؎ " جلد اول ص۹۹۱ " ۱۹۲۴ء

ایسے بہت سے الفاظ کی اصل کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے جو اصل معنوں میں موجود ہیں اور جن کی اصل دینا ضروری بھی تھا۔ مثال کے طور پر چنا، چنار، چٹاک، چٹخنا وغیرہ کی اصل نہیں دی گئی ہے۔[1]

اس لغت میں اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں "فرہنگ آصفیہ" کے اتباع کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس میں اگرچہ کہیں کہیں اپنی رائے بھی دی گئی ہے مگر آصفیہ سے کہیں بھی اختلاف نہیں کیا گیا ہے۔ فرہنگ میں مختلف عربی اور فارسی لغات کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ "شکیل" (بمعنی حسین و خوب رو) عربی میں یہ لفظ بمعنی خوب رو نہیں آیا ہے۔ اس کو اردو ہی کہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ عطف و اضافت ناجائز ہے۔"[2] "نور اللغات" میں اس رائے کی تائید کر دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ "فارسی لغات میں یہ لفظ نہیں آیا ہے"[3]

شکیل کے عربی و فارسی استعمال کی بحث میں پڑے بغیر اس بات پر حیرت ظاہر کی جانی چاہیے کہ اس لفظ کے سلسلے میں صاحب "فرہنگ آصفیہ" کی اس رائے پر بھی مہر تصدیق لگا دی گئی ہے کہ "اس کے ساتھ عطف و اضافت ناجائز ہے"۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جو لغت نویس کسی دوسرے لغت نویس کی ذرا ذرا سی کوتاہیوں کو نمایاں کرنے میں آگے آگے رہے ہیں وہ کسی خالص عربی لفظ کے ساتھ عطف و اضافت کو ناجائز قرار دینے کی بات کیسے ہضم کر گئے۔ ایک اور مثال لیجیے۔

طلا (بمعنی ضماد و تقضیب) اور طلا (بمعنی زر، سونا) دو اندراجات ایسے ہیں جن کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی "فرہنگ آصفیہ" کی رائے کو قبول کر لیا گیا ہے۔ طلا (ضماد و تقضیب) کو "فرہنگ آصفیہ" میں تیل کا معرب[4] اور "نور اللغات" میں عربی[5] بتایا گیا ہے۔ طلا (بمعنی زر، سونا) کو "فرہنگ آصفیہ" میں تلا (میزان)

---

[1] نور اللغات جلد دوم۔ صفحہ [illegible] نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۷ء

[2] فرہنگ آصفیہ جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۱ " ۱۹۷۴ء

[3] نور اللغات " صفحہ [illegible] " ۱۹۲۹ء

[4] فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم صفحہ ۲۴۲۔ ترقی اردو بورڈ دہلی ۱۹۷۴ء

[5] نور اللغات۔ جلد سوم صفحہ [illegible]۔ نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۹ء

کا معرب بتایا گیا ہے[1]، جب کہ "نوراللغات" کا کہنا ہے کہ اس لفظ کو زریا سوتا کے معنی میں فارسیوں نے استعمال کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فارسیوں نے استعمال کیا تو کہاں سے کیا اور پھر معرب کہاں سے ہوگیا۔ جواب یہی ہوسکتا ہے کہ 'فرہنگ آصفیہ' میں یہی رائے دی گئی ہے۔

اب تک کی معروضات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ 'نوراللغات' میں اندراجات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں ایک تو یہ کہ ایک سے زائد طریقے اختیار کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے اس لغت میں اس لحاظ سے عدم یکسانیت ملتی ہے اور دوسرے یہ کہ صرف مفردات کے ہی ماخذ لسانی کی نشان دہی کرنے کی وجہ سے ایسے مرکبات کی [illegible] کا پتہ نہیں چل پاتا جو ایک سے زائد زبانوں کے اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہیں۔ تاہم، [illegible] لغت کو اردو کی دوسری زیرِ نظر لغات خصوصاً 'فرہنگ آصفیہ' اور 'مہذب اللغات' پر اسی لحاظ سے اہمیت دی جاسکتی ہے کہ اس میں بہت سے سنسکرت الاصل ہندی الفاظ کی اصل اور ان کے لغوی معنی بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

قواعدی نوعیت

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ 'فرہنگ آصفیہ' اور 'مہذب اللغات' کے مقابلے میں اس لغت کی اہمیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل کی نشان دہی اور ان کے لغوی معنوں کی وضاحت کے سلسلے میں اس کو ان دونوں پر فوقیت حاصل ہے، اسی طرح قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی اس لغت میں ان دونوں سابق الذکر لغات کے مقابلے میں زیادہ درستی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر کوئی لفظ بیک وقت اسم، اور صفت یا تابع فعل دونوں ہی ہے تو اس کی ان جداگانہ اور ایک دوسرے سے مختلف نوعیتوں کی واضح طور پر

---

[1] نوراللغات جلد سوم ص ۲۴۵۔ ترقی اردو بورڈ۔ ۱۹۷۰ء

[2] ؍؍ ؍؍ ص ۵۱۸۔ نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۱۹ء

نشان دہی کی گئی ہے۔

تاہم اس لغت میں اصل یا ماخذِ لسانی کی نشان دہی کی ہی طرح قواعدی نوعیت کی نشان دہی میں بھی یہ سقم ضرور پایا جاتا ہے کہ بہت سے اندراجات کی قواعدی نوعیت نہیں بتائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر "ایسا" (جلد اول ص۴۰۴) میسرا (جلد چہارم ص۱۳۱۷) یا ایزد اور ایزاد (جلد اول ص۴۰۴) وغیرہ جیسے اندراجات کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ قواعد کی رو سے ان کو کیا کہا جاتا ہے۔ اس لغت کی اس خامی کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ قواعدی نوعیت کے لحاظ سے یہ لغت 'فرہنگ آصفیہ' کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ اسی طرح تذکیر و تانیث کے تعین کے سلسلے میں بھی کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ 'مہذب اللغات' یا 'فرہنگ اثر' کے برعکس اس میں تذکیر و تانیث کے تعین میں دلّی یا لکھنؤ کے اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ البتہ اس اختلاف کا ذکر ضرور کر دیا گیا ہے۔

معنوی وضاحت

اس لغت میں اندراجات کے معنی مترادفات اور وضاحت، دونوں شکلوں میں دیے گئے ہیں۔ بعض اندراجات کے معنی صرف مترادفات کی شکل میں اور بعض اندراجات کے معنی صرف وضاحتی شکل میں دیے گئے ہیں اور کچھ اندراجات ایسے بھی ملتے ہیں جن کے معنی دونوں شکلوں میں دیے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ بیشتر اندراجات کی اصل کے ساتھ ان کے لغوی معنی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے:

بچہ ۱- (فارسی میں طفل، حیوانات کا بچہ) لہ

امالہ :- (ع۔ لغوی معنی مائل کرنا، اصطلاحی معنی مائل کرنا فتح کا کسرے کی طرف) لہ

لہ نوراللغات جلد اول ص۴۳۵ - نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء

داخل :۔ (ع۔ اندر آنے والا۔اندرونی)[1]

دانہ :۔ (ف۔اناج،اسباب)[2]

فرعون :۔ (ع۔ لفظی معنی نہنگ)[3]

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معنوی ترتیب کے لحاظ سے اس میں لغوی معنی پہلے اور اصطلاحی،عام معنی بعد میں دیے گئے ہیں۔

معنی کی نشان دہی کے سلسلے میں 'فرہنگ آصفیہ' اور 'نوراللغات' میں واضح فرق یہ سامنے آتا ہے کہ اس لغت میں 'فرہنگ آصفیہ' کے دوراز کار، متروک اجنبی اور غیر زبان کے مترادفات کو حذف کر دیا گیا ہے اور ہر اندراج کے لیے زیادہ سے زیادہ دو یا تین مترادفات ہی دیے گئے ہیں۔

معنوی ترتیب کے لحاظ سے ایک بات یہ بھی واضح ہے کہ اس لغت میں 'فرہنگ آصفیہ' کی پیروی کی گئی ہے۔ اسے پیروی یا اتباع کم اور نقل زیادہ کہا جا سکتا ہے۔

چند مثالیں پیش ہیں :۔

فراغت :۔ اس اندراج کے معنی نمبر ۱ کے تحت 'نوراللغات' نے چھٹکارا نجات، خلاصی، جیسے مترادفات 'فرہنگ آصفیہ' سے جوں کا توں نقل کر دینے کے بعد مثال کے طور پر میر کا شعر بھی دیا پیش کیا ہے جو 'فرہنگ آصفیہ' میں درج ہے۔ معنی نمبر ۲ کے تحت مترادف "راحت" دیا گیا ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ 'نوراللغات' میں اس کی مثال غالب کے شعر سے دی گئی ہے۔

'فرہنگ آصفیہ' کے معنی نمبر ۳ — افراط، بہتات، اور نمبر ۴ پیخانہ۔ ٹٹی وغیرہ کو 'نوراللغات' میں حذف کر دیا

---

[1] نوراللغات۔ جلد سوم ص۵ نیر پریس لکھنو۔ ۱۹۲۹ء

[2] 〃 〃 〃 ص۱۲ 〃 ۱۹۲۹ء

[3] 〃 〃 〃 ص۵۹ 〃 〃

گیا ہے [1]

اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اندراجات کے معنی درج کرتے وقت صاحبِ 'نوراللغات' کے سامنے 'فرہنگِ آصفیہ' تھی۔ اس سلسلے میں یک دوسری مثال لیجیے:

فالج :۔ "ایک بیماری کا نام جس سے آدھا بدن بیکار ہو جاتا ہے [2] جبکہ اس کے معنی فرہنگِ آصفیہ میں اس طرح دیے گئے ہیں۔ 'ادھرنگ۔ آدھے جسم کا ڈھیلا یا سست پڑ جانا۔"

دست :۔ اس اندراج کے وہ تمام معنی جو 'فرہنگِ آصفیہ' میں درج ہیں 'نوراللغات' میں بھی نقل کر دیے گئے ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ اس کے معنی نمبر ۳ — قدرت۔ قابو، غلبہ، کو حذف کر دیا گیا ہے۔ [3]

دست کے بعد 'فرہنگِ آصفیہ' کا اندراج ہے :۔

دست کھینچنا :۔ (باز آنا) اس میں پہلی غلطی تو یہ کی گئی ہے کہ دست کھینچنا کی مثال "دست سوال کھینچنا" سے دی گئی ہے۔

(رخ) غربت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ

جس پر 'نوراللغات' اور بعد میں 'مہذب اللغات' کے مولف نے اگر کوئی رائے دی بھی تو یہ کہ — اس جگہ ہاتھ کھینچنا مستعمل ہے۔ باز آنا [4]

'فرہنگِ آصفیہ' سے نقلِ لغت اور نقلِ معنی کی ایک صورت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اگر سابق الذکر میں کسی اندراج کے معنی صرف مترادفات کی شکل میں دیے گئے ہیں تو اس لغت میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے چنانچہ 'آصفیہ' میں 'پیدائش' کے معنی صرف

---

[1] نوراللغات۔ جلد سوم ص ۱۱۹۔ نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۱ء
[2] ✓ ✓ ✓ ✓ ✓
[3] ✓ ✓ ص ۲۲۳ ✓ ✓
[4] ✓ ✓ ✓ ✓ ✓

مترادفات کی شکل میں دیے گئے ہیں اور "نوراللغات" میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے[1]

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، "نوراللغات" میں معنی کی نشان دہی مترادفات اور وضاحت دونوں شکل میں کی گئی ہے اور یہ کہ "فرہنگ آصفیہ" کے برخلاف اس میں دور از کار اور غیر اردو مترادفات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس لغت میں اگرچہ "فرہنگ آصفیہ" کے برخلاف طول طولانی وضاحت سے بھی گریز کیا گیا ہے مگر جہاں کہیں طول طولانی وضاحت دی گئی ہے وہاں مولف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں رہا ہے۔ ایک تو یہ کہ طول طولانی وضاحت لغت نویسی کے اصول سے میل نہیں کھاتی اور دوسرے یہ کہ وضاحت کی بجائے ابہام کا باعث بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس لغت میں "جہاز" کی تعریف اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے :-

"اسباب تجارت لادنے اور بحری سفر کرنے کی بہت بڑی ناؤ"[2]

پدمنی — کی وضاحت "نوراللغات" میں اس طرح کی گئی ہے :-

"(اس کی اصل پدم یعنی کنول سے ہے جو بہت نازک، خوبصورت پھول ہوتا ہے) اعلا درجہ کی نازک خوبصورت عورت کی ایک قسم، ہندوستان کی ایک مشہور رانی کا نام، دانایان ہند نے بہ اعتبار حسن و جمال عورتوں کے چار درجے مقرر کیے ہیں۔ اول پدمنی، دوم چترنی، سوم سنکنی، چہارم ہستنی، لوگوں کا خیال ہے کہ پدمنی اکثر چاروں میں ہوتی ہے۔ (جان صاحب خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کو کیا پیدا۔ بڑا اہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چار اپنا")[3]

پہلی مثال میں مولف لغت جہاز کی تعریف واضح نہیں کر سکے ہیں اور اسے بہت بڑی ناؤ کا نام دے کر ہی کام پورا کر دیا ہے۔ دوسری مثال میں پہلا سقم یہ ہے

---

[1] نوراللغات۔ جلد دوم صفحہ ۱۲۱ - نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء

[2] " " - " صفحہ ۳۴۶ - " "

[3] " " - " صفحہ ۵۳ - " "

کہ پدمنی کی وضاحت نمبر ۱۔ اور وضاحت نمبر ۳۔ ایک ہیں، وضاحت نمبر ۲ کو درمیان میں درج کرنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وضاحت نمبر ۱ مذ ا ور وضاحت نمبر ۳ ایک دوسرے سے مختلف ہیں جب کہ ایسا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ پدمنی کی یہ تعریف قاموسی تعریف کے ذیل میں نہیں آتی مگر یہ معنی "تعریف" سے بھی متجاوز ہیں۔

"فرہنگ آصفیہ" کی ہی طرح "نوراللغات" میں بھی، اندراج کے معنی کے استنباط، یا پھر، ان کی سند کے انتخاب کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی زیادہ تر نقلِ لغت کا ہی دخل رہا ہے اور دوسرے یہ کہ اشعار کو ہی سند کا معیار بنانے کی وجہ سے ان کے معنی کے استنباط میں کوتاہی آگئی ہے۔ مثال کے طور پر

حلق :- نمبر (۱) گلا، گردن، دینے کے بعد اس کے معنی نمبر (۲) (اردو) منھ، زبان، دیے گئے ہیں اور سالک کا یہ شعر نقل کیا گیا ہے۔

کیوں نہ اغیار کی گردن پہ ہو چلنا دشوار
یہ بھی کیا حلق ہے اے خنجرِ قاتل میرا [1]

جب کہ اس شعر کے دونوں مصرعے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس شعر میں شاعر نے حلق کا استعمال منھ یا زبان کی بجائے گردن اور گلا کے معنی میں ہی کیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے اندراج "چشم" کے معنی (۳) عادت، خصلت؛ دیے گئے ہیں اور بحر کا یہ شعر بطور سند پیش کیا گیا ہے:-

غرقِ گریہ ہے شب و روز بتوں کے غم میں
بحر تیرا ہے چشم مردم دریائی کا (جلد دوم ص ۳۴۱)

اسی طرح "آہ کھینچنا" کی مثال "آہ سرد کھینچنا" سے دی گئی ہے۔

وہ ٹھنڈے ٹھنڈے چین سے گھر کو چلے گئے
لے اور آہِ سرد دلِ پُر ملال کھینچ (جلد اوّل ص ۱۶۲)

---

[1] نوراللغات۔ جلد دوم ص ۴۴۳۔ نیر پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۷ء۔

اندراج "بادل دوڑنا" کی مثال "ابر دوڑنا" سے دی گئی ہے۔

ابر دوڑا ہوا جاتا ہے خدا خیر کرے
آج بدلی نظر آتی ہے گھٹا ساون کی (امانت) جلد اول ص ۴۲

'فرہنگ آصفیہ' کی طرح، 'نور اللغات' میں بھی اندراجات کے دیے گئے معانی کی صحت اور مناسبت سے کافی اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر چوں کہ دائرۂ کار صرف اس سوال تک ہی محدود ہے کہ ان مولفین لغت کا طریقۂ کار کیا رہا ہے؟ اور ان مولفین نے اپنے ہی اختیار کردہ طریقۂ کار سے کہاں تک انصاف کیا ہے؟ اس سلسلے میں جیسا کہ 'فرہنگ آصفیہ' میں کی گئی معنوی وضاحت کے ضمن میں بھی کہا جا چکا ہے، مولف 'فرہنگ آصفیہ' نے سنی سنائی باتوں، غیر معیاری کتابوں نیز غیر مستند اور زبانی طور پر حاصل ہونے والی معلومات پر زیادہ انحصار کیا ہے، اسی طرح 'نور اللغات' کے مولف نے بھی اس معاملے میں نقلِ لغت پر ہی زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک عام اندراج ——"اٹھنا" ہے۔ اس کے معنی "(لاش کے ساتھ) میت اٹھنا" بھی دیے گئے ہیں، جب کہ صرف اٹھنا کے یہ معنی ہرگز نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر جو شعر نقل کیا گیا ہے، اس میں بھی "اٹھنا" کا استعمال لاش کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ شعر کا مصرعہ ہے۔۔۔

ع اٹھنے میں میری لاش کے تاخیر ہو نہ جائے (دبیر)

پھر یہ کہ اٹھنا ہی کے ایک دوسرے معنی، ختم ہونا بھی دیے گئے ہیں اور انیس کا یہ مصرعہ بطورِ سند پیش کیا گیا ہے:۔۔

ع ہے ہے جہاں سے پنجتنِ پاک اٹھ گئے [1]

یہاں بھی اصل استعمال (محاورہ) جہاں سے اٹھنا ہے نہ کہ صرف اٹھنا!

ایک دوسرا بہت عام سا اندراج — بات: — ہے۔ مولف 'نور اللغات' نے اس کے ۸۰ معانی دیے ہیں۔ اس میں آن کا اتنا زیادہ قصور نہیں کیوں کہ ایسا محض 'فرہنگ آصفیہ' کا اتباع کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ البتہ جہاں انھوں نے بہت سے

---

[1] نور اللغات۔ جلد اول۔ ص ۱۱ سرفراز پریس لکھنؤ (۱۹۵۸)

اندراجات کے غیر مستعمل اور دوراز کار معانی اپنی لغت سے ساقط کر دیے تھے وہیں وہ "بات" کے اتنے سارے معانی کے انتخاب کے سلسلے میں ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ "فرہنگ آصفیہ" میں دیے گئے "بات" کے تمام معانی، اس میں بھی جوں کے توں شامل کر دیے گئے ہیں۔ بات کے چند آخری معانی محل نظر ہیں:۔

معنی نمبر ۳۲ ۔ ملامت (فقرہ) لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا "

معنی نمبر ۳۴ ۔ مشکل، دشوار، (فقرہ) بات ہی کیا ہے ۔

معنی نمبر ۳۶ ۔ الزام تلائے گی ایک دن محبت میں

آبرو پہ یہ اشک باری، بات (امانت)

معنی نمبر ۳۷ ۔ دانش مندی۔ فراست،

(بحر) بات جب ہے یہ بات ٹالو تم

معنی نمبر ۶۰ ۔ سامان۔ (فقرہ) امیری کی بات مفلسی میں کہاں،

معنی نمبر ۶۱ ۔ آرزو، ارمان۔ (فقرہ) یہ بات جی میں رہ گئی کہ .....

معنی نمبر ۶۲ ۔ طریقہ، فیشن۔

ــــہ یہ بھی ہے کوئی بات کہ محشر اٹھایئے

آتا ہے تم کو بیٹھے بٹھائے خیال کیا (داغ)

معنی نمبر ۶۳ ۔ رسم و راہ ـــــــہ میں جو آیا تو التفات نہیں

وہ نظر وہ سخن وہ بات نہیں (مومن)

معنی نمبر ۶۴ ۔ برتاؤ، معاملات

ــــہ مانگا جو بوسہ میں نے تو کہنے لگا وہ

جاؤ جی آشنا نہیں میں ایسی بات کا (مصحفی)

معنی نمبر ۶۵ ۔ قیمت، سوال (فقرہ) ایک بات کہو جھوٹ نہ بولو،

معنی نمبر ۶۶ ۔ مضائقہ، خوبی، (فقرہ) اس میں کیا بات ہے۔

معنی نمبر ۶۷ ۔ حکایت، افسانہ۔

لہ نور اللغات ۔ جلد اول صفحہ ۶۳۲ ۔ نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء

؎ بات اک یاد آتی ہے مجھ کو
مری آنکھوں کے آگے گزری (منیرؔ)

معنی نمبر ۷۸ - وصل کا کنایہ - (ف) جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم -
(جرأت)

باتؔ کے ان معنی کی روشنی میں یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معانی کے باہمی فرق پر نہ تو زیادہ توجہ دی گئی ہے ، اور نہ ہی ان کے استنباط کے سلسلے میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا۔ اس کی وجہ، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ، نقلِ لغت ہی رہی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی بکثرت مشاہدے میں آتی ہے کہ اس نقلِ لغت کے زور میں صیغوں کے معانی پر بھی توجہ نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے کے معنی تفضیل کا صیغہ ہونے کے ناطے۔ سب سے بڑا۔ دیے جانے چاہیے تھے مگر نور اللغات[۱] اور اس کے بعد مہذب اللغات[۲] یعنی دونوں ہی میں اس کے معنی صرف ۔ بہت[؟] ۔۔۔ دیے گئے ہیں جب کہ سب سے بڑا ۔ اور ۔ بہت بڑا میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح افغان کے معنی نور اللغات میں مسلمانوں کی ایک قوم جس کو پٹھان کہتے ہیں[۳] دیے گئے ہیں جب۔ افغان اور پٹھان میں بہت فرق ہے۔

اگرچہ صاحب نور اللغات نے یہ بات صراحت سے کہی ہے کہ ۔
" ہر محاورے کو فعل متعدی اور فعل لازم کے ساتھ ساتھ علاحدہ قائم کیا ہے اور معنی سے لازم و متعدی کا فرق واضح کر دیا ہے۔"[۴]
مگر ہوا یہ ہے کہ مو[لف] نے اپنے اختیار کردہ اس طریقۂ کار کے برخلاف باتؔ سے بننے والے شروع کے ایک [سو] محاوروں میں سے تقریباً پچیس محاوروں کے سلسلے میں اس طرح کی کوئی نشا[ندہی] نہیں کی ہے[۵]

[۱] نور اللغات۔ جلد اول ۲۲ نیر پریس لکھنؤ (۱۲۴ء)
[۲] مہذب اللغات۔ جلد اول صـ۲۰ ۔ سرفراز لکھنؤ۔ (۵۸ء)
[۳] نور اللغات۔ جلد اول۔ صـ۳۲۲ ۔ ۱۹۲۴ء
[۴] دیباچہ نور اللغات جلد اول صـ۱۲
[۵] صـ۴۴۲ ۱۹۲۴ء

یہ تھا 'نوراللغات' میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں اختیار کردہ طریقۂ کار کا ایک سرسری جائزہ۔ ان معروضات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ مولف نے سابقہ لغات کی خامیوں کو دور کرنے اور 'امیراللغات' کے نامکمل کام کو پورا کرنے کے مقصد سے ہی 'نوراللغات' کی تدوین کی اہم ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اسے نبھانے کی کوشش کی مگر نقلِ لغت میں زیادہ احتیاط اور تحقیق سے کام نہ لینے کی وجہ سے تدوینِ لغت کی ذمہ داری کا احساس کہیں کہیں دب کر رہ گیا اور یہی وجہ ہے کہ 'فرہنگ آصفیہ' کی بہت سی معنوی خامیاں اس لغت میں بھی در آئی ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ کسی فردِ واحد سے اتنی ضخیم لغت کی تدوین کے سلسلے میں اس سے زیادہ بہتر کام کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

جامع اللغات

"نوراللغات" مولفہ مولوی نورالحسن نیر کاکوری کی تدوین (۳۱-۱۹۲۴ء) کے دوران ہی لاہور کے خواجہ عبدالمجید نے 'جامع اللغات' کے نام سے ایک مبسوط لغت کی تدوین کا کام شروع کیا۔ انھوں نے اس لغت کو ۱۹۳۲ء میں چھوٹے چھوٹے حصوں میں شائع کرنا شروع کیا جو بالآخر ڈھائی سال کے عرصہ میں ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوئی۔ یہ لغت اب چار جلدوں میں دستیاب ہے۔

اندراجاتِ لغت

'جامع اللغات' کے اندراجات کی نوعیت کے بارے میں سرسری طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں 'فرہنگ آصفیہ' اور 'نوراللغات' اور پھر 'جامع اللغات' کے بعد ایک دوسری لغت 'مہذب اللغات' میں سارا لسانی سرمایہ شامل نہیں کیا جا سکا ہے، وہیں 'جامع اللغات' غیر ضروری اور کافی حد تک غیر اردو اندراجات سے مملو نظر آتی ہے نہ صرف یہ کہ اردو کے لیے اجنبی، عربی اور فارسی الفاظ بکثرت شامل کیے گئے ہیں بلکہ کافی تعداد میں سنسکرت کے بھی ایسے ——— الفاظ ملتے ہیں جن کا اردو زبان سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ بہتر ادیہ کہ یہ لغت اسماء و اعلام

متعارفہ وغیرہ متعارفہ کا بھی مجموعہ بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ دنیا کے تمام جغرافیائی علاقوں، شہروں، تحصیلوں اور مشہور قصبوں تک کے نام اس لغت میں شامل کیے گئے ہیں۔ مثلاً علی گڑھ بھی ہے اور ضلع علی گڑھ کا ایک قصبہ "ہردوا گنج" بھی۔

اس لغت کے غیر ضروری اندراجات کے سلسلے میں بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی اس رائے سے ڈاکٹر مسعود حسین کو پورا اتفاق ہے کہ:

"صرف اردو زبان کی لغت نہیں بلکہ اردو، ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی سب زبانوں کا ملغوبہ ہے۔"[1]

اور پروفیسر مسعود حسین کے بقول اس میں بیشتر الفاظ اسٹینگاس اور پلاٹس کی ڈکشنری سے جوں کے توں نقل کر دیے گئے ہیں۔ اس لغت کے ایک حصے کے اندراجات مثال کے طور پر پیش ہیں:

اُونتی (ترقی یافتہ، کامیاب)، اڈّا، اڈا (ایک دیوی)، اڈامیو (امریکہ کی ایک ریاست ....)، اڈر/اڈر (مٹی کی اڈا اور نالی)، اڈراسٹس (ٹالیس شاہ اڈرس کا لڑکا تھا....)، اڈورڈ (شاہ انگلستان)، اڈریاٹک (بحیرۂ اٹلی کے مشرق میں.....)، اڈریانوپل (ایک ولایت ترکی میں.....)، اڈرین (نام کے چھ پوپ ہوئے ہیں)، اڈسٹا (اندازہ)، اڈگ (ثابت قدم)، اڈگر (انگلستان میں ایک بادشاہ)، اڈسٹس (شاہ فرس کا بیٹا)، اڈمیشن (داخلہ)، اڈسٹنس (انگلستان کا ایک شہر)، اڈمنڈ (انگلستان کے بادشاہ)، اڈنبرا (اسکاٹ لینڈ یارڈ کا دارالخلافہ)، اڈنا (اڑنا)، اڈو/اڈو (آوارہ عورت)، اڈوا ڈول کرنا، اڈوپ اڈو (انگلستان کے دس بادشاہ ہوئے ہیں)[2]

سابق الذکر اندراجات سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ 'جامع اللغات' کے سلسلے میں مولوی عبدالحق اور پروفیسر مسعود حسین کی رائے کتنی صائب ہے۔ ایسا معلوم

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو۔ جلد اول ص۳۲۰۔ کراچی۔ ۱۹۷۳ء
[2] جامع اللغات۔ جلد اول ص۳۔ جامع اللغات کمپنی لاہور۔ ۱۹۳۰ء

ہوتا ہے کہ اس لغت کے پہلے حصے کی اشاعت[1] پر بعض حضرات نے اس کے اندراجات کی اس نوعیت پر یقیناً اعتراض کیا ہوگا۔ اس لیے مولف لغت کا پہلی جلد کے دوسرے حصے میں یہ کہنا ہے کہ:

"بعض حضرات نے جامع اللغات کو اس لیے ناپسند کیا ہے کہ اس میں سنسکرت اور ہندی زبانوں کے الفاظ زیادہ ہیں ..... لیکن وہ

ع: عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

کی روشنی میں ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ

ع: معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است"

اردو کے لغت تو اور بھی مل جائیں گے لیکن ایسا لغت جس میں ہندی اور سنسکرت کے ضروری الفاظ کا بھی بڑا ذخیرہ موجود ہو، کوئی نہیں ملے گا۔ اس لیے اس لغت کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے ..... آج کل ہندو جرائد و رسائل میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو ان کے معانی کسی لغت میں نہیں مل سکتے[2]

اس میں شک نہیں کہ اس لغت [illegible] ہندی اور سنسکرت الفاظ کی بھرمار کے سلسلے میں مولفِ لغت نے زوردار مقدمہ پیش کیا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اگرچہ مولفِ لغت نے ہندی الفاظ کی کثر[illegible] کے سلسلے میں ہندو جرائد و رسائل کا جواز پیش کیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس لغت میں عام استعمال کے ہندی الفاظ شامل کرنے کی

---

[1] جلد چہارم کے آخر میں مولفِ لغت خواجہ عبدالمجید کا کہنا ہے کہ۔

"ابتدا میں ہمارا ارادہ [illegible] کہ ۲۲ حصے دو سال کے اندر میں شائع کریں لیکن بعد کو حالات کا رخ دیکھتے ہوئے ارادہ بدل گیا اور دو دو حصے ماہوار شائع کرنا شروع کر دیے پہلا حصہ جنوری [illegible] میں شائع ہوا تھا اور یہ آخری حصہ جنوری [illegible] ۱۹۲۵ء میں قارئین کرام کی خدمت میں پہنچ رہا ہے"

جامع اللغات جلد چہارم ص ۱۷ ۔ جامع اللغات پبلشنگ کمپنی لاہور [illegible] ۱۹۲۴ء

[2] " " حصہ دوم [illegible] " " ۱۹۳۲ء

بجائے لغات سے ہی الفاظ نقل کر دیے گئے ہیں اور اس سلسلے میں خالصۃً غیر ہندی قسم کے سنسکرت اور ہندی الفاظ میں بھی کوئی امتیاز قائم نہیں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

ارن :۔ (س) کے معنی نمبر ۱ (سورج) سے لے کر معنی نمبر ۱۵ (گونگا) تک دینے کے بعد اس کے یہ ذیلی اندراجات بھی درج لغت کیے گئے ہیں۔

ارُناتج :۔ (مذ) جٹایو کا نام) ارُنا گرج (مذ) ارن کا پہلا بیٹا ارنیسر یا (مث) ایک اپسرس کا نام ارنتولا ضافت سرخ رنگ) ارن جیوتش (مذ شیوجی) ارن سِکھا (مذ مرپرندہ) ارلوپل (سرخ مائل بھورا) وغیرہ وغیرہ۔[1]

ہو سکتا ہے کہ ان میں سے دو ایک الفاظ کسی ہندی زدہ اردو کتاب میں شامل ہو گئے ہوں۔ مگر ان کے اس شاذ و نادر استعمال کی بنیاد پر انھیں درج لغت کرنا کسی طور پر مناسب معلوم نہیں ہوگا۔ "جامع اللغات" کے غیر ضروری بلکہ سقم کی حد تک غیر اردو اندراجات کا اندازہ اس کے ایک کالم کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے:۔

ارجیان (ف)۔ ایک شہر) ارخشنر (ف۔ ایک ایرانی پیغمبر) ارفض (ع۔ رافضی کی جمع) ارفع (ع۔ رفیع کی تفضیل) ارنام (ع۔ مذکر) ارتان (ع۔ یرقان) ارقم (ع۔ ایک عرب قبیلہ) ارقم (ع۔ مذکر عبداللہ بن ـــ) ارقند (ف۔ ارگ س۔ سورج) وغیرہ وغیرہ[2]

یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ اندراجاتِ لغت کے تعین کے سلسلے میں جامع اللغات میں روا رکھی گئی یہ افراط و تفریط کسی ایک زبان کے ہی الفاظ کے سلسلے میں نہیں بلکہ تینوں بنیادی زبانوں عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کے سلسلے میں بھی یکساں طور پر

---

[1] جامع اللغات۔ جلد اول۔

[2] " " " ۔ صفحہ ۱۹۱۔ جامع اللغات کمپنی لاہور

یہی صورت حال ملتی ہے۔ 'جامع اللغات' کے ایک کالم میں عربی کے یہ الفاظ درج کیے گئے ہیں:۔

مُحی / مُحی الدین / مُخیر / مُخبر العقول / مُحیط / مُخیل / مُخیمرہ / مُجی / مُحی لاری / مُج / مُج البقق / مُحان / مُحاتل / مُحایلت / مُخادع / مُخادم / مُخاصمہ / مُخاطرہ / مُخانات / مُخالفت / مُخالف وغیرہ [1]

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مولف 'جامع اللغات' نے ہندی (سنسکرت) فارسی اور عربی لغات سے الفاظ اخذ کرتے ہیں کسی احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔ ان دونوں مثالوں میں صرف دو یا تین الفاظ ہی ایسے ہوں گے جو اردو سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس لغت میں اندراجات کے سلسلے میں ایک دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ اگرچہ ترتیب کے لحاظ سے مفردات کو بنیاد بنا کر تمام مرکبات اور محاورات کو اس کے ذیل میں ہی درج کیا گیا ہے مگر مختلف الاصل الفاظ کو الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، سان (ہ۔ نشان) سان (ف۔ تیز کرنے کا پتھر[2]) کو الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح ننگ (ف۔ شرم) اور ننگ (ہ۔ ننگا[3]) کے اندراجات الگ الگ ملتے ہیں۔

'جامع اللغات' میں جہاں مرکبات و محاورات کو مفردات کے تابع رکھا گیا ہے وہیں امثال و اقوال کو اسی عنوان سے الگ درج لغت کیا گیا ہے۔ بمثال کے طور پر بھجات[4] ابہا دری[5]۔ خر (گدھا[6]) وغیرہ کی امثال و اقوال، اس کے

---

[1] جامع اللغات جلد چہارم ص ۱۲۰۲۔ جامع اللغات کمپنی لاہور
[2] // جلد سوم ص ۲۹۵ // - //
[3] // جلد چہارم ص ۱۴۱۷ // - //
[4] // جلد اول ص ۵۲۵ // - //
[5] // // ص ۵۲۶ // - //
[6] // جلد دوم ص ۵۷۶ // - //

مفردات و مرکبات کے بعد الگ سے درج لغت کیے گئے ہیں۔

اس لغت میں جہاں غیر اردو لغات کی بھرمار کا سقم سامنے آتا ہے وہیں عام اور اہم استعمال درج لغت نہیں کیے گئے ہیں تاہم یہ بھی کہا جائے گا کہ نقلِ لغت کے طفیل میں اس میں کچھ ایسے اہم[1] الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں جو دوسری لغات میں نہیں ملتے[2]

بہرحال اس لغت کا کمزور ترین پہلو اس کی غیر اردو اصطلاحات ہیں۔ اگر مولف نے اندراجات کے تعین کے سلسلے میں تھوڑی سی احتیاط سے کام لیا ہوتا تو یہ یقیناً بہت اہم لغت ثابت ہوتی۔ یہاں پر اس لغت کے سلسلے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی رائے بھی محلِ نظر ہے:۔

"جامع اللغات کی پہلی جلد میں نے دیکھی ہے۔ میری رائے میں مصنف نے اردو زبان کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ "جامع اللغات" معنوی اور ظاہری خوبیوں کی جامع ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اردو کی ترقی میں دلچسپی لینے والے اس کی پوری قدر کریں گے۔"[3]

اقبال کے اس اقتباس میں لفظ "معنوی" قابلِ غور ہے۔

تلفظ اور ترتیبِ اندراج

اس لغت میں بھی نور اللغات کی ہی طرح اگرچہ تلفظ کی نشان دہی اعراب کے ذریعے ہی کی گئی ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ جہاں "نور اللغات" میں جستہ جستہ اندراجات کا تلفظ توضیحی طریقے پر اور ہم وزن (مساوی الحرکات) الفاظ کے ذریعے بھی واضح کیا گیا ہے "جامع اللغات" میں ایسی صورت نہیں ملتی۔ البتہ جہاں کہیں کسی لفظ کے اردو تلفظ اور اصل زبان کے تلفظ میں فرق پیدا ہو گیا ہے اس کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ مثلاً ؛

---

[1] اس میں ماجرا۔ ماجنا، مانجھنا جیسے الفاظ نہیں ملتے (جلد چہارم)

[2] مثال کے طور پر اسی میں (ایک جنت کا بیل ملتا ہے جو دوسری لغات میں موجود نہیں۔ صفحہ ۱۱

[3] جامع اللغات - جلد دوم - صفحہ ۲۴ - جامع اللغات کمپنی لاہور

مسامّ (ع) مذکر۔ عربی میں بہ تشدیدِ میم ثانی اور مسم کی جمع ہے جو اردو
میں استعمال نہیں ہوتا۔[1]

مگر تلفظ سے بحث کے مثالیں اس لغت میں خال خال ہی ملتی ہیں۔

اصل اور مآخذِ لسانی

سابق الذکر لغات کی ہی طرح اس میں بھی اندراجات کی اصل یا ان کے مآخذ لسانی کی نشان دہی کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر اردو میں دخیل لفظ کی اصل ہیئت یا معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے تو اسے اصل زبان سے ہی منسوب کیا گیا ہے، اور اگر اس میں کوئی معنوی یا صوری اختلاف یا تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، تو اسے اردو ہی لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراج "مزلّف" (زلفوں سے گھرا ہوا، زلفوں والا) کو اسے پہلے تو اردو[2] اور صفت لکھا گیا ہے، پھر اس کے بعد اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> "عربی میں زلف بالوں کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا اور زلف کے معنی لمبا کرنا ہیں۔ زلف سے مزلّف ہندیوں کی ایجاد معلوم ہوتی ہے۔ فارسی میں مزلّف ہے۔ فارسی زلف عربی زلف سے مشتق معلوم نہیں ہوتا۔"[3]

اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولف 'جامع اللغات' کو اپنے متقدمین کے اس طریق کار سے اتفاق ہے کہ اردو لغت میں اصل کے اعتبار سے اسی لفظ کو اردو قرار دیا جائے گا جسے اردو یا ہندی نے اپنے طور پر کسی صوری یا معنوی تبدیلی کے ساتھ اپنایا ہے، بصورت دیگر الفاظ کو ان کی اصل زبان

---

[1] جامع اللغات - جلد چہارم - صـ [illegible] - جامع اللغات کمپنی لاہور

[2] ایک دوسری مثال، دیوانی (پاگل) کی ہے۔ جہاں دیوانہ کو ف (فارسی) لکھا گیا ہے وہیں اس کے فوراً بعد دیوانی کو اردو لکھا گیا ہے۔ (جلد سوم صـ [illegible])

[3] جامع اللغات - جلد چہارم - صـ [illegible] - جامع اللغات کمپنی لاہور

سے ہی منسوب کیا جائے گا۔ چنانچہ اس لغت میں بھی، فارسی الاصل الفاظ کو "ف" (فارسی) اور عربی الاصل الفاظ کو (ع۔ عربی)، سنسکرت الاصل الفاظ کو "س" (سنسکرت) اور ہندی الفاظ کو ہ (ہندی) لکھا گیا ہے۔ گویا اس طرح سنسکرت کے وہ الفاظ جو اردو یا ہندی میں اپنی اصل (تت سم) شکل کی بجائے ابھر نش (تت بھو) شکل میں استعمال ہوئے ہیں انھیں اصل زبان سے منسوب کرنے کی بجائے ہندی لکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس لغت میں عربی الاصل الفاظ کی اصل کی طرف اشارہ اگرچہ علامتی حرف ع سے کر دیا گیا ہے مگر آخر میں اس کے مادہ کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "مجہول" کی قواعدی نوعیت اور معنی کی وضاحت کے بعد قوسین میں لکھا گیا ہے (جہل: ناواقف ہونا) اسی طرح تقریباً تمام عربی الاصل الفاظ کا مادہ آخر میں دینے کی کوشش کی گئی ہے، اور لغوی معنی بھی دے دیے گئے ہیں۔ مثلاً محلول (حل۔ گھولنا)، مروّج (روج۔ کسی چیز کو ...)، مجوّف (جوف۔ کھوکھلا ہونا ...) وغیرہ۔ (جلد چہارم ص ۴۷۵)

اس میں کہیں کہیں عربی الفاظ کے فارسی استعمال سے بھی بحث کی گئی ہے مثال کے طور پر "رقم" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"عربی میں یہ لفظ نہیں۔ ایرانیوں نے فعال کے وزن پر گھڑ لیا ہے (رقم۔ لکھنا)"[1]

اگرچہ مولفِ لغت نے خود اس لفظ کو شروع میں عربی لکھا ہے اور آخر میں اس کا عربی مادہ (رقم) بھی دے دیا ہے مگر اسے فارسیوں کی اختراع بتایا گیا ہے اسے فارسیوں کی اختراع اس لیے نہیں کہا جائے گا کہ اول تو اصلاً عربی ہے اور جس معنی میں اسے فارسیوں کی اختراع بتایا گیا ہے وہ بھی عربی وزن اور صرف و نحو کے مطابق ہی ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اسے مذکورہ معنی کے لحاظ سے فارسی لکھنا چاہیے تھا نہ کہ اصل کے اعتبار سے۔

---

[1] جامع اللغات، جلد اول ص ۱۲۹

اس لغت میں عبرانی اور یونانی کے دخیل الفاظ کی اصل کی بھی حتی الامکان نشان دہی کی گئی ہے۔ چند مثالیں:۔

مالیخولیا (....یونانی) اصل مالنکولیا [1]

"جامع اللغات" کے سلسلے میں بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی یہ رائے کسی حد تک صحیح ہونے کے باوجود بھی قابل غور ہے کہ

"الفاظ اور محاورات کے استعمال کے لیے کہیں کوئی سند نہیں دی ہے اور نہ الفاظ کی اصل کی تحقیق کی ہے۔" [2]

کیوں کہ اس رائے کا پہلا حصہ بالکل درست ہے کہ اس میں الفاظ و محاورات کے استعمال کی سند نہیں دی گئی ہے مگر اس کا دوسرا حصہ کہ :

"اور نہ الفاظ کی اصل کی تحقیق کی ہے۔"

قابل قبول نہیں کیوں کہ اس لغت میں ہندی الفاظ کی سنسکرت اصل اور عربی الفاظ کی عربی اصل جا بجا واضح طور پر دی گئی ہے چند مثالیں پیش ہیں:۔

۱۔ چھبھ (ہ - امر چھپانا کا) (س۔ کشبھ۔ ہلانا) [3]

۲۔ چپانا۔ (شرمندہ کرنا) (س۔چپ۔ گوندھنا) [4]

۳۔ چیٹ۔ (ہ) (س۔چپٹ) [5]

۴۔ سستا (ہ۔صفت) (س سرنس۔گرنا) [6]

۵۔ کان (ہ) (س۔ کرن) [7]

---

[1] جامع اللغات جلد چہارم۔ ص۲۱۵ جامع اللغات کمپنی لاہور

[2] مقدمہ لغت کبیر اردو۔ ص۴۷۵ انجمن ترقی اردو۔ کراچی (۱۹۷۳ء)

[3] جامع اللغات جلد دوم ص۳۴۷ جامع اللغات کمپنی لاہور

[4] 〃 〃 ص۳۳۷ 〃 〃 〃

[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[6] 〃 جلد سوم ص۲۹۰ 〃 〃 〃

[7] 〃 جلد چہارم ص۲۲۷ 〃 〃 〃

۶۔ کانپ (ہ) س۔کپ۔کانپنا۔ [1]

۷۔ کانٹا (ہ) س۔کنٹک۔ [2]

چند مثالیں عربی الاصل الفاظ سے :۔

۱۔سڑک۔س (عربی۔شرک سے) [3]

۲۔شماتت۔(ع۔شمت۔دشمن کے نقصان پر خوش ہونا) [4]

۳۔شکایت۔(ع۔شکو۔شکایت کرنا) [5]

۴۔قاش۔(ع۔قلع۔تقسیم کرنا)۔ [6]

۵۔ فتح۔(ع۔فتح۔کھولنا) [7]

ان مثالوں کی روشنی میں بابائے اردو کی رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس لغت میں تمام اندراجات کی اصل نہیں بتائی گئی ہے۔

قواعدی نوعیت اور ادبی ولسانی حیثیت

اس لغت میں چوں کہ قواعدی نوعیت اور ادبی ولسانی حیثیت کی نشاندہی دوسری لغات کے مقابلے میں زیادہ صحیح طریقے پر کی گئی ہے اس لیے اس کے اس حصہ کو اس لغت کا سب سے اہم حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔مولفِ لغت نے اسم کے تحت اس کے تمام نحوی اسماء اور ان کے معنی کی وضاحت مثال کے ساتھ ساتھ جس طرح کی ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا

[1]	جامع اللغات	جلد چہارم	ص۹۵	جامع اللغات	کمپنی لاہور
[2]	〃	〃	ص۹۵	〃	〃
[3]		جلد سوم	ص۳۹۰	〃	〃
[4]	〃	〃	ص۳۹۵	〃	〃
[5]	〃	〃	ص۵۰۱	〃	〃
[6]	〃	〃	ص۶۳۰	〃	〃
[7]	〃	〃	ص۶۳۱	〃	〃

ہے کہ انھیں عربی و فارسی صرف و نحو کا پورا علم تھا اور پھر اس کا اظہار ان کی اس لغت میں اس طرح بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اسمائے صفات اور اسم میں واضح فرق کو محسوس کرتے ہوئے کہیں بھی اسم کو صفت یا صفت کو اسم نہیں لکھا ہے۔ اسی طرح صفت اور تابع فعل کے فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہوئے صفت کو صفت اور تابع فعل کو تابعِ فعل ہی لکھا ہے جیسا کہ فرہنگ آصفیہ' اور 'نوراللغات' سے متعلق بحث کے ضمن میں کہا جا چکا ہے کہ ان دونوں لغات کے مولفین نے ساتھ، سمیت اور سنگ کے مختلف نحوی اور لغاتی معنوں میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا ہے اور آصفیہ میں ساتھ اور سمیت دونوں کو صرف تابع فعل لکھا گیا ہے جب کہ نوراللغات[4] میں سمیت کی قواعدی نوعیت کے بارے میں تو سکوت اختیار کیا گیا ہے مگر اس کے مترادفات ساتھ کو صرف اسم بتایا گیا ہے۔ 'فرہنگ آصفیہ' اور 'نوراللغات' کے برخلاف 'فیروز اللغات' میں اسے اسم یا تابع فعل بتانے کی بجائے اس کے صرف صفت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اس صورت حال کے برخلاف جامع اللغات[1] میں "ساتھ" کو رفاقت کے معنی میں واضح طور پر اسم اور ہمراہ اور سنگ کے معنی میں تابع فعل لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ساتھ کے مترادف سمیت کو واضح طور پر تابعِ فعل بتایا گیا ہے[2]

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اندراجاتِ لغت کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں مولفِ لغت کا ذہن بالکل صاف ہے مگر ایک بات ضرور کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں عربی صرف و نحو کو ہی معیار بنایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مولفِ لغت کو عربی اور فارسی صرف و نحو پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ چنانچہ اس لغت میں بیشتر اندراجات کی قواعدی نوعیت اردو استعمال کی

---

1. جامع اللغات جلد سوم ص۱۰۲۸ جامع اللغات کمپنی لاہور
2. " " " ص۲۹۸ " "

بجائے عربی بنیاد پکڑی گئی ہے۔ مثلاً:

مجہول / معلول / مروّج / مرہون[1] جیسے ان تمام عربی الاصل الفاظ کو جو مفعول کے وزن پر ہیں اس لغت میں اسم مفعول لکھا گیا ہے۔ جب کہ ان کو اردو قواعد، خاص طور پہ لغت نویسی کے اب تک کے اصول کے مطابق، اسم مفعول کی بجائے صفت لکھا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح مستعدی، منحرف جیسے ان تمام الفاظ کو، جو عربی نحو کے لحاظ سے صیغۂ فاعل سے تعلق رکھتے ہیں، اس لغت میں اسم فاعل لکھا گیا ہے۔[2]

تاہم اس لغت میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ لفظ کی معنوی نوعیت کے مطابق ہی اس کی قواعدی نوعیت بتائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر اگرچہ مجہول کے پہلے معنی (اسم مفعول) کے مطابق اسے مفعول (دیا دوسرے لفظوں میں) صفت بتایا گیا ہے مگر اصطلاحی معنی کے لحاظ سے اسے آگے چل کر اسم مذکر بھی لکھا گیا ہے کیوں کہ علم نحو میں مجہول ایک اسمی معنی بھی رکھتا ہے[3]۔ اسی طرح مولفِ لغت نے "موافق" کو پہلے اسم فاعل قرار دیا ہے اور پھر اس کے دوسرے معنی (حسب، بہ حکم) کے لحاظ سے اسے تابع فعل قرار دیا ہے۔ "مطابق" کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

---

[1] جامع اللغات۔ جلد چہارم ص ۴۶۹ تا ص ۵۱۷

[2] ایضاً ص ۵۲۷ تا ص ۵۹۸

مجاز اور مجوّف کو بھی اس لغت میں صفت کی بجائے اسم مفعول ہی بتایا گیا ہے جلد سوم ص ۳۴۲

[3] یہاں پر مولفِ لغت نے مجہول کے اسمی معنی کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

(مذ) وہ فعل جس کا فاعل نامعلوم ہو، واؤ کا نام جب اس کی آواز اس طرح نکلے جیسے کو، میں، ی کا نام جب اس کی آواز اس طرح نکلے جیسے کے یا گئے میں۔ (جلد چہارم ص ۴۷۶)

دراصل اس تعریف کے لحاظ سے بھی مجہول اسم کی بجائے صفت ہی قرار پاتا ہے کیوں کہ یہ اس تعریف کے لحاظ سے بھی، کسی فعل یا حرفِ علت (مصوتہ) کی ہی کسی صفت کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں اندراجات کے دوسرے معانی کے لحاظ سے مولف نے انھیں تابعِ فعل بتایا ہے۔ کلموں کی نحوی تقسیم کے لحاظ سے تابع فعل بہت جدید اور انگریزی قواعد سے ماخوذ اصطلاح ہے کیوں کہ جس طرح عربی اور فارسی کے برعکس، انگریزی میں کلموں کو جدید طور پر اسم، فعل، تابع فعل، اور صفت میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اسی طرح اردو میں بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولفِ لغت نے کہیں عربی نحو کا طریقہ اور کہیں اردو نحو کا طریقہ کیوں اختیار کیا ؟

بہرحال اس میں شک نہیں کہ اس لغت میں اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی اس سے پہلے کی لغات کے مقابلے میں زیادہ بہتر طریقہ پر کی گئی ہے۔ اس کی دو مثالیں اور دیکھیے۔

ثالث اور ثانی، کو ان کے پہلے معنی کے لحاظ سے صفت اور دوسرے معنی (ثالث: پنچ، منصف) اور (ثانی: دوسرا شخص۔ نظیر، مثال) کے لحاظ سے انھیں اسم مذکر لکھا گیا ہے[1]

البتہ اندراجات کی تذکیر و تانیث کے سلسلے میں مولف کے ساتھ اختلافِ رائے کی بہت گنجائش ہے۔ کیوں کہ جہاں "فرہنگِ آصفیہ" اور "نور اللغات" اور پھر ان کے بعد "مہذب اللغات" میں تذکیر و تانیث کے مقامی فرق (دلّی، لکھنؤ) کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس لغت میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی اور بعض اندراجات کی تذکیری یا تانیثی نوعیت اس طرح بتائی گئی ہے جو قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اس لغت میں مرہم کو مونث[2] یا ماپ (پیمائش) کو مذکر[3] بتایا گیا ہے۔ چند اور مثالیں:-

آز:- کی قواعدی نوعیت کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] جامع اللغات۔ جلد دوم صـ۲۲۱۔ جامع اللغات کمپنی۔ لاہور

[2] " " ۔ جلد چہارم صـ[illegible]۔ " "

[3] " " " صـ[illegible] " "

[4] " " جلد اول صـ۱۷۷ " "

اِس :- کو حرف اشارہ بتانے کی بجائے، اسمِ اشارۂ قریب[1] لکھا گیا ہے جو کہ عربی نحو ہے۔ اسی طرح

اُس :- کو بھی حرف اشارہ بتانے کی بجائے اسمِ اشارۂ بعید بتایا گیا ہے[2]

وہ :- کو بھی حرفِ اشارہ بتانے کی بجائے ضمیر غائب بتایا گیا ہے (عربی نحو)[3]

"فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" کی ہی طرح اس لغت میں بھی محاورات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی، فعل لازم اور فعل متعدی کی شکل میں کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر

(الف) بھاپ بھرانا۔ (متعدی) پرندوں کا بچوں کو چونچ سے ہوا دینا۔

(ب) بھاپ نکالنا۔ (متعدی) شکایت کرنا، غبار نکالنا وغیرہ[4]

معنوی وضاحت

اس لغت میں اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی اور معنوی وضاحت سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولفِ لغت نے ان دونوں باتوں کے سلسلے میں بھی متداول عربی و فارسی لغات سے اتنا ہی استفادہ کیا ہے جتنا کہ اندراجات کے سلسلے میں۔ یہی وجہ ہے کہ اس لغت میں معنوی وضاحت کی وہ بوالعجبیاں نہیں ملتیں جن کا بکثرت مشاہدہ "آصفیہ" اور "نور اللغات" اور ان کے بعد تہذیب اللغات میں ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مولفِ لغت نے معنوی وضاحت میں اپنی رائے کو دخیل ہونے نہیں دیا ہے اور جس لغت کے جو معنی انھیں زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے اسے انھوں نے نقل کر دیا۔ گویا انھوں نے "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" کے مولفین کے برخلاف

---

[1] جامع اللغات - جلد اول صفحہ ۱۵۱ - جامع اللغات کمپنی - لاہور

[2] 〃 〃 - 〃 صفحہ ۱۸۱ - 〃 〃

[3] 〃 〃 - جلد چہارم صفحہ ۸۱ 〃 〃

[4] 〃 〃 - جلد اول صفحہ ۵۳۵ 〃 〃

خود کو تنقیدِ لغت سے دور رکھا۔ دونوں سابق الذکر مولفین کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ دونوں تحقیقِ لغت سے زیادہ دلچسپی تنقیدِ لغت میں رکھتے ہیں۔ جب کہ مولفِ جامع اللغات نے اپنی لغت کے نام کی مناسبت سے، خود کو تنقیدِ لغت سے دور رکھتے ہوئے صرف اخذِ لغت تک محدود رکھا ہے۔

ان کے بعض اندراجات کے معانی سے ایک احساس یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ موصوف معنیٰ کا تعین کرنے کی بجائے کسی دوسری زبان سے معنیٰ کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان کا "مجہول" کی وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھنا :-

۱- وہ فعل جس کا فاعل نامعلوم ہو،

۲- واؤ کا نام جب اس کی آواز اس طرح نکلے جیسے کوئیں میں۔

۳- یے کا نام جب اس کی آواز اس طرح نکلے جیسے کے یا گئے میں [1]

ے

مجازی کی یہ تعریف کرنا۔

"وہ کلمہ جو اپنے حقیقی معنی کے علاوہ اور معنوں میں استعمال ہو۔ جیسے مٹی کے اصل معنی خاک اور مجازی معنی موت" [2]

سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مولفِ لغت نے کسی دوسری زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہر حال اس لغت میں معنوی وضاحت کی کوشش زیادہ درست طریقے پر کی گئی ہے۔ معنوی وضاحت کے سلسلہ میں چند باتیں عرض ہیں۔

اس لغت میں بیشتر اندراجات کے معنی مترادفات کی شکل میں دیے گئے ہیں اور کہیں کہیں وضاحتی طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔ مترادفات کے سلسلے میں کہیں کہیں بے احتیاطی بھی ملتی ہے۔ مثال کے طور پر مولفِ لغت نے "فرہنگ آصفیہ" "نوراللغات" اور دوسری لغات کا اتباع کرتے ہوئے "ساخت" کے پانچویں

---

[1] جامع اللغات جلد چہارم ص ۴۶۷

[2] " " " ص ۴۶۲

اور چھٹے معنی ــــ ریاکاری اور ظاہر داری[1] بھی لکھ دیے ہیں۔ اسی طرح پاس (انگریزی) کے معنی کامیابی، بہرہ مندی اور "ثبت"[2] کے معنی دوام، قیام، برقرار دیے گئے ہیں۔ اول تو ان دونوں اندراجات (پاس، ثبت) کو اسم لکھا گیا ہے۔ جب کہ یہ دونوں صفت ہیں اور پھر ان کے معنی بھی اسمی دیے گئے ہیں۔

اس لغت میں بھی صفتی معنی سے اسمی معنوں کے استنباط کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

ارنا[3]:- (۱) جنگلی (۲) جنگلی بھینسا (۳) موٹا کالا آدمی (۴)

اس میں پہلے معنی صفتی ہیں اور مولف نے پہلے معنی کے تعلق سے اسے صفت ہی بتایا ہے۔ مگر نقلِ لغت کا شکار ہو کر اسے دوسرے معنی کے لحاظ سے پہلے تو اسم قرار دیا ہے اور پھر اس کے اسمی معنی نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے تحت دے ڈالے۔ جب کہ کالے آدمی یا بھینسے کے لیے تنہا ارنا استعمال نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آگے چل کر ارنا اپلا اور ارنا بھینسا کے علاحدہ اندراجات بھی ملتے ہیں۔[4]

یہ صورت حال محض نقلِ لغت کا نتیجہ ہے اور ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی 'فرہنگ آصفیہ' سے لے کر ترقی اردو بورڈ، پاکستان کی زیرِ اشاعت 'اردو لغت' تک کی تمام لغات میں دوہرائی گئی ہے۔

مجموعی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس لغت میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں بھی سابقہ لغات، خصوصاً 'نور اللغات' کا ہی اتباع

---

[1] جامع اللغات۔ جلد سوم ص ۱۹۷۰ جامع اللغات کمپنی لاہور۔

[2] " " ۔ جلد دوم ص ۱۱ " "

[3] " " " ص ۳۱۹ " "

[4] " " ۔ جلد اول ص ۱۸۱ " "

کیاگیا ہے اور "فرہنگ آصفیہ"، نیز "نوراللغات" کے ہی معنی کسی تحقیق کے بغیر جوں کے توں نقل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر "بات" کے وہ تمام معانی اسی ترتیب کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں جس طرح کہ "فرہنگ آصفیہ" اور "نوراللغات" میں ملتے ہیں۔

---

[1] جامع اللغات۔ جلد اول ص۳۶۵ جامع اللغات کمپنی لاہور (۱۹۳۳)

اردو۔اردو لغت نویسی کا دورِ سوم

(الف) فرہنگ اثر

سابقہ باب میں ان دو لغات کا جائزہ لیا گیا ہے جو بیسویں صدی کے نصف اول بلکہ دس سال کے مختصر عرصے میں یکے بعد دیگرے سامنے آئیں[1]۔ ان دونوں لغات کو اردو۔اردو لغت نویسی کے دور دوم سے منسوب کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک طرف تو یہ دونوں لغات اس علاقائیت[2] سے بُری طرح متاثر ہیں جس کا احساس فرہنگِ آصفیہ میں بہت کم ہوتا ہے۔ آصفیہ کی تشکیل میں انیسویں صدی کے آخر میں اردو۔اردو لغت نویسی کا ایک باقاعدہ اور ٹھوس ڈھانچہ تیار ہو گیا تھا۔

اس باب میں جو کہ اردو۔اردو لغت نویسی کے دورِ سوم سے منسوب ہے، ان لغات کا جائزہ لیا جا رہا ہے جن کی تدوین کا آغاز بیسویں صدی کے نصف اول سے ہوا۔ ان میں صرف ایک یعنی "مہذب اللغات" ہی تکمیل تک

---

[1] نور اللغات کی تدوین و اشاعت کا زمانہ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۱ء اور جامع اللغات کی تدوین و اشاعت کا زمانہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۵ء ہے۔

[2] نور اللغات میں لکھنؤ کی زبان کو معیار بنایا گیا ہے، جب کہ جامع اللغات کو تیسرے اسکول پنجاب سے منسوب کیا جاتا ہے۔

پہنچ پائی ہے[1]۔ "فرہنگ اثر" باقاعدہ لغت ہونے کے بجائے دو سابقہ لغات، "سرمایۂ زبان اردو" اور "نور اللغات" کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ پاپائے اردو کی لغت، "لغت کبیر اردو" کی تدوین کا سلسلہ اگرچہ پروفیسر مسعود حسین کے بقول اور سید ہاشمی فریدآبادی کی روایت کے مطابق ۱۹۵۳ء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ مگر اس کی صرف پہلی جلد ہی ۱۹۷۳ء میں پاکستان (کراچی) سے شائع ہو سکی ہے۔ البتہ اس لغت کے منصوبے کی بنیاد پر ترقی اردو بورڈ پاکستان (کراچی) اور اب اردو لغت بورڈ پاکستان کی طرف سے "اردو لغت" کے نام سے ایک جامع لغت کی تدوین اور اشاعت شروع ہو چکی ہے اور اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ترقی اردو بورڈ ہند کی طرف سے دس گیارہ سال سے ایک جامع اور مبسوط لغت کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ابتدا میں اس لغت کی تیاری کا کام پانچ ایڈیٹروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ لیکن برسوں بعد بھی جب اس کام میں خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو سکی تو ۱۹۸۳ء سے یہ کام تن تنہا پروفیسر مسعود حسین کو سونپ دیا گیا ہے۔ موصوف اس لغت کی جلد (جلد سوم) مکمل کر چکے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان لغات کا بھی تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

اگرچہ "مہذب اللغات" کی تدوین اور پھر اشاعت (۱۹۵۸ء) کا سلسلہ "فرہنگ اثر" کی اشاعت (۱۹۷۱ء) سے پہلے شروع ہو چکا تھا مگر یہاں "فرہنگ اثر" کا ذکر "مہذب اللغات" سے اس لیے پہلے کیا جا رہا ہے کہ یہ ایک تو کوئی باقاعدہ لغت ہونے کی بجائے، دو سابقہ لغات "سرمایۂ زبان اردو" (مولفہ سید ضامن جلال لکھنوی ۱۸۸۶ء) اور "نور اللغات" (مولفہ نور الحسن نیر کاکوروی ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۱ء) کا ناقدانہ جائزہ ہے اور دوسرے یہ کہ آثر لکھنوی نے اپنی اس فرہنگ میں "سرمایۂ زبان اردو" اور "نور اللغات"

---

[1] مجوزہ چودہ جلدوں میں تیرہ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ صرف "ی" کی تقطیع باقی رہ گئی ہے۔ اس کا مسودہ بھی کہا جاتا ہے مکمل ہے اور غالباً زیر طبع بھی۔

کے تعلق سے لغت نویسی کے جن نکات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے مولفِ "مہذب اللغات" نے سنہ ۱۹۶۱ء کے بعد کی جلدوں (یعنی جلد سوم تا آخر) میں یقیناً استفادہ کیا ہوگا۔

"فرہنگِ آثر"[1] نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی کی یک جلدی تالیف ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں جو کہ کل ہادی صفحات (صفحہ ۳۲ تا ۱۰۴) پر مشتمل ہے، سید ضامن جلال لکھنوی کی "سرمایۂ زبانِ اردو" کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے حصہ دوم میں جو کہ صفحہ نمبر ۱۰۷ سے صفحہ نمبر ۳۰۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ نور الحسن نیر کاکوروی کی "نور اللغات" کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان دونوں لغات کے بارے میں خود مولف فرہنگ کا کہنا ہے کہ:

"سرمایۂ زبانِ اردو اور نور اللغات اردو کی دو مشہور کتبِ لغت ہیں ..... اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اپنی جگہ بڑی اہم اور گراں قدر تالیفات ہیں۔ پھر بھی ان دونوں میں بعض الفاظ و محاورات محلِ نظر ہیں ..... سرمایۂ زبانِ اردو، اور نور اللغات میں مندرجہ بعض الفاظ و محاورات سے میں نے جو اختلاف کیا ہے اس نے علاحدہ کتابی شکل اختیار کر لی ہے۔"[2]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آثر لکھنوی نے اپنی فرہنگ کے دونوں حصوں میں جہاں جلال کی لغت نویسی کی جابجا تصحیح کی ہے وہیں "نور اللغات" کے متروکات سے بحث کرتے ہوئے ان بہت سارے الفاظ کی نشان دہی کی ہے جو یا تو "نور اللغات" میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں یا جنھیں مولفِ "نور اللغات" نے متروکات کی فہرست میں رکھا ہے۔

"نور اللغات" کے جائزے میں آثر لکھنوی نے ان اندراجات کی بھی نشان دہی کی ہے جو مولفِ "نور اللغات" نے دوسری لغات، خاص طور پر

---

[1] فرہنگِ آثر۔ آثر لکھنوی۔ سرفراز قومی پریس، لکھنؤ (۱۹۶۱ء)

[2] دیباچہ صفحہ ۱۸۔ حصہ دوم " " "

"سرمایۂ زبان اردو" سے اخذ کیے ہیں۔ مثال کے طور پر 'نوراللغات' کے دو اندراجات ___ "تلے تیس اوپر بیس" نیز "تلوار کا منھ" کو سرمایۂ زبان اردو سے مستعار بتایا ہے۔ اور آخر الذکر کے معنی۔ "تلوار کی باڑھ" کی تصحیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"....آتش کے شعر ہی سے واضح ہے کہ تیز تلوار کو منھ کی کڑی کہتے ہیں، تلوار کی باڑھ کو تلوار کا منھ نہیں کہتے" ؎۱

اسی صفحہ پر تلوے کر چلنا، تلوار چوم کر ہاتھ میں لینا، تلوار کسنا، تلوار کا لعاب، تلوار کی چمک، اور تلوار کی دھار جیسے اندراجات دے کر کہا گیا ہے کہ یہ نوراللغات میں درج نہیں ؎۲

"نوراللغات" کے سلسلے میں تفصیلی بحث چوں کہ سابقہ صفحات میں کی جا چکی ہے اس لیے یہاں پر فرہنگ اثر کے اس حصے پر طائرانہ نظر ڈالی جائے گی۔ جو "سرمایہ زبان اردو" سے متعلق ہے۔

"فرہنگ اثر" میں "سرمایہ زبان اردو" کا اتباع کرتے ہوئے اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی ہم وزن یا مساوی الحرکات الفاظ کے ذریعہ کی گئی ہے مثلاً اصیل بروزن کفیل اور اگری بروزن سفری ؎۳

اس میں لکھنوی استعمال کو ہی معیار بنایا گیا ہے۔ اگر کوئی لفظ یا محاورہ لکھنؤ میں مستعمل نہیں ہے تو ان کے نزدیک معیاری نہیں ہے جس طرح مولف فرہنگ اثر نے قدم قدم پر مولف "سرمایۂ زبان اردو" اور مولف 'نوراللغات' سے اختلاف رائے کیا ہے ؎۴ خود ان کے ساتھ بھی اسی طرح کے اختلاف رائے کی بہت گنجائش ہے۔ جس کا یہاں پر موقع نہیں ہے۔ بہرحال

؎۱ فرہنگ اثر ص۱۲۲ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۶۱ء)

؎۲ " " " " "

؎۳ " " " " "

؎۴ " ص۱۰ " " "

فرہنگ اثر کے چند اندراجات کے ذریعے یہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ مولفِ فرہنگ نے تنقیدِ لغت کے تقاضے سے کس حد تک انصاف کیا ہے۔

"فرہنگ اثر" میں پہلی بات تو یہ کھٹکتی ہے کہ "سرمایۂ زبان اردو" کے اکثر اندراجات کو ماننے سے انکار تو کیا گیا ہے مگر اس کی کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر:

سرمایۂ زبان اردو کے ایک اندراج ــــ دھرانا ــ (ڈرانے والی بات سے کسی کو ڈرانا) سے اثر لکھنوی نے اس لیے انکار کیا ہے کہ انھوں نے کسی کو یہ لفظ بولتے نہیں سنا ہے۔ گوکہ یہ فیلن کی ڈکشنری میں بھی موجود ہے؟ جب کہ "سرمایۂ زبان اردو" میں اس اندراج کی سند کے طور پر جرأت کا یہ شعر نقل کر دیا گیا ہے ؎

دردِ دل کہنا مرا شاید کہ اس نے سن لیا
ورنہ کیوں مجھ کو دھراتا ہے، بھلا اچھا کیا

مانا کہ "دھرانا" خالص پوربی ہے مگر مستعمل رہا ہے۔

دہرا: ۔ (بت خانہ) اثر لکھنوی دہرا کے اس معنی سے واقف نہیں نہ ہی انھیں کسی سے تحقیق ہو سکی۔ حالانکہ معاملہ صرف اتنا ہے کہ یہ دیوہرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔[1]

دھرو دھر: (امانت) صاحب "سرمایۂ زبان اردو" نے سند کے طور پر بحر کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

لے جا ہمارے پاس سے اپنا یہ لعلِ داغ
مدت ہوئی ہے تیری دھرودھر دھری ہوئی

"فرہنگ اثر" میں اسے ایک بازاری زبان قرار دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ دھری کی رعایت سے بحر نے اس کا استعمال

---

[1] فرہنگ اثر صہ
[2] " جلد اول صہ

جائز رکھا ہے [1]

دھڑ دھڑ جلنا۔ آگ لگ جانے سے کسی چیز کا شعلہ افروز ہونا۔ ے

تھا وہ بھی اک زمانہ جب نالے آتشیں تھے
چاروں طرف سے جنگل جلتا دھڑ دھڑ تھا

اثر کو یہ اعتراض ہے کہ یہ قدیم زبان ہے۔ دھڑا دھڑ جلنا کہتے ہیں۔ [2]

ڈھیٹ۔ سرمایہ زبان کے معانی ـــــ بے حیا، بے شرم۔ پر صاحب فرہنگ اثر نے گستاخ اور ضدی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ [3]

رولنا۔ فراہم کرنا کسی چیز کا (سرمایہ)۔ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے صاحب فرہنگ اثر لکھتے ہیں ـــــ "اس میں ہمیشہ کثیر مقدار کا مفہوم مضمر رہتا ہے۔ میرا مقطع ہے

صدف ہے محتاج ابر نیساں یہاں ہے فیضان عشق دوراں
اثر کی طبع رواں سے موتی رلا کرتے ہیں رولا کریں گے [4]

حالانکہ رولنا کے معنی چھانٹنا، الگ کرنا، اور جدا کرنا ہیں۔

سات پانچ:۔ کنایہ ہے مکر و فریب سے (سرمایہ زبان اردو) سات پانچ کرنا۔ جھگڑا کرنا بھی ہے [5]

سر مارنا:۔ بہت سی تدبیریں کسی کام میں کرنا (سرمایہ)
اثر لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"ناپسند چیز کو واپس کرنا کسی کو کسی کام کا جواب دہ ٹھہرانا، جان کھپانا بھی سر مارنا ہے۔" [6]

---

[1] فرہنگ اثر حصہ اول۔ ص۱۵

[2] 〃 〃 ص۱۶

[3] 〃 〃 ص۵۵

[4] 〃 〃 ص۵۵

[5] 〃 〃 ص۵ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۶۱ء)

[6] 〃 〃 〃 〃 〃 〃

سرمایہ زبان اردو، میں سر مارنا کے لیے دیے گئے معانی میں مولف فرہنگ اثر
کے اس اضافے کو تسلیم کرتے ہیں قباحت یہ ہے کہ ایک تو ناپسند چیز کو واپس
کرنے (فرہنگ اثر) کے لیے سر مارنا کی بجائے سر پر مارنا کا محاورہ بولا جاتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ سر مارنا کے معنی "کسی کو جوابدہ ٹھہرانا" اپنی سمجھ سے باہر
ہے۔ تیسرے یہ کہ سرمایہ کے معنی ــ "بہت سی تدبیریں کسی کام میں کرنا" فرہنگ
میں اضافہ کیے گئے معنی ـــ "جان کھپانا" میں شاید کوئی زیادہ فرق نہیں ہے"۔
سفید ہو جانا :- کنایہ ہے کسی چیز کا رنگ اڑ جانے سے خواہ بسبب
خوف یا غم کے ہو (سرمایہ زبان اردو)
عرض اثر :- آنکھوں کی بصارت کا زائل ہو جانا بھی سفید ہو جانا
ہے۔ میرا مطلع ہے ؎

آنکھیں سفید ہو گئیں رونے سے پھر بھی کام ہے
صبح فراق دیدگان تیرہ مثال شام ہے [1]

پہلی بات تو یہ ہے کہ اصل محاورہ سفید پڑ جانا ہے نہ کہ سفید ہو جانا۔
دوسری بات یہ ہے کہ "آنکھیں سفید ہونا کے معنی بصارت کا زائل ہو جانا ہے۔
نہ کہ صرف سفید ہو جانا کے۔ خود مولف فرہنگ اثر نے بھی اپنے مقطع میں
آنکھیں سفید ہو جانا ہی باندھا ہے۔

سابق الذکر مثالوں سے اثر لکھنوی کی تنقید لغت کی صلاحیت اور
اس سلسلے میں ان کے نقطہ نظر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس میں شک
نہیں کہ انھوں نے اپنی اس فرہنگ میں کئی مقامات پر کافی اہم اشارے دیے
ہیں مگر ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ تحقیق لغت کی بجائے اپنی رائے
پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور سرمایہ زبان اردو نیز نوراللغات کے جس
اندراج یا اندراج کے جس معانی کے بارے میں ان کے ذہن میں جو خیال
بھی آتا ہے وہ کسی تامل یا تلاش و تحقیق سے کام لیے بغیر اسے تحریر کر دیتے

---

[1] فرہنگ اثر۔ حصہ اول ص۵۵ سرفراز پریس لکھنؤ (۱۹۶۱ء)

ہیں۔ انھوں نے سرمایہ زبان اردو اور پھر نوراللغات کے سلسلے میں اپنے اس تنقیدی سلسلے کو فرہنگ اثر کی اشاعت کے بعد بھی جاری رکھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کئی مضامین مختلف رسائل میں شائع بھی کروائے۔ فرہنگ اثر کی اشاعت (۱۹۷۱ء) کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۷۲ء میں ہی انھوں نے "نیا دور" میں ایک طویل مضمون "لکھنؤ کے چند الفاظ اور محاورے" کے عنوان سے لکھا جس میں نوراللغات کی ان خامیوں پر روشنی ڈالی گئی جو "فرہنگ اثر" کی اشاعت کے بعد اس لغت کے دوبارہ دیکھنے پر ان کے سامنے آئی تھیں۔[1]

بہرحال فرہنگ اثر کو سرمایۂ زبان اردو اور نوراللغات پر اس لیے اچھی COMMENTRY نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں اپنی رائے کے لیے سند بھی اپنی ہی رائے کو اپنے محدود ماحول اور اپنے استعمال کو بنایا گیا ہے۔ اور اگر بہت فراخ حوصلگی سے کام لیا گیا ہے تو یہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ لکھنؤ میں مستعمل نہیں یا ہم نے کہیں نہیں سنا ہے۔ تاہم لغت نویسی کے تعلق سے اس کی اہمیت ہے کیوں کہ اس سے لغت نویسی یا لغت فہمی کے ایک رویے اور انداز کی نشان دہی ہوتی ہے۔

(ب) مہذب اللغات

جس طرح اردو۔ اردو لغت نویسی کے دور اول میں "فرہنگ آصفیہ" کو اور دورِ دوم میں "نوراللغات" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسی طرح اردو ۔ اردو لغت نویسی کے دور سوم میں "مہذب اللغات" کو ایک نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اس دور کی ایک اہم اور مبسوط لغت ہے اور دوسری یہ کہ اس میں لغت کے مختلف اجزاء ترکیبی کے بارے میں دوسری لغات، خاص طور پر

---

[1] رسالہ نیا دور۔ لکھنؤ اسپیشل نمبر۔ جنوری ۲۶ ۔ ۱۹۷۲ء ۔
مضمون۔ لکھنؤ کے چند الفاظ اور محاورے" نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی"

"فرہنگ آصفیہ" اور" نوراللغات" سے جس طرح غلط یا صحیح اختلاف رائے کیا گیا ہے وہ بھی اردو لغت نویسی کا بیش قیمت سرمایہ ہے جیسا کہ مثالوں کے ذریعے اس بات کو آئندہ صفحات میں واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ لغت دراصل ایک اعتبار سے ان دونوں سابق الذکر لغات کا ایک جائزہ بھی قرار دی جا سکتی ہے، کیوں کہ مولف مہذب اللغات نے" فرہنگ آصفیہ" اور " نوراللغات" کے اندراجات، ان کے تلفظ، قواعدی نوعیت اور خاص طور پر ان کے معانی کو اپنی لغت میں نقل کرنے کے بعد ان پر اپنی رائے بھی دی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ یہ یا تو متروک ہو چکا ہے یا لکھنؤ میں مستعمل نہیں، یا عوام کی زبان نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ چاہتے تو مولف" نوراللغات" کا اتباع کرتے ہوئے اپنے خیال کے مطابق متروک الفاظ، متروک معانی اور غیر اردو اندراجات اور ان کے غیر اردو معانی کو اپنی لغت سے محذوف کر دیتے مگر انھوں نے ایسا نہ کرکے اور فرہنگ آصفیہ اور نوراللغات کے تمام مندرجات کو اپنی لغت میں اپنی رائے کے ساتھ شامل کرکے دراصل مولف فرہنگ آصفیہ اور مولف نوراللغات کی لغت نویسی کو لکھنؤ کے معیار پر پرکھنے اور اس طرح اپنے خیال کے مطابق ان دونوں کے نقائص کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ آئندہ صفحات میں مہذب لکھنوی کی لغت نویسی کا جائزہ ان کی لغت نویسی کے اس رویے کے پیش نظر لیا جائے گا۔

اندراجاتِ لغت

تعینِ اندراج کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ بالکل صاف ہے کہ مولفِ مہذب اللغات نے اپنی لغت میں سابقہ لغات کے تمام اندراجات اور ان کے معانی کو شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھیں کسی لفظ (اندراج) کے اردو ہونے اور اس کے اردو معانی میں انھیں اشکال یا اختلاف ہے اس کی نشان دہی اپنے قول فیصل کے ذریعے کر دی ہے۔ دلی اور لکھنؤ کے لسانی اختلاف کے پیش نظر، مہذب اللغات میں فرہنگ آصفیہ

کے بہت سارے اندراجات کو غیر مستعمل یا غیر اردو قرار دے کر ساقط کر دینے کی بات تو کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے مگر "مہذب اللغات" نے یہی وطیرہ لکھنؤ کی ہی لغت، "نور اللغات" کے سلسلے میں بھی اختیار کیا ہے اور "نور اللغات" کے نہ صرف بہت سے اندراجات بلکہ معانی کو بھی غیر مستعمل یا غیر اردو قرار دے کر ساقط کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر "نور اللغات" کے ایک ہی صفحے کے ایک کالم کے چھ اندراجات ہیں:۔

"چھاتی بھرنا، چھاتی بیٹھ جانا، چھاتی پتھر بن جانا، چھاتی پتھر کر لینا، چھاتی پر پتھر رکھ لینا، یاد بھرنا، چھاتی بھرنا"

جنھیں مولف مہذب اللغات نے کسی نہ کسی بنیاد پر ساقط کر دیا ہے پہلے اندراج کے بارے میں ان کا قول فیصل ہے کہ:

"بالعموم زبانوں پر رائج نہیں، دوسرے اندراج کے بارے میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں آواز بیٹھتی ہے چھاتی نہیں بیٹھتی، تیسرے اندراج کے بارے میں صاف کہہ دیا ہے کہ لکھنؤ میں مستعمل نہیں، چوتھے اندراج کے بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ اب دل پتھر ہوتا ہے چھاتی نہیں۔ پانچویں اندراج کی سند کے طور پر اگرچہ نور اللغات میں داغ دہلوی کا شعر بھی پیش کیا گیا ہے مگر مولف مہذب اللغات کا یہی کہنا ہے کہ لکھنؤ میں دل پر پتھر رکھ لینا مستعمل ہے اور چھٹے اندراج کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیا گیا ہے کہ لکھنؤ میں مستعمل نہیں۔"[1]

اسی طرح اس کے پہلے کے دو اندراج "چون کا حاکم بھی بُرا ہوتا ہے" (نور اللغات) اور "چون کا میاں" (فرہنگ اثر) کو بھی لکھنؤ میں مستعمل نہ ہونے کی بنا پر ساقط کر دیا ہے۔ اگرچہ اس صورتِ حال سے مولف لغت کی خودرائی کا پتہ چلتا ہے مگر زیادہ قباحت کی بات اس لیے نہیں کہ اس طرح انھوں نے سابقہ لغات کے اندراجات

---

[1] مہذب اللغات جلد چہارم ص۲۳۸ - سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۶۷ء)

کو اپنی لغت میں شامل تو کر ہی لیا ہے۔ "مہذب اللغات" کی ایک دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس نے "جامع اللغات" کے تمام غیر لغاتی اور غیر اردو اندراجات کو شامل نہیں کیا ہے۔ اس لغت میں چوں کہ "جامع اللغات" کے علاوہ باقی تمام لغات کے اندراجات کو اپنی رائے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، اور "فسانۂ آزاد" کے بشمول کچھ نثری تصنیفات سے نئے الفاظ بھی اخذ کیے گئے ہیں اس لیے یہ لغت خاصی ضخیم ہو گئی ہے۔ اس لغت کے ضخیم ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی کہ اس میں بھی غیر لغاتی (NON-LEXICAL) اندراجات کی بھرمار ہے مثال کے طور پر خدا کے تحت اس طرح کے غیر لغاتی اندراجات بھی ملتے ہیں۔

" خدا آپ کو سلامت رکھے، خدا بخشے، خدا بھلا کرے، خدا پناہ میں رکھے یا خدا توفیق دے۔ خدا نیک توفیق دے یا خدا سلامت رکھے وغیرہ"[1]

یہ سلسلہ اس طرح ۴۲ اندراجات تک جاری رہا ہے۔ یہ تمام اندراجات ایسے ہیں جنھیں لغاتی اندراج (LEXICAL ENTRY) کی حیثیت نہیں دی جانی چاہیے تھی۔ " خدا کے سپرد کیا، خدا کی یاد کرنا، کے معنی خدا کے سپرد کرنا یا خدا کی یاد کرنا ہی ہوتے ہیں[2] چشم کے تحت کچھ شعری ترکیبات اس لغت میں اس طرح ملتی ہیں۔ چشم احول، چشم بد، چشم بلبل، چشم بیدار، چشم بیمار، چشم پر آب، چشم پرنم، چشم پردرد، چشم تر، چشم حیران، چشم خمار آلود، وغیرہ وغیرہ۔[3]

اس لغت میں دیگر لغات کے اندراجات کی شمولیت کے بعد، اس کی دوسری نمایاں اہمیت، ترتیبِ اندراجات سے تعلق رکھتی ہے جو پہلے کی دو لغات "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" سے قطعاً مختلف ہے۔ "فرہنگ آصفیہ" میں

---

[1] مہذب اللغات۔ جلد ششم ص۲۳۲۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۵۹ء)

[2] " ۔ جلد پنجم ص۳۸۰ " " (۱۹۷۶ء)

[3] " ۔ جلد چہارم ص۱۷۳ " " (۱۹۷۷ء)

بھی اگرچہ اندراجات کو مفرد اندراج اور ذیلی اندراجات میں تقسیم نہ کر کے سب کو جداگانہ حیثیت دی گئی ہے مگر مختلف المعنی بلکہ مختلف التلفظ لفظ کو الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے[1] مگر مہذب اللغات میں اس سے بھی آگے جا کر قواعدی نوعیت، تلفظ اور معنی کے اعتبار سے بھی اندراجات کو الگ الگ درج کیا گیا ہے؛ یعنی اگر کسی ایک ہی اندراج کے چار معنی ہیں تو اس کے ان چاروں معنی کے اعتبار سے اسے چار بار درج لغت کیا گیا ہے؛ اور اس کے نمبر کے مطابق اس کے معنی یا قواعدی نوعیت بتائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراج "کام" ہے۔ کام عربی، فارسی اور سنسکرت الاصل تین مختلف الفاظ ہیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اسے لغت میں صرف تین الگ الگ جگہوں پر درج کر کے ان کے متعلقہ معنی متعلقہ اندراج کے تحت ہی دیے جاتے مگر کیا یہ گیا ہے کہ کام کو اختلاف اصل اور اختلاف معنی کے اعتبار سے ۱۹ مرتبہ درج لغت کیا گیا ہے[2]۔ اب اس میں ہوا یہ ہے کہ پہلے فارسی "کام" (مراد، غرض) پھر اردو کام (فعل، عمل) پھر اردو کام (مزدوری)، پھر فارسی کام (تالو)، پھر ہندی کام (دھندا)۔ غرض کہ اس طرح کام کے ان ۱۹ اندراجات میں کبھی فارسی، کبھی ہندی اور

---

[1] مثال کے لیے دیکھیے۔ جولان (ف: دوڑنے کی جگہ) اور جولان (ع۔ زنجیر) دونوں کو الگ الگ درج کیا گیا ہے۔
سرنگ — (۱) زمین دوز راستہ (۲) لال سرخ (۳) لال رنگ کا گھوڑا۔ (۴) خوش رنگ، (۵) سرا سر۔ صاف ظاہر ہے کہ معنی نمبر (۱) اور معنی (۵) کے اعتبار سے اور معنی (۲) اور (۳) اور (۴) کے اعتبار سے یہ دو الگ الگ لفظ ہیں مگر فرہنگ آصفیہ (جلد سوم ص۳۲) میں انھیں ایک ہی بار درج کیا گیا ہے جب کہ "مہذب اللغات" میں سرنگ کا اندراج ان پانچوں معنوں کے اعتبار سے الگ الگ کیا گیا ہے۔ (جلد ششم ص۲۴۰)۔

[2] مہذب اللغات جلد نہم۔ ص۲۳۳ تا ۲۴۴۔ نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۵ء

بھی اردو کلام کی تکرار ہوتی رہتی ہے یا جسے اس لغت کا ایک بہت بڑا سقم کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے اندراج "کالا" کو معنی نمبر (۱) سیاہ نمبر (۲) چالاک نمبر (۳) ہندوستانی سپاہی اور معنی نمبر (۴) کالا سانپ کے اعتبار سے چار بار لغت میں درج کیا گیا ہے۔ ؎

اس میں چوں کہ سابقہ لغات کے تمام اندراجات کو ان کے حوالے اور اپنی رائے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، اس لیے اندراجات کی نوعیت کے اعتبار سے یہ لغت تدوین کے دائرے سے نکل تنقید کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے۔

یہ لغت ترتیب اندراج کے لحاظ سے بھی سابقہ لغات سے کافی مختلف ہے۔ "فرہنگ آصفیہ" میں اگرچہ ہجائی ترتیب کا پورا التزام رکھا گیا ہے مگر مفردات کے تمام ذیلی اندراجات کے بعد ہی ہجائی ترتیب سے دوسرا اندراج لایا گیا ہے اور "نور اللغات" میں مرکبات اور محاورات وغیرہ کو بھی ذیلی اندراج کے تحت ہی رکھا گیا ہے۔ جب کہ اس لغت میں یہ کیا گیا ہے کہ مکمل ہجائی ترتیب کا التزام رکھتے ہوئے الفاظ ادھر سے اُدھر کر دیے گئے ہیں اور کوشش یہ کی گئی ہے کہ ہجائی ترتیب متاثر نہ ہونے پائے۔ اس طریقۂ کار سے اگرچہ ناظرِ لغت کے لیے آسانی پیدا ہو گئی ہے، مگر لغت کا لغاتی مزاج کافی متاثر ہو گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس طریقۂ کار کو بعد میں بابائے اردو نے اپنی لغت کبیر اردو' میں اختیار کیا اور اب اردو بورڈ پاکستان کی ،اردو لغت، اور حکومت ہند کے ترقی اردو بورڈ کی لغت میں بھی بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

اس لغت میں چوں کہ قواعدی نوعیت کے اختلاف کی رو سے بھی لفظ کو الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے، اس لیے قواعدی نوعیت کی نشان دہی سابقہ

؎ مہذب اللغات جلد نہم صفحہ ۲۳۲

اسی طرح "داں" کا اندراج گیارہ مرتبہ کیا گیا ہے اور یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ کون سا اندراج کن معنوں میں اردو، کن معنوں میں فارسی اور کن معنوں میں ہندی ہے۔

لغات کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور درست طریقے پر کی گئی ہے۔

تلفظ کی نشان دہی

"مہذب اللغات" میں تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں کوئی باقاعدہ طریقہ یا یکساں اصول اختیار نہیں کیا گیا ہے، یعنی ابتداً تلفظ کی نشان دہی اعراب کے ذریعے کی گئی ہے، اور پھر کہیں کہیں ہم وزن یا مساوی الحرکات الفاظ کے ذریعہ یا پھر وضاحت کے ذریعے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ہم وزن الفاظ کے ذریعے تلفظ کی نشان دہی غالباً شعری تقاضوں کے تحت کی گئی ہے۔ اس لغت میں کسی اندراج کے ایک سے زائد تلفظ کی نشان دہی بھی مختلف الحرکات الفاظ کے ذریعے کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ــــ "خورشید" کے دونوں تلفظ دو مختلف الحرکات الفاظ پیر پیچ اور خوگیر کے ذریعے ظاہر کیے گئے ہیں۔[1] کہیں کہیں "نور اللغات" یا "فرہنگِ آصفیہ" کے تلفظ سے بحث بھی کی گئی ہے۔ نور اللغات میں "اگری" کا تلفظ سفری سے ظاہر کیا گیا ہے[2]؛ جسے صاحب "مہذب اللغات" نے پہلے تو غیر فصیح قرار دے کر مصحفی کا یہ شعر نقل کیا ہے: ؎

کیوں کر مرے داغوں سے بو آئے اگر کی
میں سوختہ ہوں اس کے لباس اگری کا

اس کے بعد "قول فیصل" کے تحت یہ رائے ظاہر کی ہے:-

"میر حسن دہلوی نے اکثر مقامات پر بسکونِ کافِ فارسی نظم کیا ہے۔

---

[1] مثلاً - (۱) تانکا ـــ (بانکا کے وزن پر) جلد سوم - ص۲۴۹ (۱۹۶۲ء)
(۲) دورنگا (دورنگ بروزن فعلن اور دورنگی بروزن فعولن) یا ڈراؤنا بروزن مفاعلن) جلد پنجم ص۲۰۳ -

[2] مہذب اللغات - جلد چہارم ص۳۱۶

[3] نور اللغات جلد اول - ص۲۵

مثال کے طور پر شعر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صاحب امیر اللغات نے لکھا ہے کہ بعض لوگ غلطی سے اس کو چھپی کے وزن پر بولتے ہیں ممکن ہے کہ اس دور میں یہ تلفظ غیر فصیح ہو لیکن موجودہ دور میں بفتح کافِ فارسی (اَگری) اور بسکونِ کافِ فارسی (اگری) بلکہ اگری بروزن چھپی رائج ہے"۔[1]

الفاظ کے ماخذ کی نشان دہی

تہذیب اللغات میں اندراجات کی اصل یا ماخذِ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" کا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر تلفظ، املا، معنی اور قواعدی نوعیت کے اعتبار سے کسی اندراج میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے تو اسے اصل زبان سے ہی منسوب کیا گیا ہے اور بصورت دیگر اسے اردو لکھا گیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی لفظ کے عربی اور فارسی معنی میں فرق یا اختلاف پیدا ہوگیا ہے تو یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ لفظ کس معنی میں عربی اور کس معنی میں فارسی یا اردو ہے۔ مثال کے طور پر "سرپرست" کے بارے میں مولف "فرہنگ آصفیہ" کی اس رائے کی کہ:

"اس لفظ کو ان معنی میں فارسی خیال کرنا غلطی ہے۔ فارسی میں صرف خادم اور میزبان کے معنی میں آتا ہے"۔ صاحب تہذیب اللغات نے اپنے اس قولِ فیصل کے ذریعے تصدیق کر دی ہے کہ:

"بہر صورت ان معنوں میں یہ لفظ اردو ہے"۔[2]

اسی طرح شَلّ (بے حس، بے جان، سُن) کو "فرہنگ آصفیہ" میں عربی (جلد دوم صفحہ ۱۵۱) لکھا گیا ہے۔ 'نور اللغات' میں بھی اسے عربی تو بتایا گیا ہے مگر یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ یہ عربی میں بہ تشدیدِ لام اور اردو میں بغیر تشدید مستعمل ہے۔ ان

---

[1] تہذیب اللغات۔ جلد اول صفحہ ۲۹۴

[2] " " ۔ جلد ششم۔ صفحہ ۳۸۸

دونوں لغات کے برخلاف "مہذب اللغات" میں اسے بے جس، بے جان کے معنوں میں عربی اور تھکا ماندہ کے لحاظ سے اردو[1] قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح جی دار (جلد چہارم ص۲۰) اور سنگاردان کو اردو لکھا گیا ہے۔

اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں اختیار کردہ طریقہ کار کی بحث "فرہنگ آصفیہ" کے ضمن میں تفصیل سے کی جاچکی ہے اور اس سلسلے میں فرہنگ آصفیہ اور "نور اللغات" اور "مہذب اللغات" کا موازنہ بھی کیا جاچکا ہے۔

معنوی وضاحت

"نور اللغات" کی ہی طرح "مہذب اللغات" میں بھی اندراجات کے معنی مترادفات اور وضاحت، یعنی دونوں شکلوں میں دیے گئے ہیں۔ اگرچہ بیشتر معانی مترادفات کی صورت میں ہی دیے گئے ہیں لیکن کہیں کہیں توضیحی طریقہ کار بھی اختیار کیا گیا ہے۔ ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں جہاں اندراجات کے معنی مترادفات اور وضاحت دونوں شکلوں میں دیے گئے ہیں۔ جہاں تک معنی مترادفات کی شکل میں دینے کا سوال ہے تو اس سلسلے میں بھی زیادہ تر "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" کا ہی اتباع کیا گیا ہے۔ البتہ یہ فرق ضرور ملتا ہے کہ جہاں "نور اللغات" میں "فرہنگ آصفیہ" کے دور از کار اور اجنبی مترادفات کو شامل نہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے وہیں "مہذب اللغات" میں یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے کہ اگر آصفیہ کے کسی معنی (مترادف) سے اتفاق نہیں ہے تو اسے حوالے کے ساتھ جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے[2]۔

---

[1] مہذب اللغات جلد ہفتم - ص۱۹۳ - (۱۹۷۰ء)

[2] مثال کے طور پر

(۱) فراغت:- (۲) پیخانہ، ٹٹی ...... رفع حاجت کے واسطے جانا ہندو گنواروں کی زبان (آصفیہ)

(مہذب اللغات جلد ششم ص۱۲۷ (۱۹۷۲ء))

(۲) فالج:- قول فیصل:- "فرہنگ آصفیہ نے اس کے معنی لکھے ہیں ادھرنگ۔ آدھے جسم کا ڈھیلا یا سست پڑ جانا"

(مہذب اللغات - جلد ہشتم - ص۲۲۲ (۱۹۷۳ء))

اور پھر اپنے قولِ فیصل[1] کے تحت کھل کر اپنی رائے بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر صاحبِ مہذب اللغات کو نور اللغات کے کسی معنی سے اختلاف ہے تو بھی قولِ فیصل کے تحت یہ رائے دے دی گئی ہے کہ یہ معنی لکھنؤ میں مستعمل نہیں[2]۔

معنوی ترتیب کے سلسلے میں یہ واضح ہے کہ "نور اللغات" میں تو "فرہنگِ آصفیہ" کا اور "مہذب اللغات" میں "نور اللغات" کا اتباع کیا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "نور اللغات" اور "مہذب اللغات" کی تالیف میں ایک تو بعدِ زمانی بہت کم ہے[3]۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں لغات کے مولفین کا تعلق لکھنوی مکتبِ فکر سے ہے جو کہ زبان کی صحت کے بارے میں کافی حساس رہا ہے۔ پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مہذب اللغات کی تالیف کا سلسلہ دراصل "نور اللغات" پر ردِ عمل کے طور پر ہی شروع ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولف "مہذب اللغات" نے نہ صرف یہ کہ جا بجا صاحبِ نور اللغات سے اختلاف کیا ہے۔ بلکہ یہ اختلاف کہیں کہیں شدید ردِ عمل کی شکل میں بھی ظاہر ہوا ہے۔ اس لیے اگر "مہذب اللغات

---

[1] قولِ فیصل:۔ "قولِ فیصل کے متعلق بعض حضرات کو شاید کچھ غلط فہمی ہو۔ لہٰذا اتنا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ قولِ فیصل میں کسی خاص لغت کے متعلق جو کچھ کہنا ہے وہ کہا گیا ہے۔ کہیں مولف کی رائے پر مشتمل ہے اور کہیں صرف ایک نوٹ کا فائدہ دیتا ہے۔" (مقدمہ مہذب اللغات۔ جلد اول۔ صـ۳۰)

[2] اٹھانا (بمعنی پکڑنا):۔

قولِ فیصل:۔ صاحب "نور اللغات" نے لکھا ہے۔

اب ان معنوں میں نہیں بولتے۔

(مہذب اللغات، جلد اول صـ۱۲۳۔ لکھنؤ ۱۹۵۸ء)

[3] نور الحسن نیر کاکوروی کی نور اللغات کی اشاعت کا سلسلہ ۱۹۱۷ء (حصہ اول) سے شروع ہو کر ۱۹۳۱ء (حصہ چہارم) میں ختم ہوا جب کہ مہذب لکھنوی کی مہذب اللغات کی اشاعت کا سلسلہ نور اللغات کی اشاعت کے تقریباً ۲۷ سال بعد ۱۹۵۸ء (جلد اول) میں شروع ہوا اور جو حال تک جاری ہے۔

کے معنوی تجزیے کے سلسلے میں "نوراللغات" کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو یہ نامناسب نہ ہوگا۔ اس سے ایک طرف تو یہ بات سامنے آجائے گی کہ "نوراللغات" اور "مہذب اللغات" نے "آصفیہ" سے کہاں تک استفادہ کیا ہے اور پھر ان دونوں لغات میں جو کہ لکھنؤ سے ہی تعلق رکھتی ہیں، لکھنؤ کی زبان کے بارے میں کیا رویہ سامنے آتا ہے؟

"فرہنگ آصفیہ" اور "نوراللغات" کے وسیلے سے "مہذب اللغات" میں معنی کے تواتر کی چند مثالیں پیش ہیں۔

(الف) فراغت :- اس اندراج کے معنی نمبر ۱ کے تحت "نوراللغات" اور "مہذب اللغات" دونوں میں ہی، چھٹکارا، نجات، خلاصی جیسے مترادفات "فرہنگ آصفیہ" سے جوں کا توں نقل کر دینے کے بعد مثال کے طور پر میر کا شعر بھی وہی پیش کیا گیا ہے جو "فرہنگ آصفیہ" میں درج ہے۔

معنی نمبر ۲ کے تحت دونوں نے [illegible] مترادف، راحت دیا گیا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس کی مثال "نوراللغات" میں غالب کے شعر سے اور "مہذب اللغات" میں میر کے شعر سے دی گئی ہے۔[1]

معنی نمبر ۳ کے تحت صرف "مہذب اللغات" میں بہتات افراط اور کافی جیسے مترادفات نقل کر کے "متروک"! بھی لکھ دیا گیا ہے۔ "نوراللغات" نے یہ معنی خارج کر دیے ہیں۔

معنی نمبر ۴ کے تحت "مہذب اللغات" میں "فرہنگ آصفیہ" سے یہ معنی نقل کر دیے گئے ہیں: "پیخانہ۔ ٹٹی ...... رفع حاجت کے واسطے جانا، ہندوؤں یا گنواروں کی زبان" اس کے بعد صاحب "مہذب اللغات" نے اپنے

[1] نوراللغات۔ جلد سوم صفحہ [illegible]

قولِ فیصل کے تحت یہ رائے دی ہے ـــــــــ :

" صاحبِ نور اللغات نے فراغت پانا، لغت
قائم کر کے بیت الخلا، جانا معنی لکھے ہیں۔ یہ دونوں معنی صرف دہلی
کے لیے مخصوص ہیں۔ لکھنؤ میں ہندو یا گنوار کوئی نہیں بولتا۔"[1]

اس مثال سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اندراجات کے معنی درجِ لغت کرتے وقت، صاحبِ نور اللغات کے سامنے " فرہنگِ آصفیہ اور صاحبِ مہذب اللغات کے سامنے " نور اللغات تھی۔ اس سلسلے میں ایک دوسری واضح مثال لیجیے۔

فالج :۔ (نور اللغات) ایک بیماری کا نام جس سے آدھا بدن بیکار ہو جاتا ہے۔[2]

(مہذب اللغات)۔ ایک بیماری کا نام جس کی وجہ سے وہ حصہ جس پر اثر ہوتا ہے، بیکار ہو جاتا ہے[3]

اس کے بعد مہذب اللغات میں قولِ فیصل کے تحت یہ رائے دی گئی ہے۔

" صاحبِ فرہنگ آصفیہ نے اس کے معنی لکھے ہیں ادھرنگ۔ آدھے جسم کا
جسم کا ڈھیلا یا سست پڑ جانا[4]

اس کی ایک تیسری مثال اندراج " دست" بھی دی جا سکتی ہے اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ صاحبِ مہذب اللغات نے پہلے فرہنگِ آصفیہ اور نور اللغات میں درج معنی نقل کر دیے ہیں اور پھر ان معانی پر اپنی رائے دی ہے۔

دست :۔ (۱) ہاتھ، پنجہ (مومن کا شعر دست عاشق سر نور اللغات)
آردو میں تنہا نہیں بولتے۔ ہمیشہ ترکیب سے اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں جیسا کہ شعر سے ظاہر ہے[5]

---

[1] مہذب اللغات، جلد ہشتم ص ۳۴۴ ۔ نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۰ء

[2] نور اللغات جلد سوم ص ۶۰۹

[3] مہذب اللغات جلد ہشتم ص ۳۱۳ نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۲ء

[4] " " " " " "

[5] " " جلد پنجم ص ـــــ

(۲) فوت۔ دفعہ۔ جیسے سردست (نوراللغات) "تنہا مستعمل نہیں ہے۔ سردست وغیرہ کی ترکیب کے ساتھ بولتے ہیں۔ (مہذب)[1]

(۳) نوراللغات میں فرہنگ آصفیہ کے معنی نمبر ۳ حذف کر دیے گئے ہیں جو اس طرح ہیں۔ قدرت، قابو، غلبہ "تنہا مستعمل نہیں ہے ترکیب سے بولتے ہیں جیسے دسترس[2]"۔

(۴) اطبائے ہند کی اصطلاح میں اجابت یعنی مادۂ اسفل کے بار بار رفع ہونے سے مراد ہے۔ پتلا پاخانہ، اسہال (نوراللغات)

قول فیصل: "یہ اصطلاح اطبا ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ عوام و خواص بھی بولتے ہیں۔" (مہذب)۔

(۵) عدد۔ تعداد (نوراللغات) "اردو میں مستعمل نہیں" (مہذب)

(۶) چوپایہ کے اگلے پاؤں میں سے ہر ایک کو دست کہتے ہیں (نوراللغات)
"ان معنوں میں ذبح کیے ہوئے جانور کے لیے زیادہ مستعمل و صحیح ہے" (مہذب)

(۷) (ایک ساتھ) سر سے پاؤں تک جیسے یکدست خلعت (نوراللغات)
"اردو میں مستعمل نہیں ہے۔ فارسی میں بھی یکدست خلعت سے مراد ہے پورا خلعت۔" (مہذب)

(۸) تمام بالکل۔ پوری چیز (فرہنگ آصفیہ)
"پہلے مستعمل تھا۔ اب متروک ہے۔" (مہذب)

اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "نوراللغات" اور "مہذب اللغات" کی تدوین کے وقت ان کے مولفین نے سابقہ لغات سے بھرپور استفادہ کیا تھا اور معنوی وضاحت کے سلسلے میں اپنی اپنی صواب دید سے بھی کام لیا ——— چنانچہ دست کے بعد فرہنگ آصفیہ کا اندراج ہے "دست کھینچنا" (باز آنا)، اس میں پہلی غلطی تو یہ کی گئی ہے کہ دست کھینچنا کی مثال، دست سوال کھینچنا سے دی گئی ہے ———

---

[1] نوراللغات جلد سوم ص۴۲۲

[2] مہذب اللغات ——— جلد پنجم ص۱۲

شعر ہے ؎

غربت کے رنج، فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سے دست سوال کھینچ

اس پر "نور اللغات" کے مولف نے اپنی رائے اس طرح دی ہے :

اس جگہ ہاتھ کھینچنا مستعمل ہے۔ باز آنا [1]

صاحب "مہذب اللغات" نے بھی اگرچہ "فرہنگ آصفیہ" اور پھر "نور اللغات" میں مندرج معنی کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے مگر آخر میں اپنے "قول فیصل" کے تحت یہ رائے دی ہے :

"اور نثر میں ہاتھ کھینچنا زیادہ بولتے ہیں۔ لفظ دست ہمیشہ کسی لفظ کے ساتھ ترکیب پا کے آتا ہے جیسا کہ آخر میں دستِ سوال سے ظاہر ہے۔" [2]

محاورہ دراصل ہاتھ کھینچ لینا (یعنی رک جانا) ہے۔

"نور اللغات" ہی کی طرح "مہذب اللغات" میں بھی جہاں کہیں اندراجات کے معنی بیک وقت مترادف اور وضاحت یعنی دونوں شکلوں میں دیے گئے ہیں، وہاں پہلے مترادفات دیے گئے ہیں اور پھر وضاحت کی گئی ہے۔ چند مثالیں :-

(۱) ٹانکا :- سیون۔ سلائی۔ سوئی تاگے کا ایک دفعہ کپڑے میں سے نکالنا، زخم کا ایک مرتبہ بخیہ کرنا۔
(نور اللغات۔ جلد دوم ص ۲۸۸)

"ٹانکا کے وزن پر، تاگا کا سوئی کے ذریعے ایک بار کپڑے میں سے نکلنا، یا تاگے کا کرنی کے ذریعے ایک مرتبہ چمڑے میں سے نکلنا۔" [3]

---

[1] نور اللغات جلد سوم۔ ص ۳۳۳۔ ۱۹۳۹ء
[2] مہذب اللغات۔ جلد پنجم۔ ص ۲۵۰۔ ۱۹۶۰ء
[3] 〃 〃 ۔ جلد سوم ص ۲۶۹۔ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۷۵ء

ایک دوسری مثال جَنَم :- (۱) پیدائش ؛ روح کا ایک قالب سے دوسرے
قالب میں جانا۔
(۲) زندگی حیات۔ (نوراللغات) [۱]
(۱) پیدائش۔ روح کا ایک قالب سے دوسرے
قالب میں جانا۔
(۲) زندگی۔ حیات [۲]

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اگر کسی اندراج کے معنی نوراللغات میں توضیحی طریقہ پر نہیں دیے گئے ہیں تو اس کی کوشش "مہذب اللغات" میں بھی نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ اگر نوراللغات میں پیدائش کے معنی صرف مترادفات کی صورت میں دیے گئے ہیں تو "مہذب اللغات" میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے۔ [۳]

معانی کی وضاحت کے سلسلے میں ایک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اگر کہیں صاحبِ نوراللغات نے کسی اندراج کے معنی وضاحتی شکل میں دینے کی کوشش کی ہے تو صاحبِ مہذب اللغات نے اس میں اصلاح و ترمیم یا اس پر اضافہ ضروری سمجھا ہے۔ مثال کے طور پر۔ جہاز۔ کی وضاحت "نوراللغات" میں اس طرح کی گئی ہے :-

"اسباب تجارت لادنے اور بحری سفر کرنے کی بہت بڑی ناؤ" [۴]

اس وضاحت پر "مہذب اللغات" میں اس طرح اضافہ کیا گیا ہے :-

"پرانے زمانے میں اسباب تجارت لادنے یا بحری سفر کرنے کی بہت بڑی ناؤ کو کہتے ہیں ۔ اب سمندر میں سفر کرنے یا دوسرے اغراض کے لیے جو مشہور چیز رائج ہے اس کو کہتے ہیں جو ایک

---

[۱] نوراللغات۔ جلد دوم ص ۳۳۱ ، نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء
[۲] مہذب اللغات۔ جلد چہارم ص ۱۰ ، سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۶۲ء
[۳] " " ۔ جلد سوم ص ۱۹۳ ۔ نوراللغات جلد دوم ص ۱۶۹
[۴] نوراللغات۔ جلد دوم ص ۳۴۶ نیر پریس لکھنؤ (۱۹۲۷ء)

بڑی عمارت کی شکل میں ہوتی ہے"[1]

حیرت کی بات ہے کہ دونوں مولفین ناؤ اور جہاز کے درمیان صرف چھوٹی ناؤ اور بڑی ناؤ کی شکل میں ہی تمیز کر سکے اور ان کے ذہن میں یہ بات نہ آسکی کہ جہاز ان کے خیال میں بڑی ناؤ ہی سہی مگر یہ مشینی چیز بھی ہے۔ دخانی کشتی تو ان دونوں مولفینِ لغت کے زمانے سے کافی پہلے رائج ہو چکی تھی۔

اسی صورت حال کی ایک دوسری مثال "پدمنی" سے لیجیے۔ پدمنی کی وضاحت "نور اللغات" میں اس طرح کی گئی ہے:-

"....(اس کی اصل پدم بمعنی کنول سے ہے جو بہت نازک و خوبصورت پھول ہوتا ہے) اعلا درجے کی نازک خوبصورت عورت کی ایک قسم؛ ہندوستان کی ایک مشہور رانی کا نام، دانایانِ ہند نے باعتبارِ حسن و جمال عورتوں کے چار درجے مقرر کیے ہیں، اول پدمنی، دوم چترنی، سوم سنکھنی چہارم ہستنی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ پدمنی اکثر چماروں میں ہوتی ہے۔

خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھی چمار اپنا

(جان صاحب)[2]

"مہذب اللغات" میں پدمنی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:-
"حسین عورتوں کی ایک قسم جو بہترین اور اعلا ترین مانی گئی ہے؛ ہندی، رائج"

قول فیصل :- ہندوستان کے بہت قدیم زمانے والوں نے عورت کے حسن کی چار قسمیں کی تھیں، اور ہر ایک کے الگ الگ نام رکھے تھے۔ سب سے بہترین حسن رکھنے والی عورت کو پدمنی کہتے

---

[1] مہذب اللغات جلد چہارم ص۱۷۱ سرفراز پریس (۱۹۷۶ء)
[2] نور اللغات جلد دوم ص۵۳ (لکھنؤ ۱۹۲۴ء)

تھے۔ دوسرے درجے کا حسن رکھنے والی کو چترنی، تیسرے درجے والی کو سنکھنی۔ اور چوتھے درجے والی کو ہستنی یا ڈنکنی کہتے تھے۔ ان لوگوں نے اول درجے کے حسن کا جو معیار قایم کیا تھا اس طرح کی عورت (یعنی پدمنی) دنیا میں بہت کم پیدا ہوتی ہے۔ انھیں لوگوں کے خیال کے مطابق زیادہ تر چماروں کے گھر میں پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے باعث جان صاحب نے کہا ہے ....

موجودہ زمانے میں حسن کی ان قسموں میں امتیاز کرنے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ اس لیے ان کے ناموں کا استعمال بہت کم ہے۔ [1]

اس مثال سے ایک بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ صاحب "مہذب اللغات" نے "نور اللغات" یا "فرہنگ آصفیہ" میں کسی بھی اندراج کے دیے گئے معنی یا وضاحت میں اصلاح یا اس پر اضافے کو ضروری تو سمجھا ہے مگر اپنے اس کام کو انجام دینے میں وہ ناکام رہے۔ دوسری بات یہ کہ "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" ہی کی طرح "مہذب اللغات" میں بھی معنی کے استنباط یا سند کے انتخاب کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس معاملے میں بھی زیادہ تر نقلِ لغت ہی کا دخل رہا ہے اور دوسرے یہ کہ صرف اشعار کو ہی سند کے لیے معیار بنایا گیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے معنی کے استنباط میں سقم رہ گیا ہے۔ اس سلسلے میں حلق کی مثال سے "نور اللغات" میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ "نور اللغات" میں حلق کے معنی نمبر (۱) گلا، گردن۔ دینے کے بعد اس کے معنی نمبر (۲) (اردو) منھ، زبان، دیے گئے ہیں اور مثال کے طور پر سالک کا جو شعر نقل کیا گیا ہے اس میں حلق کا استعمال منھ یا زبان کی بجائے گردن کے معنی میں ہی ہوا

---

[1] مہذب اللغات۔ جلد سوم، صفحہ ۱۲۲ سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۶۲ء)

[2] کیوں نہ اغیار کی گردن پہ ہو چلنا دشوار
یہ بھی کیا حلق ہے اے خنجر قاتل میرا (نور اللغات جلد دوم صفحہ ۱۱۳ (لکھنؤ ۱۹۲۴ء)

ہے۔ یہاں پر "مہذب اللغات" میں نور اللغات سے اتفاق کیا گیا ہے اور "عملِ صرف" کے طور پر یہ فقرہ بھی شامل کر دیا ہے:

"حلق سے نکلی حلق میں پڑی"[1]

اس سلسلے کی ایک دوسری مثال کے طور پر، جیسا کہ پہلے "نور اللغات" کے ضمن میں بھی کہا جا چکا ہے: "اٹھنا" کے معنی "مہذب اللغات" میں (لاش کے ساتھ) "میت اٹھنا" دیے گئے ہیں۔ اور مثال کے طور پر اثر کا جو شعر پیش کیا گیا ہے اس میں لاش کا اٹھنا استعمال کیا گیا ہے[2]۔ پھر اٹھنا ہی کے ایک دوسرے معنی "(جہان کے ساتھ) ختم ہونا" دیے گئے ہیں اور انیس کا یہ مصرع نقل کیا گیا ہے۔ ؎

ہے ہے جہاں سے پنجتن پاک اٹھ گئے"[3]

یہاں بھی اصل استعمال "جہاں سے اٹھنا" ہے۔ صرف اٹھنا کے معنی ختم ہونا نہیں۔

دراصل سابقہ لغات ہی کی طرح "مہذب اللغات" میں بھی اندراجات کے محاوراتی معنی بھی عرفی اور اصطلاحی معنوں کے ساتھ بھی دیے گئے ہیں، اور پھر انھیں ان کے محاوروں کے ضمن میں بھی دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں مثالوں سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کیوں کہ لاش اٹھنا یا لاش کا اٹھنا اور جہاں سے اٹھنا محاوروں کے معنی صرف اٹھنا کے تحت بھی درج کیے گئے ہیں۔

"مہذب اللغات" میں ایک اندراج ــــ دامِ یار (بمعنی صیاد) ملتا ہے۔ اس اندراج کے معنی کی سند کے طور پر صبا کا یہ شعر پیش کیا گیا ہے ؎

بنا کے گیسوؤں کو تم تو دامِ یار بنے
ہمارا طائرِ دل مفت میں شکار ہوا

یہاں دامِ یار کو طائرِ دل اور شکار جیسے الفاظ کی مناسبت سے مولفِ لغت نے ایک ترکیب سمجھ لیا ہے اور شہر یار کے طور پر دامِ یار کو ایک لفظ قرار دے کر

---

[1] مہذب اللغات جلد چہارم۔ ص ۲۳۲
[2] " " جلد اول۔ ص ۱۱
[3] " " " "

اس کے معنی صیاد لکھ دیے ہیں۔ حالانکہ صرف یہ ہے کہ مصرعے میں دام کا تعلق فعل بنانا سے ہے اور یار کا تعلق بننے سے ہے۔ یعنی دام مفعول ہے پہلے فقرے کا اور یار فاعل ہے دوسرے فقرہ کا یعنی تم تو یار اپنے گیسوؤں کو دام بنا کر بن گئے (سنور گئے)، مگر مولف لغت نے اسے ایک ہی ترکیب دام یار سمجھ لیا اور اس کے معنی صیاد لکھ کر اسے ایک لغاتی اندراج کی حیثیت دے دی ہے۔

اب تک کی معروضات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ "فرہنگ آصفیہ" کے بعد کی لغات کے مولفین، سابقہ لغات کی خامیوں کو دور کرنے کے جذبے سے ہی تدوین لغت کے میدان میں قدم رکھتے ہیں مگر نقلِ لغت کا دباؤ ان کے تدوینِ لغت کے جذبے پر حاوی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "فرہنگ آصفیہ" کی بہت سی خامیاں، پہلے "نور اللغات" میں اور پھر اس کے توسط سے "تہذیب اللغات" میں بھی در آئی ہیں۔ اگرچہ "نور اللغات" میں "فرہنگ آصفیہ" کے جس معنی کو غیر ضروری یا متروک سمجھا گیا ہے اسے حذف کر دیا گیا ہے مگر "تہذیب اللغات" میں "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" کے تمام معانی حوالے کے ساتھ نقل کر دیے گئے ہیں اور پھر کہیں کہیں اپنے "قول فیصل" کے تحت اپنی رائے بھی دے دی گئی ہے، اور کہیں کہیں کوئی فیصلہ نہیں بھی دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں لغت بین کے گمراہ ہونے کا احتمال اور بڑھ جاتا ہے۔

"تہذیب اللغات" کے سلسلے میں ان معروضات سے جو چند باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں سابقہ لغات کے برعکس الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ کی تقطیع الگ الگ قائم نہیں کی گئی ہے، بلکہ الف کے بعد کے حروف کے اعتبار سے اندراجی ترتیب قائم کی گئی ہے جس کی وجہ سے الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے الفاظ خلط ملط ہو گئے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہکاری آوازوں والے حروف کی الگ تقطیع قائم نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہائے ہوز (ہ) اور ہائے دوچشمی (ھ) میں امتیاز نہیں رہا۔ اس لغت میں چوں کہ تمام اندراجات یعنی مفردات، مرکبات، محاورات

اور فقرات کو مکمل تہجی ترتیب سے رکھا گیا ہے اس لیے اصل اندراجات اور ذیلی اندراجات میں بھی امتیاز باقی نہیں رہا۔ یہ لغت، لغت نویسی کے جدید اصولوں سے اس لیے میل نہیں کھاتی کہ اس میں تلفظ، اصل نیز معنی وغیرہ کی نشان دہی کے سلسلے میں تمام فیصلے لغت نویسی کے اصولوں کی بجائے ذاتی رائے کے تحت دیے گئے ہیں، جو کہ سراسر محدود اور لکھنویت پر مبنی ہوتی ہے۔ دلچسپ بات بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس رائے کے لیے بیانگ دہل قولِ فیصل کی اصطلاح بھی اختیار کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لغت تدوین و تحقیق اور تلاش کی بجائے علاقائیت پر مبنی تنقید بن کر رہ گئی ہے۔

(ج) لغتِ کبیر اردو

سید ہاشمی فرید آبادی کی روایت کے مطابق بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم جب ۱۹۳۰ء میں اورنگ آباد کالج کی صدارت سے سبکدوش ہوئے تو حکومتِ حیدر آباد نے انھیں بہ اصرار جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ اردو کا صدر مقرر کیا اور دس برس کے لیے بارہ ہزار روپے (سکہ عثمانیہ) سالانہ کی ایک خاص امداد بھی منظور فرمادی تاکہ وہ اردو زبان کی جدید کلاں تر لغت تالیف کردیں۔ بڑے منصوبوں کے ساتھ پوری مستعدی سے کام کا آغاز ہوا۔ مولوی احتشام الحق حقی دہلوی مددگار ہوتے ــــ ان کا کام صرف مطبوعہ اور دوسروں کے تلاش کردہ الفاظ کو ترتیب سے جمانا، ان کی شرح اور معانی کی ضرورت ہو تو، صاف اور سلیس لکھنا تھا۔ نظرِ ثانی خود مولوی صاحب اور ایک کمیٹی کرتی تھی۔ جس میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، جناب پنڈت کیفی اور سید ہاشمی فرید آبادی تھے۔ الفاظ کی اصل اور سرگزشت کا پتہ چلانے کے لیے سنسکرت اور ہندی زبانوں کے بعض ماہر (پنڈت ونش دھر وغیرہ) مامور تھے اس لغت کے چند اجزا حیدر آباد کے سرکاری مطبع میں چھپے تھے کہ تقسیمِ ملک کی آندھیوں میں دفتر پراگندہ ہو گیا۔[1]

---

[1] پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو (۱۹۵۳ء) بحوالہ لغت کبیر اردو، ۲۔ ۱۹۷۰ء

سید ہاشمی فرید آبادی کے اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ 'لغتِ کبیر اردو' کی تدوین کا کام، اس کی پہلی جلد کی اشاعت (۱۹۷۳ء) سے تقریباً نصف صدی (۴۴ سال) پہلے شروع ہوا تھا، جس کا سلسلہ تقسیم ملک کی وجہ سے رک گیا۔ بابائے اردو پاکستان چلے گئے۔ انھوں نے وہاں پر انجمن ترقی اردو پاکستان کی داغ بیل ڈالی اور کراچی میں تدوینِ لغت کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ انجمن کے سہ ماہی رسالے "اردو" میں تدوین شدہ لغت کے نسخے بالاقساط شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پھر اسے باقاعدہ لغت کی شکل میں چھاپنے کا فیصلہ کیا گیا، چنانچہ ۱۹۷۳ء میں اس کی پہلی جلد انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی سے شائع ہوئی جس میں الفِ ممدودہ سے 'آگ' تک کے الفاظ شامل ہیں۔

اس لغت کے شروع میں بابائے اردو کا ایک طویل مقدمہ بھی شامل ہے جو اس سے پہلے رسالہ اردو[1] میں بھی شائع ہو چکا تھا اور جو ان کی لغت نویسی کے لیے ہدایتی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں بابائے اردو نے اردو لغات کی جن خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سرمایہ لسانی کی شمولیت، محاوروں کی سند، بے جا طول نویسی، تلفظ کی صحیح نشان دہی اور لغت کو قاموس نہ بننے دینے کی ضرورت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اندھا دھند نقلِ لغت کے نقص کو بھی واضح کیا۔ اس سلسلے میں صحیح لغت نویسی کے لیے آکسفورڈ ڈکشنری کے طریقہ کار کا بھی ذکر کیا۔ یہاں پر بابائے اردو کے اپنے اٹھائے ہوئے نکات کی روشنی میں ہی ان کی تدوین کردہ 'لغتِ کبیر اردو' جلد اول کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

بابائے اردو نے 'فرہنگ آصفیہ' نیز 'امیر اللغات' کے حوالے سے اپنے سابق الذکر مضمون (رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۱) نیز اس لغت میں شامل اپنے تفصیلی مقدمے میں اردو لغات کا ایک اہم نقص یہ بتایا ہے کہ بیشتر لسانی سرمائے کو متروک، غیر فصیح، غیر معیاری، عوامی اور بازاری وغیرہ قرار دے کر ان لغات سے باہر رکھا گیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے مضمون "اردو لغات اور لغت نویسی" مشمولہ رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۳۱ء)

ان کے خیال میں لغت میں سب لفظ ہونے چاہئیں، خواہ وہ رائج ہوں یا متروک اور ان کے تمام معانی اور استعمال شامل کرنے چاہئیں[1]۔

بابائے اردو کی اس صائب رائے سے انکار کسی طور بھی ممکن نہیں اور ان کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ اس کام کے لیے ایک بڑے سرمائے، بڑی ٹیم اور کافی محنت و تلاش کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بابائے اردو نے اپنی اس لغت میں تمام دستیاب لفظی سرمائے کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس کوشش میں کہیں کہیں حد سے تجاوز کا احساس شدید طور پر کھٹکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ الفاظ کے لغاتی حیثیت کے تعین میں غلطی کرتے ہوئے کہ ان کی تصریفی اور غیر لغاتی شکلوں یا قواعدی استعمال کی نوعیتوں کو بھی اندراج لغت کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر:

"آ" کو ایک لغاتی اندراج مانا گیا ہے۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے پہلے تو (معنی نمبر ۱) اسم مونث بتاتے ہوئے موسیقی کی اصطلاح میں اس کے معنی "طویل لے" دیے گئے ہیں جو کہ بالکل درست ہے۔ لیکن قباحت اس کے معنی نمبر ۲ تا ۴ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان معنوں کے لحاظ سے ہی اس کے کئی غیر لغاتی اندراجات شامل لغت کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ آ کے بعد دوسرا بنیادی اندراج "آ آ" بھی ہے۔ جو کہ لغاتی اکائی (LEXICAL UNIT) ہونے کے بجائے "آنا" کی ایک محض تصریفی شکل ہے۔ خود مولفِ لغت نے اس کے معنی دیے ہیں۔

(۱) آ کی تاکید و تکرار، کثرت اور بہتات کے اظہار کے لیے جیسے: ناک میں دم آ آ گیا (۲) تف، 'آ آ کر' کا مخفف بمعنی بار بار، جیسے مکھیاں آ آ بیٹھتی تھیں (۳) مث، آ (معنی ۱) کی تکرار، م: "آ آ زیادہ کرتی اور گاتی کم"[2]

---

[1] مقدمہ لغت کبیر اردو جلد اول ص۲۴ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۷۳ء

[2] لغت کبیر اردو، جلد اول ص۱، ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

اس اندراج کے مذکورہ بالا تینوں معنوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صرف آنا کی تصریفی شکل ہے جو قواعدِ زبان سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر آ اور آآ کو، جو کہ محض تصریفی شکلیں ہیں، لغاتی اندراج کی حیثیت دی جاتی ہے۔ تو پھر اردو کے تمام افعال کی تصریفی شکلوں کو بھی لغاتی اندراج کی حیثیت دینی ہوگی اور اس کے مطابق جا جا، چل چل، کھایا، کھا کھا، رو، رو رو، سو، سو سو، وغیرہ کو بھی لغت میں شامل کرنا ہوگا۔ بات بالکل واضح ہے کہ جس طرح کھانا کا امر کھا، جانا کا امر جا، اور ان کی تاکید و تکرار کھا کھا، جا جا بنتی ہیں، وہی صورت آنا کے امر آ اور اس کی تاکید و تکرار آآ کی بھی ہے۔ اس کا تعلق محض قواعد سے ہے۔ اس لیے ان تصریفی شکلوں کو شاملِ لغت کرنے کا کوئی جواز سامنے نہیں آتا۔

بات صرف آ، یا آآ پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آآ کے ایسے ذیلی اندراجات بھی قائم کیے گئے ہیں جو لغت سے تعلق نہیں رکھتے۔

"آآ کر، آ آ کے، آ بیٹا آ، آ تو سہی، آ جا، آ جاری چھے یار، آ جاری نندیا تو آ کیوں نہ جا نھے کی آنکھوں میں گھل مل جا، آ چکار، آ چکنا، آ کر، آ کے، آ جائیں، آ تے، آتے آتے، آتے آؤ، جاتے جاؤ، آتے جاتے، آتے پیچھے کو جاتے، آتے جاتوں، آتے جاتے، آ جیتوں، آتے کون کو...... (ص ۱۲۱) یا آسمانا، سما جانا (ص ۲۳۲)"[1]

بنیادی اندراج آج کے تحت یہ اندراج بھی ملتے ہیں۔ آج آج، آج تک، آج رات، آج سے، آج شب، آج کا، آج کا دن، آج کا روز، آج شب، آج کا آج کا دن، آج کدھر بھول پڑے، آج کدھر سے چاند نکلا، آج کس کا منھ دیکھا ہے، آج کس کی صورت دیکھی تھی، آج کل، آج کل کے، آج کو، آج کی، آج میں ہوں، اور تو ہے، وغیرہ وغیرہ[2]

ایک مثال اور لیجیے:-

---

[1] لغت کبیر اردو، جلد اول ص۸، انجمن ترقی اردو کراچی (۱۹۷۳ء)

[2] 〃 〃 صفحہ ۱۵۵ 〃 ۱۹۷۰ء

"آخری" کے تحت آخری بات، آخری بہار، آخری درجہ، آخری درشن، آخری دیدار، آخری زمانہ، آخری ساعت، آخری سلام، آخری صورت، آخری فیصلہ یا آخری طلاق، آخری فصل، آخری فیصلہ، آخری قیمت، آخری گھڑی یا آخری نظر، آخری وقت، آخری ہاتھ، آخری ہفتہ وغیرہ (ص۱۷۱) "دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر اندراجات آخر کے ذیل میں بھی دیے جا چکے تھے۔

بابائے اردو چوں کہ ایک اچھی لغت میں تمام لفظی سرمائے کو شامل کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس لیے وہ ایسا کرنے کی کوشش میں غیر لغاتی اندراجات بھی لغت میں شامل کر بیٹھے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس لغت میں کچھ ایسے الفاظ بھی شامل کر لیے ہیں جو نہ صرف عوامی ہیں بلکہ ٹکسال باہر بھی ہیں، وہ خود بھی ان الفاظ[1] کی کوئی سند پیش نہیں کر سکے ہیں۔ مثال کے طور پر آتش (عوامی، عاتش) آتسا (عوامی عاتشہ) اور آسرم (آشرم) آسرمی وغیرہ[1]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آسرم کی سند کے طور پر آرائش محفل سے جو اقتباس پیش کیا گیا ہے اس میں آسرم کی بجائے آشرم ہی استعمال ہوا ہے[2]۔ اس کے دوسرے اندراجات آسُر (دیو، بھوت)، اور آسُری (دیو، بھوت سے متعلق) بھی محل نظر ہیں۔ اگرچہ کہیں مستعمل ہوئے ہیں۔ تو سند ضروری تھی۔ الفاظ کی جمع بھی شامل لغت کی گئی ہے[3] اسی طرح آپ کے تحت بھی سینکڑوں غیر لغاتی اندراجات ملتے ہیں۔

غرضیکہ یہ لغت اس طرح کے غیر لغاتی اندراجات سے بھری پڑی ہے۔ ان اندراجات کو واقعی لغاتی اندراج کی حیثیت دینے میں دو قباحتیں بالکل واضح ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر انھیں بالفرض لغاتی حیثیت دے دی جائے تو پھر زبان کے تمام صرف اور استعمالات کو بھی اندراج لغت قرار دے کر لغت میں شامل کرنا ہوگا۔ اور آج ضمی کی طرح کل کے تحت، یا جاتا کے امر جا کی بھی تمام

---

[1] لغت کبیر اردو جلد اول ص۲۷۲، [2] ص۲۹۶

[3] مثلاً آسودگاں، اور آسودگانِ خاک (ص۲۳۹) آخذہ (اخذ کرنے کی صلاحیت) ص۲۷۵

تصریفی شکلوں کو لغت میں لازماً شامل کیا جائے گا۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لغت میں اندراجی حیثیت حاصل کرنے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس ترکیب، استعمال، فقرے، کہاوت کے ظاہری اور لفظی معنوں کے علاوہ کچھ مرادی یا محاوراتی معنی بھی اس میں مضمر ہوں۔ اگر آج کی اور آج کا، کے معنی آج، اور کی یا کا کے معنوں سے الگ نہیں ہیں۔ اور صرف اپنے لغوی یا لفظی معنوں تک ہی محدود ہیں تو انھیں لغاتی اندراج کی حیثیت دینا لغت نویسی کے تقاضوں سے ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ مثال کے طور پر پائے اردو کی اس لغت میں ایک اندراج "آداب بجالاتا ہوں" ہے۔ دوسرا اندراج "آداب بجالانا" ہے۔ دوسرے اندراج کو اگر[1] محاورہ مان لیا جائے تو اس کے اندراجی حیثیت کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر "آداب بجالاتا ہوں" کو اس لیے لغاتی اندراج (LEXICAL ENTRY) کی حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ ایک تو یہ محض استعمال ہے کیوں کہ آداب بجالاتا ہوں کی طرح آداب بجالاتی ہوں، آداب بجالاتے ہیں اور آداب بجالائیں گے" وغیرہ کو بھی لغت میں شامل کرنا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ خود اس استعمال — "آداب بجالاتا ہوں" اور اس استعمال کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی آداب بجالاتا ہوں کے معنی آداب بجالاتا ہوں ہی ہوں گے۔ یہ صورتِ حال مولف کے شعور میں کہیں نہ کہیں یقیناً موجود رہی ہوگی۔ جب ہی انھوں نے اسے "طنزاً مستعمل قرار دے کر" "ادب تمام یاد دلاتا ہوں"، اس کے معنی دیے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ "آداب بجالانا"، کا اندراج جب لغت میں شامل کر دیا گیا ہے تو پھر آداب بجالاتا ہوں کو شامل کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کیوں کہ آداب بجالانا کے تمام محاوراتی اور لغوی معنی واضح ہو جانے کے بعد آداب بجالاتا ہوں کے معنی بھی از خود

---

[1] سابقہ لغات، خاص طور پر مہذب اللغات اور نور اللغات کے اتباع میں۔ اس لغت میں بھی محاورات کو فعل لازم یا فعل متعدی ہی بتایا گیا ہے۔ تفصیلی بحث قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے ضمن میں کی جائے گی۔

واضح ہو جاتے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا مثالوں کے ذریعے جو کچھ کہنے کی کوشش کی گئی ہے اس کا منشا یہ واضح کرنا ہے کہ بابائے اردو نے اگرچہ دوسری لغات کے ساتھ ساتھ خواجہ عبدالمجید کی مدون کردہ جامع اللغات میں اس خامی کی طرف بالکل درست اشارہ کیا ہے کہ جامع اللغات ـــ "اردو زبان کی لغت نہیں بلکہ اردو، ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی سب زبانوں کا ملغوبہ ہے۔ علاوہ الفاظ و محاورات کے بول چال کے فقرے اور کہاوتیں بھی لکھ دی ہیں"[2] مگر بول چال کے فقروں کی بھرمار خود ان کی اپنی لغت میں بھی ملتی ہے۔ چوں کہ راقم کو اس لغت کی پہلی جلد ہی مل سکی ہے، اور شاید شائع بھی صرف پہلی ہی جلد ہوئی ہے، اس لیے طولِ کلام سے بچتے ہوئے یہی کہنا مناسب ہوگا کہ اگر اس لغت میں فقروں، کلموں اور افعال کی تصریفی شکلوں کو شامل کرنے سے احتراز کیا جاتا تو یہ لغت ایک بڑی خامی سے مبرّا ہو سکتی تھی۔

اس لغت میں مختلف المعنی الفاظ کو بھی ایک ہی بنیادی اندراج کی حیثیت دی گئی ہے۔ یعنی اگر کوئی لفظ بیک وقت اسم اور صفت یا تابع فعل بھی ہے تو اس کو ایک ہی بار درج لغت کرکے اس کی مختلف قواعدی نوعیتوں کی نشان دہی کردی گئی ہے۔ گویا اس سلسلے میں فرہنگ آصفیہ اور نوراللغات کا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔[3]

---

[1] لغت کبیر اردو۔ صـ۳۵ (کراچی ۱۹۷۳ء)
اس لغت میں آداب کے تحت یہ اندراجات ملتے ہیں؛ آداب بجا لاتا ہوں، آداب بجا لانا، آداب بجالائی، آداب بجانا، آداب تسلیمات، آداب شاہی، آداب عرض کرتا ہوں، آداب عرض کرنا، آداب کرنا، آداب لینا، آداب مجلس وغیرہ وغیرہ (صـ۱۸۲)

[2] مقدمہ لغت کبیر جلد اول۔ صـ۳۳ ۔ ۱۹۷۳ء۔

[3] جیسا کہ متعلقہ باب میں کہا جاچکا ہے۔ مہذب اللغات وہ واحد لغت ہے جس میں معنی اور قواعدی نوعیت کے اختلاف والے تمام الفاظ کو الگ الگ اندراج کی حیثیت دی گئی ہے۔

مثال کے طور پر "آتش" کا ایک ہی اندراج قائم کر کے معنی نمبر (۱) سے معنی نمبر (۱۴) تک اسے اسم کے تحت رکھا گیا ہے اور معنی نمبر ۱۵ (گرم، تند و تیز) کی رو سے اسے صفت بتایا گیا ہے[۱]۔ مگر اس کا بنیادی اندراج ایک ہی ہے۔ اسی طرح "آشوب" کو اسمی معنی اور قواعدی معنوں (بطور لاحقہ) کے اختلاف کے باوجود ایک ہی اندراج بنایا گیا ہے[۲] آبی کے معنی نمبر ۲، آبی روٹی دیے گئے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد آبی روٹی کو الگ سے بھی اندراج بنایا گیا ہے۔ (ص۷۸)۔ لیکن جہاں کہیں اندراج کی اصل مختلف ہے اسے اصل کے اعتبار سے الگ الگ اندراج کی حیثیت دی گئی ہے۔ چنانچہ "آپا" (بمعنی ہمشیرہ۔ ترکی) اور آپا۔ (ہ) بمعنی اپنی ذات) کو دو علاحدہ اندراج کی حیثیت دی گئی ہے۔ (ص۸) اسی طرح "آس" (ایک گھاس) آس (عوامی عالش) اور آس (دلی تمنا) کو بھی الگ الگ ہی درج لغت کیا گیا ہے[۳]۔
ایک تیسری مثال۔ "آسا" کی ہے۔ یہ آسا نمبر (۱) چکی۔ آسا نمبر ۲ (عوامی عاشہ) آسا نمبر ۳ (ایک راگنی) اور آسا نمبر ۴ (ف۔ حرف تشبیہہ) کو بھی الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے۔ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اگر اس لغت میں ایک ہی زبان کے کسی لفظ کے معنی صرف لغوی یا قواعدی نوعیت سے مختلف ہیں تو انھیں ایک ہی اندراج بنایا گیا ہے۔ اور اگر یہ اختلافِ معنی اصل کے لحاظ سے ہے تو اسے الگ الگ درج کیا گیا ہے مگر یہ اصول کہیں کہیں ٹوٹ بھی گیا ہے۔ مثال کے طور پر "آخر" کا اصل، قواعدی معنی اور لغوی معنی کے لحاظ سے ایک ہی اندراج ہونا چاہیے تھا مگر عام طریقہ کار کے برخلاف اس کے اسمی اور قواعدی (متعلق فعل) اور صفتی معنوں کے لحاظ سے اسے تین الگ الگ اندراجات میں تقسیم کر دیا گیا ہے[۴]

---

۱ جلد اول ص۹۵
۲ " ص۳۵۱
۳ لغت کبیر اردو جلد اول ص۲۴۵ - ۱۹۷۳ء۔
۴ " " ص۱۵۸ تا ۱۶۱۔

میں درج نہ کرکے ، مفردات کے بغیر ، صرف ان کے جزو ثانی کو ہی درج کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے کسی اندراج کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر "آب" کا اندراج صفحہ ۱ پر ہے اور "ـــــ ودانہ" (آب ودانہ) کا اندراج صفحہ ۲۹ پر ـ یہاں پر "ـ ودانہ" کے مکمل اندراج کو سمجھنے کے لیے پیچھے کی طرف ورق گردانی کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصل میں آب ودانہ ہے جس میں علامت ـــــ کے ذریعہ آب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس طرح آب ودانہ کے لیے پہلے آب تک پہنچنا ضروری ہوگا ـــــ[1]

اس ہجائی ترتیب اور ذیلی اندراجات کو مکمل شکل کی بجائے جزوی شکل ـ آ ـــ ریز ـــ (آب ریز) ۱۱ میں درج لغت کرنے کے نتیجے میں عجیب سی تکرار کی صورت بھی سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر "آب جوش" "آب چین" "آب چیک" آب خانہ ، آب خور ، آب دار ، آب داری ، آب شورہ ، آب گینہ ، وغیرہ دسیوں اندراجات کو پہلے آب (معنی ـ پانی عرق) کے تحت درج کیا گیا ہے پھر یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ دیکھو " آبجوش " آبچیں ، آبگینہ وغیرہ ـ اس کے بعد ان اندراجات کو آب (معنی چمک دمک) اور آب (معنی باڑھ ، دھار ، کاٹ) کے تحت بھی درج کیا گیا ہے۔ اور پھر آگے چل کر ان اندراجات کو مفرد اندراج کی شکل میں بھی درج کیا گیا ہے۔ اور اس چوتھے اندراج کے تحت ہی ان کے معنی وغیرہ دیے گئے ہیں۔ اس طرح آب دار۔ آب داری وغیرہ اس لغت میں چار بار درج کیے گئے ہیں[2]

پروفیسر مسعود حسین کی روایت کے مطابق یک لسانی اردو لغت نویسی کی تاریخ میں ہکاری یا نفسی آوازوں کو جداگانہ حرف تہجی کی حیثیت دینے اور معتبر

---

[1] لغت کبیر اردو ـ جلد اول صفحہ ۲۹ (کراچی ۱۹۷۳ء)

[2] " " " صفحہ ۳ سے ۵ " "

[3] دو لسانی لغت میں اس قسم کی جزوی کوشش مرزا جان طپش دہلوی کی شمس اللسان فی مصطلحات ہندوستان (۱۲۱۷ ہجری مطابق سنہ ۱۷۹۲ء) میں ملتی ہے۔ تفصیل کے لیے اس مقالے کا باب اول ملاحظہ کیجیے۔

"لغت کبیر اردو" میں جہاں تک اندراجات کی ترتیب کا تعلق ہے۔ تو اسے خالصتاً ہجائی رکھا گیا ہے۔ اس طرح مفردات کے ساتھ ساتھ مرکبات اور محاورات کو بھی ہجائی ترتیب سے ہی درجِ لغت کیا گیا ہے۔ اس صورت میں مطلوبہ لفظ یا اندراج کی تلاش میں کافی دشواری پیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر "آتا" اندراج صفحہ ۹۲ پر ہے۔ اس کے بعد آتر، آتش، آتشک، آتشی وغیرہ اندراجات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۱۲۰ تک جاری رہتا ہے اور آتو، آتوں، آتی پاتی، اندراجات کے بعد آتا کا تکمیلی اندراج آتے ملتا ہے۔ اس طرح آتا اور آتے کے درمیان تقریباً ۲۸ صفحات کا فصل قائم ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح مکمل ہجائی ترتیب قائم ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ پیش آتی ہے کہ بعض مرکبات، اپنے مفردات سے اتنے دور چلے جاتے ہیں کہ کبھی کبھی ان کے گم ہو جانے کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے۔ شاید اسی دشواری کے پیشِ نظر پاکستان ترقی اردو بورڈ کی "اردو لغت"[1] میں "لغت کبیر اردو" سے کسی قدر مختلف اور آسان طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ پہلے مفردات سے بننے والے تمام مرکبات محاورات اور فقرے وغیرہ درجِ لغت کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد مفردات کے لحاظ سے ہی ہجائی ترتیب قائم کر کے، دوسرے مفردات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ البتہ مفردات کے ذیلی اندراجات کے سلسلے میں مکمل ہجائی ترتیب کا التزام رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے "جگر" اور پھر اس کے تمام مرکبات اور محاورات دیے گئے ہیں اور یہ سلسلہ صفحہ ۶۶۰ سے صفحہ ۶۶۲ تک جاری رہتا ہے۔ صفحہ ۶۶۳ پر اگلا منفرد اندراج "جگرا" ملتا ہے۔ اس کے بعد "جگرہ" اور پھر "جگری" ہے۔ یہ طریقۂ کار "لغت کبیر اردو" میں اختیار کردہ طریقۂ کار کے لحاظ سے لغت بین کے لیے آسان ثابت ہو سکتا ہے۔

"لغت کبیر اردو" میں ترتیبِ اندراج کے سلسلے میں ہی ایک دوسری قابلِ ذکر بات یہ مشاہدے میں آتی ہے کہ اس میں مرکبات اور محاورات کو مکمل شکل

---

[1] اردو لغت۔ جلد ششم۔ صفحہ ۶۶۳ اردو لغت بورڈ۔ کراچی ۱۹۸۴ء۔

بنانے کا سہرا دراصل اردو لغت (کراچی) کی بجائے مولوی عبدالحق کے سر ہے۔ جنھوں نے ۱۹۳۰ء میں اس لغت کا منصوبہ بناتے وقت یہ طے کیا تھا کہ "ب" کے بعد "بھ" کا حرف آئے گا۔ چنانچہ اس لغت کے جو حصے مرتب ہو چکے تھے ان میں "بھ" آخری حرف ہے لیے اردو کی ہکاری یا نفسی آوازوں (بھ، پھ، تھ، دھ وغیرہ) کو باقاعدہ صوتیہ (PHONEME) کی شکل میں جداگانہ حرف کی حیثیت دینے کا معاملہ کافی اختلافی چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اردو کے پہلے باقاعدہ قواعد نگار انشاء اللہ خان انشاء (دریائے لطافت) اور بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق (قواعد اردو) نے ان ہکاری آوازوں کو باقاعدہ جداگانہ حروف کی حیثیت دی ہے، اور پروفیسر مسعود حسین نے بھی انھیں اردو صوتیات میں مفرد صوتیہ کی ہی حیثیت دی ہے[2] اور اردو ترقی بورڈ کی زیر تالیف "اردو لغت" میں بھی (جس کے موصوف چیف ایڈیٹر بھی رہے ہیں) ان آوازوں کو باقاعدہ حروف تسلیم کر کے ان کی علاحدہ تقطیع قائم کر دی گئی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین نے اس سلسلے میں جناب شمس الرحمان فاروقی کی اس رائے کو کہ "حروف تہجی میں اضافہ کی یہ کوشش نہ صرف قبیح اور غیر ضروری ہے بلکہ غیر فطری اور غیر سائنسی بھی ہے"[3] حقیقت کے برعکس بتایا ہے اور مثالوں کے ذریعے اُن قباحتوں کی نشان دہی کی ہے جو ان آوازوں کو علاحدہ حروف تہجی قرار نہ دینے کی صورت میں لغت نویسی میں پیش آتی ہیں[4]

بابائے اردو کی اس لغت میں شامل اہم مقدمے میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "ہماری لغات

---

[1] مضمون۔ اردو لغت نویسی کے بعض مسائل۔ ص۲۲۔ مشمولہ ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات۔ ڈاکٹر عابد حسین میموریل ٹرسٹ نئی دلی (۱۹۸۵ء)

[2] مضمون: اردو صوتیات کا خاکہ، مشمولہ شعر و زبان (حیدرآباد۔ ۱۹۶۶ء)

[3] مضمون اردو لغت اور لغت نگاری۔ لغت نویسی کے مسائل۔ مکتبہ جامعہ۔ (نئی دہلی ۱۹۸۵ء)

[4] اردو لغت نویسی کے بعض مسائل۔ مشمولہ ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات عابد حسین میموریل ٹرسٹ۔ (نئی دہلی۔ سنہ ۱۹۸۵ء)

میں اس باب میں بہت بے توجہی پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے پڑھنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور غلط تلفظ رائج ہو جاتا ہے۔ قدیم طریقہ اچھا تھا۔ اس میں تلفظ عبارت میں ظاہر کر دیا جاتا تھا۔ اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس میں طوالت تھی اور پڑھنے میں الجھن[1] ہوتی تھی لہذا یہ ضروری ہے کہ اعراب کا اور ان سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کا تعین کر دیا جائے اور انھیں لغت کے شروع میں مثالوں کے ساتھ لکھ دیا جائے۔ جن الفاظ کے تلفظ میں غلطی کا احتمال ہو ان کو قوسین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا الگ الگ حروف میں اعراب کے ساتھ لکھ دینا چاہیئے[2]

تلفظ کے سلسلے میں ڈاکٹر عبد الحق مرحوم کی اس بلیغ رائے کی موجودگی میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اس "لغت کبیر اردو" میں اس کا خاص التزام کیوں نہیں رکھا گیا؟ صورت یہ ہے کہ اس لغت میں الفاظ اور اندراجات کا بالعموم تلفظ نہیں دیا گیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اختلافِ تلفظ کی نشان دہی کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ مگر اس سلسلے میں بھی یکسانیت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "آتش" کے بارے میں قوسین میں یہ رائے ملتی ہے (ت کے زیر و زبر دونوں سے صحیح، اردو میں اکثر زبر سے بولتے ہیں مگر قافیہ میں زیادہ تر زیر لاتے ہیں[3]

اسی طرح "آٹھ، آٹھواں، آٹھوں" کے تلفظ کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے مگر "آٹھوں گانٹھ کمیت" کے اندراج میں صرف کمیت کا تلفظ (ک م ے ت) اور اس کے بعد آٹھویں لفظ کا تلفظ (آ ٹھ وی ں) دیا گیا ہے (ص ۱۳۵)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی پر زیادہ زور نہیں

---

[1] ترقی اردو بورڈ پاکستان کی "اردو ـــ اردو لغت" میں یہی وضاحتی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جب کہ بابائے اردو اس لغت کے مدیر اول رہ چکے تھے۔

[2] مقدمہ لغت کبیر اردو - جلد اول - ص ۵۵ (کراچی سنہ ۱۹۷۳ء)

[3] لغت کبیر اردو - جلد اول ص ۹۲ - (")

دیا گیا ہے۔ ورنہ تمام اندراجات کے تلفظ کی ہر حال میں نشان دہی کی گئی ہوتی۔ چنانچہ اندراج "آرائش" کا تلفظ (آ را۔ اِش) تو دیا گیا ہے مگر بعد کے اندراجات۔ آزادگی، آسیب، آصف، آصفر، اور آصفی وغیرہ کا تلفظ اس لغت میں نہیں ملتا۔[۱] اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس لغت میں تلفظ کے سلسلے میں اختیار کردہ طریقہ کار اس کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

اس لغت میں اندراج کے تلفظ کی وضاحت کے بعد اس کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ بابائے اردو چوں کہ زبردست قواعد داں تھے اس لیے اس لغت میں اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی بہت ہی جامع طریقے پر کی گئی ہے۔ اس کے اس قواعدی حصہ کو لغت کا اہم ترین حصہ قرار دیا جا سکتا ہے کیوں کہ بابائے اردو سابقہ لغات کی جن قواعدی خامیوں کی طرف اشارہ اپنے سابقہ مضامین میں کر چکے تھے، ان کا ازالہ انھوں نے اس لغت میں کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور محسوس ہوتی ہے کہ ان کی قواعد فارسی قواعد سے حد سے زیادہ متاثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولفِ موصوف اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کرتے وقت ان کے قواعدی اور لغاتی عناصر میں امتیاز نہیں کر پاتے اور انھیں بہ اعتبارِ لغت قواعدی نام دینے کی بجائے بہ اعتبارِ قواعد قواعدی نام دیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر الف کے معنی میں اس کی تمام قواعدی نوعیت بیان کر دی گئی ہے۔ الف کی وضاحت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ناظرِ لغت کی بجائے کسی قواعد کی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔ چنانچہ آلت کی وضاحت کرتے کرتے اسم آلہ تک پہنچ گئے ہیں۔ قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ ان گنت اندراجات کی قواعدی نوعیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ گویا کہ جو بات تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں کہی جا سکتی ہے وہی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آریا۔ اور دوسرے بہت سے اندراجات کی قواعدی نوعیت

---

[۱] لغت کبیر اردو - جلد اول (صفحہ ۱۳۵، ۲۰۸، ۲۲۳، ۳۰۰ -

نہیں بتائی گئی ہے۔ مرکبات کی قواعدی نوعیت کی بھی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔

کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی مبہم رہی ہے۔ مثال کے طور پر "آتشکی (آتشک کے مریض) کو صفت لکھ کر "آتشکیا" دیکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ آتشکیا دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ اسے صریحاً مذکر لکھا گیا ہے، اور آتشک زدہ دیکھنے کی ہدایت کی گئی ہے مگر "آتشک زدہ" کو پھر صفت لکھ کر "آتشک کا مارا" دیکھنے کے لیے کہا گیا ہے اور "آتشک کا مارا" کو صفت لکھا گیا ہے۔ اسی طرح ایک ہی معنی والے چھ اندراجات کو دو مختلف قواعدی نوعیت کے خانوں میں رکھا گیا ہے[1]۔

بعض اندراجات کی قواعدی نوعیت کے تعین اور اس کی نشان دہی کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "آدھاری"[1] اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر صفت ہے مگر اسے واضح طور پر اسم مذکر لکھا گیا ہے[2]۔ اسی طرح "آج" کو مؤنث لکھنا بھی کھٹکتا ہے[3]۔ "آرا" کو اندراج بنایا گیا ہے۔ جب کہ "آرا" (ف۔ صفت لاحقہ) اردو میں الگ استعمال نہیں ہوتا، صرف مرکبات میں لاحقہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر "آرا" کو اندراج کی حیثیت دے کر اسے صفت لکھا گیا ہے تو اس اصول کے تحت "آرام" کے صفتی معنی بھی دے کر

---

[1] لغات کبیر اردو۔ جلد اول۔ ص ۱۱۴ - ۱۱۵ (کراچی ۱۹۷۳ء)

[2] " " ص ۲۱۳

[3] " " ص ۱۲۴

اسی طرح "آتا۔ (یعنی آنے والا شخص یا۔ کوئی آنے والا) کو بھی صفت کی بجائے مذکر لکھا ہے۔ (ص ۱۱)۔ آبی کو معنی نمبر ۱، نمبر ۲، اور نمبر ۳ کے لحاظ سے اسے درست طریقے پر صفت لکھا گیا ہے کہ مگر نمبر ۴ (ایک قسم کی روٹی جو تنور میں پکائی جاتی ہے۔) کو تصریح کے ساتھ اسم، مؤنث لکھنا چاہیے تھا۔ مگر اس کے معنی بھی صفت کے ذیل میں ہی دیے گئے ہیں (ص ۲۳) اسمائے صفات کی تانیث کو بھی صرف صفت نہ لکھ کر صفت مؤنث لکھا گیا ہے۔ چنانچہ آدھا کو صفت اور آدھی کو صفت مؤنث لکھا گیا ہے (ص ۲۰۲)

اسے صفت بھی لکھنا جانا چاہیے تھا، کیوں کہ مولف نے آرا کے معنی کے ساتھ "خود آرا"، "دل آرا"، اور "صف آرا" کی ترکیبیں بطور مثال درج کی ہیں۔ اس اعتبار سے آرام کو بھی صفت بنا کر "دل آرام" کی ترکیب بطور مثال پیش کرنی چاہیے تھی۔[1]

ان چند معمولی خامیوں، بلکہ کوتاہیوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس لغت میں اندراجات کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں کافی دقتِ نظری سے کام لیا گیا ہے اور اردو لغات میں موجود ایک عام اور بڑی خامی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لغت کبیر اردو میں اصل کی نشان دہی دوسری لغات کے برخلاف قواعدی نوعیت اور معنی کے درمیان نہ کر کے آخر میں کی گئی ہے، اور قواعدی نوعیت کے بعد معنی دیے گئے ہیں۔ معنی کی نشان دہی کے سلسلے میں زیادہ سائنسی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ اور حتی الامکان ہم معنی اور قریب المعنی مترادفات میں حدِ فاصل قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے مگر یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ قواعدی نوعیت کی نشان دہی کی طرح معنوی وضاحت بھی قواعدی عنصر سے بوجھل نظر آتی ہے۔ اس لغت کی ایک بڑی خامی تو یہ ہے ہی کہ اس میں افعال و مصادر کی تصریفی شکلوں (آتا، آ، آؤ) وغیرہ کو تو شامل کیا ہی گیا ہے، معنی کی نشان دہی کے سلسلے میں بھی قواعدی عنصر کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی بہترین مثال "آ" اور "آنا" کے معنی سے دی جا سکتی ہے۔ "آ" کے تحت جو معنی اور مثالیں دی گئی ہیں ان کا تعلق معنی سے کم، لہجوں سے زیادہ ہے: "آ" (امر، واحد) (۱) بلانے کے لیے، (۲) دھمکی یا تہدید کے لیے، (۳) ٹوک کر بلانے یا چنوتی دینے کے لیے (۴) شوق یا الحاح کے طور پر، (۵) بطور امدادی فعل۔ یہ سب دراصل امرِ واحد کی ہی شکلیں ہیں جن کے معنوں میں باہم کوئی فرق نہیں ہے، صرف استعمال کے لہجے سے ان کے معنوں کے رخ بدلتے رہتے ہیں، مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔[2]

---

[1] لغت کبیر اردو۔ جلد اول ص ۲۱۳

[2] " " ص ۴، ۵۔

اسی طرح "آتا" (آنے والا شخص یا کوئی آنے والا) کے پانچوں[1] معنی دراصل ایک ہی مفہوم کو واضح کرتے ہیں اور صفتی معنی رکھتے ہیں۔ اگر اس کے معنی صرف "کوئی بھی آنے والا" دے دیے جائیں تو اس لغت میں درج پانچوں معنی کی ترسیل ہو جاتی ہے۔

لغت کے اندراجات کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے کہ اس لحاظ سے اس میں کافی تکرار پائی جاتی ہے۔ یہ تکرار صرف اندراجات کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہے بلکہ معنی کی وضاحت یا ان کے تعین کے لحاظ سے بھی یہ تکرار اس لغت میں در آئی ہے۔ مثال کے طور پر "آب" کے دوسرے اندراج کے تحت اس کے معنی "چمک دمک، سو، درخشندگی، تابانی، جلا، جوت، وغیرہ دیے گئے ہیں اور ذیلی اندراجات کے طور پر آب آنا، آب اترنا، آب اڑنا، آب جانا، آب چڑھانا، آب چڑھنا، کے تحت جو معنی دیے گئے ہیں، وہی معنی آب کے تیسرے اندراج (بمعنی: تازگی، طراوت، تری وغیرہ) کے ذیلی اندراجات کے بھی دیے گئے ہیں۔ پھر آب کا ہی اگلا اندراج (بمعنی رنگ و روغن، آثار صحت) ہے جس کے تحت پھر ان ذیلی اندراجات کو شامل لغت کرکے ان کے وہی معنی پھر دہرائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر "آب آنا" کا اندراج پہلے آب (بمعنی چمک دمک، تابانی) کے تحت کیا گیا ہے۔ اور اس کے معنی بتائے گئے ہیں:- چمک آنا، جلا پیدا ہونا، اور سرور کے اس شعر سے مثال پیش کی گئی ہے:

خاکساری سے بڑھی دل کی صفا — خاک سے آئینے میں آب آگئی

اور پھر اس کے بعد آب آنا کا دوسرا اندراج اگلے صفحے پر آب (بمعنی تازگی طراوت) کے تحت بھی ملتا ہے، اور اس کے معنی بتائے گئے ہیں، تازگی طراوت پیدا ہونا۔ مثال: "چھینٹا پڑتے ہی درختوں پر آب آگئی" پھر آب آنا کا تیسرا اندراج اگلے صفحے پر (بمعنی رنگ و روغن، حسن اور رونق) کے تحت بھی کیا گیا ہے اور اس کے معنی دیے گئے ہیں، "رونق آنا" "پانی پھرنا"[2] اور مثال کے طور پر یہ فقرہ درج کیا گیا ہے۔

---

[1] لغت کبیر اردو جلد اول ص۹۳ ۔ (کراچی ۱۹۷۳ء)

[2] آب آنا کے ایک معنی "پانی پھرنا" بجائے خود غور طلب ہے۔

"چہرے پر آب آگئی"

اگر کوئی ناظرِ لغت، لغت میں "آب آنا" کے معنی تلاش کرنا چاہے گا تو وہ یہ طے نہیں کر سکے گا کہ وہ اس کے کس معنی کو زیرِ نظر عبارت کے مطابق سمجھے۔ یہی صورتِ حال دوسرے کئی محاورات کے اندراج اور معانی کے سلسلے میں بھی سامنے آتی ہے۔ دراصل اندراجات کی تکرار کی وجہ سے ہی معنی کے تکرار کی یہ صورتِ حال واقع ہوئی ہے۔ اگر واقعی "آب آنا" کے یہ تینوں معنی ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ ان کی الگ الگ نشان دہی ضروری تھی تو مناسب ترین طریقہ یہی ہوتا کہ "آب آنا" کو ایک ہی اندراج بنا کر ان کے یہ تینوں معنی درج کر دیے جاتے۔

اس لغت میں چوں کہ غیر لغاتی مرکبات اور فقروں کو بھی اندراجِ لغت کی حیثیت دے دی گئی ہے، اس لیے کبھی کبھی معنوی وضاحت کی بو العجبیاں بھی مشاہدے میں آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندراج اور اس کے معنی میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس لغت کا ایک غیر لغاتی اندراج ــــ "آداب عرض کرتا ہوں" ہے جس کے معنی کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ دیکھو "آداب بجا لاتا ہوں" اندراج "آداب بجا لاتا ہوں" بھی چوں کہ ایک غیر لغاتی اندراج ہے، اس لیے اس کے معنی دیے گئے ہیں:۔ طنزاً مستعمل، یعنی باادب تمام یاد دلاتا ہوں، رخصت چاہتا ہوں، استعفیٰ دیتا ہوں[1] وغیرہ۔ یہ تمام معنی لغاتی نہیں ہیں بلکہ اس کے ان اشاراتی یا طنزیہ معانی کا تعلق اس کی ادائیگی کے لہجے سے ہے۔ جو زبان کے استعمال کے دائرے کی چیز ہے لغت کی نہیں۔ پھر یہ کہ اگر اس کے بعد کا دوسرا اندراج "آداب بجا لانا" دیا جانا ہی تھا تو بھی اس اندراج اور اس کے اس معنی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

معنوی وضاحت کے تعلق سے سابقہ لغات کی ایک بہت بڑی خامی اس لغت میں بھی در آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اندراجات کے محاوراتی معنی اصل اندراج کے تحت بھی دیے گئے ہیں اور پھر ان معانی کے اعتبار سے ان کے

---

[1] لغت کبیر اردو۔ جلد اول ص ۱۸۳

محاورات یا استعمالات کو بھی درج لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "آٹا" کے معنی نمبر (۳)[1]، (جو کہ خالصتاً مرادی معنی ہیں) صفت لکھ کر پھر ان معنی کے اعتبار سے "آٹا کرنا"، آٹا ہوتا، جیسے استعمالات یا محاورات بھی درج لغت کر دیے گئے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ "آٹا" کے یہ مرادی (یا صفتی) معنی ہی دیے گئے ہوتے یا پھر یہ معنی نہ دے کر محاورات کے تحت انھیں درج لغت کیا گیا ہوتا۔ اسی طرح ایک اور اندراج "آدمی"[2] یا دوسرے اندراج "آگ" کے تمام محاوراتی، مرادی یا علامتی معانی اصل اندراج کے تحت بھی دیے گئے ہیں اور پھر ان سے بننے والوں محاوروں کے تحت بھی۔ بہر حال یہ ایک خامی ہے جس پر اس لغت میں یقیناً توجہ دی جانی چاہیے تھی۔

سابق الذکر چند معمولی خامیوں سے قطع نظر، یہ لغت معنوی وضاحت کے لحاظ سے بھی سابقہ لغات میں ایک انقلابی بہتری کی حیثیت رکھتی ہے۔ معانی حتی الامکان توضیحی شکل میں دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اندازِ وضاحت خالصتاً سائنسی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح قریب المعنی اور ہم معنی الفاظ کو بطور مترادف دینے کے سلسلے میں بھی کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ غالباً یہ "لغت کبیر اردو" کا ہی طفیل ہے کہ پاکستان کے اردو ڈکشنری بورڈ کی اشاعت پذیر اردو لغت میں بھی معنوی وضاحت کافی ترقی یافتہ طریقہ کار سے کی جا رہی ہے۔

"لغت کبیر اردو" میں اندراج کی اصل کی نشان دہی سب سے آخر میں کی گئی ہے۔ عربی الاصل الفاظ کی اصل کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اور کہیں کہیں ان کا مادہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) آخر (... عربی، ا خ ر ــــ پیچھے، بعد)، ص۱۵۹،

(۲) آجر (ع - دیکھو اجر ص۱۲۷

---

[1] پسا ہوا، خستہ یا غبار، میدہ، سرمہ، کسی قدر دردرا، ذرا موٹا سفید دھولا - ص۱۲۲، ۱۲۳

[2] لغت کبیر اردو - جلد اول - ص۱۹۱، ص۱۴۱ تا ۱۴۴

[3] 〃 〃 〃 〃

(۳) آدم (ع - آدم، عبرانی - آدام - ادمہ، مرد) ص۱۸۸

اسی طرح فارسی الاصل الفاظ کی بھی نشان دہی کرتے وقت ان کے آخری ماخذ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(الف) آشنا (ف - ا + شنا - بمعنی جاننا، پہلوی آشناک)۔۔۔ اوستا - ژنا - جاننا، س گیان - جاننا[1])

(ب) آغاز (مشتق از آغازیدن، اوستا - افزہ، س اگرپیش) ص۲۴

(ج) آغوش (ف - آگوش، ا + (مادہ زبان) کش، س - کوس - گھیرنا۔ ص۲۶

یہی طریقہ کار سنسکرت الاصل الفاظ کے سلسلے میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

آٹا (س - اٹ) (ص۱۴۴)

آج - (س - ادیہ - پ - آج، پنجابی آج) ص۱۴۶

آگ (س - اگنی - پراکرت - اگی، پرانی ہندی اگن پنجابی - آگ) ص۱۴۱

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مولف لغت نے اندراجات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں کافی تلاش وتحقیق سے کام لیا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں محض پلاٹس کی ڈکشنری پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے۔ البتہ اس سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ مثال کے طور پر اس لغت میں "آرسی" کی اصل اس طرح دی گئی ہے۔

آرسی :- (س - آدرش - پ آدنس، آئینس) ص۳۹

اسی کی اصل پلاٹس کی ڈکشنری میں اس طرح دی گئی ہے :-

(س: आ + दर्श)[2]

کچھ اندراجات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں یونانی اور عبرانی ماخذات دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مثال :۔

---

[1] لغت کبیر اردو - جلد اول ص۳۲

[2] اردو - کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش ڈکشنری (اورینٹل بکس ری پرنٹ کارپوریشن نئی دہلی - سنہ ۱۹۷۷ء)

آروغ :- (ف، آرُغ ، آروق، آروغیدن ؛ روغ : یونانی - اے ری گو سے
لاطینی میں RUCTO ARE ، RUCTORE سے EROSOORO -
اس کے مادّہ کا تعلق فارسی لفظ " روغن " سے بھی پایا جاتا ہے، ص۱۳۲)

ایک دوسری مثال :-
آٹھ - (ہ - آٹھ - س : اشٹ - پ آٹھ ، پالی - اٹھ - لاطینی OCTO ف -
ہشت) ص۲۱

ب

آباد :- کی اصل کے ضمن میں لکھا گیا ہے : - (ف - اس کے اشتقاق کے متعلق بہت اختلاف ہے - قدیم ایرانی زبانوں میں کہیں نہیں پایا گیا - قدیم ایرانی زبانوں میں اس لفظ کی فرضی شکل تصور کر کے مادہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے . PAUL DE DAGARD نے اسے پارسی پارستانی (یعنی) میں " اپاردانہ " بتایا ہے - بہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ صحیح مادہ کیا ہے - اپاردانہ غالباً یہ پہلوی لفظ آپات سے لیا گیا ہے جو " ا " پات سے مرکب ہے - پات ، پا سے ہے . جس کے بنیادی معنی حفاظت کرنا ہیں) ص۳۲

پلاٹس کی ڈکشنری میں اسے سنسکرت الاصل بتاتے ہوئے اس کی اصل आवास دی گئی ہے [1]

اس لغت کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں عربی کے مفرس یا عربی اور فارسی کے مورّد الفاظ کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں سابقہ لغات کے برخلاف ، یعنی استعمال یا تصرف کو بنیاد نہ بنا کر ، اصل زبان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؛ اور پھر اس میں تبدیلی کی وضاحت کر دی گئی ہے - یعنی سابقہ لغات میں اگر کسی عربی ، فارسی یا ہندی لفظ میں کوئی ایسی تبدیلی آگئی ہے - جو صرف اردو سے مخصوص ہے تو اسے بے تکان اردو لکھ دیا گیا ہے جب کہ لغت کبیر اردو میں

---

[1] پلاٹس - اردو کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش ڈکشنری (ص۱ ۱۹۷۷ء)

ایسے الفاظ کی اصل یا ان کے ماخذ کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی اردو تبدیلی کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "آزمائش" سے آزمانا کی اصل تمام سابقہ لغات میں فارسی کی بجائے صرف اردو بتائی گئی ہے جب کہ لغت کبیر اردو میں اس کی اصل اس طرح دی گئی ہے۔

آزمانا:۔ (ف۔ فارسی مصدر آزمودن کے امر آزما سے اردو میں مصدر بنایا گیا ہے [1]

یا

آتشکیا:۔ (آتشک (ف) + یا، اردو لاحقہ فاعلی) [2]

یا

آغوشیا:۔ (ف + ہ۔ آغوش + یا ہندی لاحقہ فاعلی) ص ۲۶۳

یا

آدمی پن کو (ف + ہ) یعنی پہلے فارسی اور ہندی بتایا گیا ہے۔ پھر اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔ (ف، ہ + پن (ہندی۔ علامت اسم) [3]

آدم زاد: کو پہلے عربی، فارسی بتایا گیا ہے اور پھر اس کی توضیح اس طرح کی گئی ہے۔

(ع، ف) آدم (ع) + زاد (فارسی) [4]

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس لغت میں اندراجات کی اصل کی نشان دہی بہت ہی سائینٹی فک طریقہ سے اور بڑے جامع طور پر۔

---

[1] لغت کبیر اردو۔ جلد اول ص ۱۷۱
[2] " " ص ۱۸۵
[3] " " ص ۱۹۳
[4] " " ص ۱۹۳

کی گئی ہے اور اس طرح سابقہ لغات کی ایک بہت بڑی خامی کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔

ان معروضات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لغت وہ پہلی لغت ہے جس میں مولفِ لغت نے تنقیدِ لغت کی بجائے تالیفِ لغت کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بابائے اردو کو چوں کہ انگریزی لغت نویسی کا پورا ادراک حاصل ہو چکا تھا اور خود بھی اردو۔ انگریزی اور انگریزی۔ اردو لغت کی تدوین میں برسوں مصروف رہ چکے تھے اس لیے لغت نویسی کے جدید اور سائنٹیفک اصولوں اور طریقۂ کار پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کے علاوہ وہ انگریزی کی متداول بڑی لغات میں اختیار کردہ طریقۂ کار اور اصولوں کو اچھی طرح اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ خود اس لغت کے مقدمے میں موصوف نے آکسفورڈ ڈکشنری کا جس طرح ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے لغت نویسی کے تقاضوں کو لغت نویسی کے اصولوں کے ساتھ نبھایا۔ اگر یہ لغت بابائے اردو کی زندگی میں ہی مکمل ہو جاتی تو واقعی اردو ایک بہت ہی عظیم اور بے مثال سرمائے سے مالا مال ہو جاتی۔ بہرحال "لغت کبیر اردو" کی ہی نہج پر، اردو ڈکشنری بورڈ پاکستان میں اردو لغت تیار کی جا رہی ہے۔ اس مقالے کی تیاری (۱۹۸۷ء) تک اس لغت کی چھ جلدیں اشاعت پذیر ہو چکی تھیں، جن میں 'جہاں گرد' تک الفاظ شامل کیے جا چکے ہیں۔ آئندہ صفحات میں اس لغت کا بھی سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو لغت (پاکستان)

لسانیاتی اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے آکسفورڈ ڈکشنری (کلاں) کے نمونے پر اردو کی ایک جامع لغت کی تدوین کے لیے پاکستان میں جون ۱۹۵۸ء میں ترقی اردو بورڈ کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی گئی۔ جولائی ۱۹۵۸ء میں اس جامع لغت کا منصوبہ منظور کر لیا گیا۔ مارچ ۱۹۵۹ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق اس کے پہلے مدیرِ اعلا اور جوش ملیح آبادی مشیرِ ادبی مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالحق سنہ ۱۹۶۱ء تک مدیرِ اعلا رہے۔ ۱۹۷۶ء سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اس کے (تا جلد ششم سنہ ۱۹۸۴ء) مدیر اعلا ہیں۔ اس دوران ۱۹۶۴ء سے سنہ ۱۹۷۲ء تک، ڈاکٹر شوکت سبزواری اور

۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۹ء تک جناب نسیم امروہوی مدیرِ اوّل رہے۔ بورڈ نے ایک بڑے عملے کے ساتھ لغت کی تدوین کا کام شروع کیا ابتدا میں اسناد کی فراہمی کا کام صرف عملے سے ہی لیا گیا مگر بعد میں بیرونی حضرات کو بھی اس کام میں شریک کر لیا گیا۔ تقریباً ۲۵۰ بیرونی حضرات نے اس کام میں تعاون کیا مگر یہ سلسلہ زیادہ حوصلہ افزا ثابت نہیں ہو سکا۔ جلد اول (۱۹۷۷ء) میں شامل تعارف کے مطابق کل مجوزہ جلدیں تیرہ ہیں لیکن آگے چل کر اس کی تعداد میں اضافہ بھی ممکن ہے[1] آخر میں ایک جلد محض ماخذات اور مصنفوں کی فہرست پر مشتمل ہوگی۔ جلد اول کی اشاعت (سنہ ۱۹۷۷ء) تک تقریباً چودہ لاکھ الفاظ مع اسناد کے کارڈ مرتب شکل میں کیبنٹ میں جمع کر لیے گئے تھے جو تقریباً ڈھائی ہزار کتابوں، رسالوں اور مخطوطوں کے مطالعے کے بعد مع حوالہ، ماخذ تیار کیے گئے ہیں۔ اس مقالے کی تحریر کے وقت تک اس لغت کی چھ جلدیں (جلد ششم تا جہاں) شائع ہو چکی ہیں۔ اس میں الف مقصورہ کی تقطیع پہلے اور الف ممدودہ کی تقطیع بعد میں لائی گئی ہے۔

ترقی اردو بورڈ پاکستان (موجودہ اردو لغت بورڈ، پاکستان)، کراچی، کی شائع کردہ اردو لغت میں درج ذیل طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے اندراجات کی تلفظ کی نشان دہی اولاً اعراب کے ذریعے اور پھر توضیحی[2] طریقے سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کی قواعدی نوعیت کی نشان دہی مخففات[3] کے ذریعے کی گئی ہے۔ تلفظ اور قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے

---

[1] پروفیسر مسعود حسین کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق۔ اس لغت کے ۲۱ جلدوں تک پہنچ جانے کا امکان ہے۔

[2] مثال کے طور پر۔ اِصابت (کس ا، فت ب)۔ 'کس ا، فت ب' کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو املا میں الف اور ب پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ اس کے بعد قوسین میں کس (یعنی کسرۂ الف) اور فت ب (یعنی فتحہ) کی شکل میں توضیح بھی کر دی گئی ہے۔

[3] اس کے بعد قوسین کے باہر 'ا' (بمعنی اسم) اور 'مث' (بمعنی مؤنث) کی شکل میں قواعدی نوعیت کو بتایا گیا ہے (اردو لغت۔ جلد اول ص ۵۳۲
ترقی اردو بورڈ پاکستان (کراچی۔ سنہ ۱۹۷۷ء)

بعد اندراجات کے معنی دیے گئے ہیں۔ یہ لغت چوں کہ تاریخی اصول پر تیار کی گئی ہے اس لیے معنی کی وضاحت کے سلسلے میں تاریخی ترتیب کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔ معنوی وضاحت کے بعد اندراجات کی اصل یا ان کی اشتقاقیات (ETYMOLOGY) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ ہے ترقی اردو بورڈ پاکستان (کراچی) کی زیرِ اشاعت "اردو لغت" کا بنیادی ڈھانچہ۔ اب اس کے مشمولات پر ایک سرسری نظر :۔

اندراجات

اندراجات کے تعین اور اُن کی ترتیب کے سلسلے میں اس لغت میں یہ کہا گیا ہے کہ :۔

> "آکسفورڈ ڈکشنری کی طرح اس میں بھی قدیم و جدید، متروک و رائج سبھی طرح کے الفاظ درج کیے گئے ہیں ..... عوام کی بول چال کے الفاظ، علمی و فنی اصطلاحات، کہاوتوں اور محاوروں کو بھی بڑی حد تک شامل کیا گیا ہے۔ ..... البتہ اگر کسی مرکب کے اجزاء اس طرح باہم گتھ گئے ہوں کہ وہ ایک معلوم ہوتے ہیں جیسے گلاب۔ (گُل + آب) تو اس صورت میں حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے اس کا اندراج جہاں ہونا چاہیے وہاں کیا گیا ہے۔"[1]

اس اصول سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس لغت میں تمام ذخیرۂ ادب کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یہ کہ مفردات کی شکل اختیار کر لینے والے مرکبات کو ذیلی اندراج کے بجائے، آزاد اندراج (INDEPENDANT ENTRY) کی حیثیت دی گئی ہے، اور یہ کہ اندراجات کو ہجائی ترتیب سے ہی درج لغت کیا گیا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ "لغت کبیر اردو" (مولفہ بابائے اردو) کا اتباع کرتے ہوئے اس لغت میں بھی ہکاری یا نفسی آوازوں (بھ پھ تھ وغیرہ) کو مفرد حروف تہجی کی حیثیت دے کر ان سے شروع ہونے والے الفاظ (اندراجات)

---

[1] اردو لغت۔ تعارف۔ ص (ب)، جلد اول (کراچی ۱۹۷۷ء)

کی علاحدہ تقطیع قائم کی گئی ہے[1]

اس لغت میں اگرچہ ان اصولوں کی بھرپور پیروی کی گئی ہے مگر "نقلِ لغت"[2] کا اثر اس میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ "نقلِ لغت" کے زمرے میں ایسی اضافی تراکیب کو بھی درج لغت کر لیا گیا ہے جو لغاتی اندراجات (LEXICAL ENTRIES) کے ضمن میں نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر ایک اندراج "اَپلا" کے بعد دوسرا اندراج "اپلا رنا" ہے جس کے معنی بھی "ارنا (جنگلی) اپلا" دیے گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد اگلا اندراج "اپلا صحرائی" (یعنی اپلا جنگلی)[3] بھی ہے۔ اس کے بعد کا اندراج "اپنا" ہے جس کے تحت یہ تمام اندراجات بھی لغت میں شامل ہیں:۔

"اپنا بوجھ، اپنا جی، اپنا حساب کر لو، اپنا خون، اپنا دل، اپنا سا، اپنا سمجھنا، اپنا کام دیکھ / دیکھو، اپنا کام کر، اپنی طبیعت، اپنی قسمت، اپنی جگہ، اپنی خوشی، اپنے بس، (اپنی طاقت بھر) اپنے پیش، اپنے خدا کو مان / مانو، اپنے طور، اپنے کو، اپنے گھر کا، اپنے گھر کی راہ لو، اپنے مطلب کا، اپنے مطلب کی، اپنے میں، اپنے وقت کا، وغیرہ وغیرہ"[4]

کچھ اور غیر لغاتی اندراجات:

اس لغت میں "بات" کے تحت یہ اندراجات بھی ملتے ہیں:۔

"بات پختہ کرنا، بات پختہ ہونا، بات پر اڑنا، بات پر بات کہنا، بات پر بات یاد آنا، بات پر قائم رہنا، بات پکی کرنا، بات دل سے جوڑنا،

---

[1] اس لغت میں بھ کی الگ تقطیع قائم کر کے اس کی تعریف بھی اس طرح دی گئی ہے:
"اردو حروف تہجی کا تیسرا اور دیوناگری لپی (رسم خط) کا چوبیسواں حرف؛ بھ، भ، جو ایک مستقل بائیہ صوتیہ ہے۔ (جلد سوم۔ کراچی ۱۹۸۱ء)۔

[2] اس لغت میں تمام سابقہ لغات، لغاتی رسالوں اور فرہنگوں کے اندراجات اور ان کے معانی کو حوالے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

[3] اردو لغت۔ جلد اول صفحہ ۔ ترقی اردو بورڈ۔ (کراچی ۱۹۷۷ء)

[4] جلد اول۔ صفحہ ۸۰۸ تا ۸۱۱ مطبوعہ کراچی (سنہ ۱۹۷۷ء)

بات دل سے گھڑنا، بات دو کوڑی کی ہونا، (جب کہ محاورہ دو کوڑی کا ہونا ہے) بات دوہرانا، بات ذہن میں بیٹھنا بات رد کرنا، بات رفت گزشت ہونا، بات زبان پر لانا، (محاورہ۔ زبان پر لانا ہے)؛ بات زبان سے نکل جانا، بات زہر بھری ہونا، بات زہر لگنا وغیرہ وغیرہ"[1]

تلوار کے تحت اس طرح کے اندراجات بھی ملتے ہیں:

"تلوار کا دھنی، تلوار کی چمک، تلوار کی جھنکار، تلوار کی دھار"[2]

اس لغت میں اس طرح کے بے شمار غیر لغاتی اندراجات کی شمولیت کے علاوہ ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ مذکر اسما کی، تانیث بھی اگرچہ ان کے ساتھ ہی دے دی گئی ہے مگر اس تانیث کا اندراج الگ سے بھی کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "البیلا" کی تانیث "البیلی" کی نشان دہی اس کے ساتھ ہی کر دینے کے باوجود البیلی کا اندراج الگ بھی کیا گیا ہے[3]۔ اسی طرح "اچھا" درج لغت کرنے کے بعد اس کی مغیرہ شکلوں اچھوں، اچھے[4] دے دینے کے باوجود "اچھوں، اچھی اور اچھے" کو الگ الگ بھی درجِ لغت کیا گیا ہے[5]

قواعد (GRAMMAR) اور لغت میں امتیاز قائم نہ کرنے کی ایسی کئی دوسری مثالیں بھی سامنے آتی ہیں۔ چنانچہ "ایڈیٹر" کے بعد اس کی انگریزی جمع "ایڈیٹرس[6]" کا الگ سے اندراج یا اپلا کی جمع "اپلے" (ص۴) اجڑا کے ساتھ ساتھ، اجڑی، اجڑے (ص۱۹۷) کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے، یہ لغت بھی چوں کہ تمام سابقہ لغات کی جامع ہے،

---

[1] اردو لغت۔ جلد دوم ص۵۲۷ تا ۵۴۱ ترقی اردو بورڈ (کراچی ۱۹۷۹ء)

[2] " - جلد پنجم ص۴۹۵ تا ۴۹۹ - اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی (۱۹۸۳ء)

[3] " - جلد اول ص۲۳ تا ۲۵ - ترقی اردو بورڈ کراچی (۱۹۷۷ء)

[4] " " ص۲۲۳ - " "

[5] " " ص۲۲۶ " "

[6] جلد اول ص۱۱۱ ترقی اردو بورڈ - (کراچی ۱۹۷۷ء)

اس لیے نقلِ لغت کی خامیاں اس میں بھی در آئی ہیں۔ چنانچہ اس میں بھی ایسے الفاظ بھی شامل ۔ کر لیے گئے ہیں۔ جو دوسری لغات میں موجود تو ہیں مگر جن کے استعمال کی کوئی سند نہیں دی گئی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں غیر اردو لغات کے الفاظ بھی کافی تعداد میں شامل کیے گئے ہیں۔ چند مثالیں:۔

(۱) ابھارا: کم وزن، ہلکا (پلیٹس، مہذب اللغات)[1]
(۲) اپلیکیشن: عرضی۔ درخواست[2]
(۳) تراک: (تراق)[3]
(۴) آدار: بمعنی سخاوت (پلیٹس)[4]
(۵) تقلیب: (فرہنگ آنندراج)[5]
(۶) تفنیش: (نامردی) طب مخزن الجواہر[6]
(۷) تعود: (عادی ہونا) فرہنگ آنندراج[7]
(۸) تعویج: (کجی جھکاؤ) (مخزن الجواہر)[8]
(۹) تفکیک: (ایک چیز کو دوسرے چیز سے علاحدہ کرنا) آنندراج[9]
(۱۰) تعویق: (بحر اللغات)[10]

---

[1] اردو لغت۔ جلد اول ص۳۵ ترقی اردو بورڈ۔ (کراچی ۷۷ء ۱۹)
[2] 〃 〃 ص۱۸ 〃 〃 〃
[3] 〃 جلد پنجم ص۱۸ ۔ اردو ڈکشنری بورڈ۔ (کراچی ۱۹۸۳ء)
[4] 〃 جلد اول ص۹۲۷ 〃 〃 (〃 ۱۹۷۷ء)
[5] 〃 جلد پنجم ص۲۰۵ 〃 〃 (۱۹۸۳ء)
[6] 〃 〃 ص۲۱۴ 〃 〃 〃
[7] 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[8] 〃 〃 ص۲۱۵ ۔ 〃 〃 〃
[9] 〃 〃 ص۳۵۵ 〃 〃 〃
[10] 〃 〃 ص۳۶۰ 〃 〃 〃

(۱۱) ٹکیہ (سینکنا) مجمع الفنون (ترجمہ)[1]

(۱۲) ٹکوانی: (رجوع کیجیے ٹکانی) پلیٹس[2]

(۱۳) توتم: آپ (رجوع کیجیے تم) ہندی۔ اردو لغت[3]

(۱۴) بِھا (چمک، شوبھا) شبد ساگر[4]

(۱۵) بھا: (قیامت، خواہش) شبد ساگر[5]

ایک بات یہ کہ معنی اور اصل کے اختلاف کی بنیاد پر الفاظ کو الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جولان (ع۔ دوڑ) اور جولان (ف۔ زنجیر) کو الگ الگ اندراج کی شکل میں شامل لغت کیا گیا ہے[4] اسی طرح جوگی کے مختلف تلفظ اور مختلف معانی کے اعتبار سے اسے بھی آٹھ بار درج لغت کیا گیا ہے[5] اسی طرح ہندی لفظ جو کی اور جوگی (لاحقہ صفتی) کو بھی الگ الگ درج کیا گیا ہے[6]

"اردو لغت" میں اندراجات کے تعین کے سلسلے میں جناب شمس الرحمان فاروقی نے اگرچہ بہت تیکھے انداز میں رائے ظاہر کی ہے مگر ان کی اس رائے کی صیابت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ:

"تعین لغت میں 'آصفیہ' اور 'نور' دونوں بے اصولے پن سے کام لیتے ہیں۔ ارباب لغت (اردو لغت) نے اصول قائم کیے ہیں لیکن ان کے اصول "آصفیہ" اور "نور" کے بے اصولے پن سے بد تر ہیں ۵۹

---

[1] اردو لغت۔ جلد پنجم۔ ص ۴۳۱۔ اردو ڈکشنری بورڈ۔ (کراچی ۱۹۸۳ء)
[2] " " ص ۴۳۴ " " "
[3] " " ص ۴۳۲ " " "
[4] " " جلد ششم ص ۷۶۳ تا ۷۶۴ " (سنہ ۱۹۸۴ء)
[5] " " جلد سوم ص ۱ "
[6] " " جلد ششم ص ۹۵۴/۹۵۵ " (سنہ ۱۹۸۴ء)
[7] " " " ص ۹۵۲ " (")
[8] " " " ص ۹۵۱ " "

(اردو لغت پاکستان) کہتے ہیں کہ انھوں نے اردو کے تمام متداول اور نادر الفاظ شامل کیے ہیں۔ وہ الفاظ بھی شامل کیے ہیں جو دوسری زبانوں سے آتے ہیں، لیکن رائج تھے یا رائج ہیں یا کم سے کم دو مصنفوں نے استعمال کیے ہیں۔ ماخذ میں اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ (چنانچہ بعض الفاظ کی سند ابوالفضل وغیرہ سے دی گئی ہے) اس کارروائی کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ایں چہ بوالعجبیست۔ اگر اردو کا لفظ ہے تو اردو میں کہیں تو استعمال ہوا ہوگا اگر نہیں تو اس کا اردو ہونا مشکوک ہے۔ یہ تو یوں ہوا کہ انگریزی کے لغت میں لفظ "غزل" درج کیا جائے اور سند دی جاتے کسی ایسے مصنف کی جس نے غزل پر انگریزی میں مضمون لکھا ہو۔[1]

ترتیبِ اندراج

اس لغت میں اگرچہ اندراج کی ہجائی ترتیب قائم کی گئی ہے، مگر یہ ترتیب سابقہ لغات میں قائم کی گئی ترتیب سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس لغت میں پہلے مفردات کو لیا گیا ہے اور پھر مفردات کے تحت تمام ذیلی اندراجات دینے کے بعد دوسرے اندراجات یا اسی مفرد اندراج سے بننے والے دوسرے مستقل اندراجات کو درجِ لغت کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراج جگر کو لیجیے، جگر کا اندراج صفحہ ۲۷۰ پر دیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۷۰ سے ۲۷۲ تک اس کے ذیلی اندراجات چلتے رہتے ہیں۔ صفحہ ۲۷۲ پر جگرا، جگرہ اور جگری کے الگ الگ اندراج ملتے ہیں۔

تلفظ

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی کے

---

[1] مضمون۔ اردو لغت اور لغت نگاری (ص۱۲۲) مشمولہ لغت نویسی کے مسائل (۱) جامعہ نئی دہلی۔ (۱۹۸۵ء)

لیے اعراب کے ساتھ ساتھ توضیحی طریقۂ کار بھی اختیار کیا گیا ہے، یعنی پہلے تو اندراج کا تلفظ اس پر اعراب لگا کر ظاہر کیا گیا ہے اور پھر قوسین میں طے کردہ مخففات کے ذریعے ان کی توضیح بھی کر دی گئی ہے :۔

(۱) اِستِمتاع ۔ (کس ا، سک س، کس ت سک م)[1]

(۲) اِستِکشاف ۔ (کس ۔ا، سک س، کس ت، سک س)[2]

ان دونوں اندراجات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پہلے اندراج کے الف کے نیچے زیر (کسرہ) پھر س پر جزم، پھر ت کے نیچے زیر (کسرہ) اور میم نیز کاف کو اعراب کے ذریعے ساکن دکھایا گیا ہے۔ پھر مخففات (یعنی کسرہ کے لیے کس، فتحہ کے لیے فت اور ضمہ کے لیے ضم) کے ذریعے قوسین میں ان کی وضاحت بھی درج کر دی گئی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس لغت میں دوسرے معاملوں میں تو جدید طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے مگر تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں یہ پرانا اور غیر عام فہم طریقہ کار کیوں اختیار کیا گیا؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقۂ کار ایک تو ہر شخص کی فہم اور گرفت سے باہر ہے دوسرے یہ اتنا طولانی ہے کہ تلفظ کا پورا سلسلہ ذہن میں باقی نہیں رہ پاتا تا وقتیکہ توضیح کے مطابق اس تلفظ کو نوٹ نہ کر لیا جائے۔ پھر یہ کہ اس سلسلے میں مخففات کے علاوہ، عربی اصطلاحوں کے استعمال کی وجہ سے بھی طریقہ کار زیادہ وسیع نہیں ہو سکے گا۔ کیوں کہ آج لغت بین طبقے کی اکثریت کسرہ، فتح اور ضمہ جیسی اصطلاحوں کے معانی سے آزاد ہو چکی ہے۔ بعض تلفظ کی نشان دہی بوالعجبی کی حد تک طویل ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر :۔

ٹرپلو بلاسٹیکا: (TRIPLOBLASTICA) کا تلفظ اس طرح دیا گیا ہے :

(کس خف، نیز فت ٹ، کس ز، سک پ، و ح کس خف ب سک س ....)[3]

اس توضیحی تلفظ سے کتنے لوگ مستفید ہو سکیں گے؟ یہ سوال تو الگ رہا؛ یہی

---

[1] اردو لغت ۔ جلد اول صفحہ ۴۷۳، ۴۲۳-۴۲۴ ۔ اردو ڈکشنری بورڈ ۔ کراچی (۷۷ء۱۹)

[2] " " " "

[3] " جلد ششم صفحہ " " کراچی (۱۹۸۴ء)

بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ مخففاتی زبان بھی کتنے لوگوں کے پلے پڑے گی!

تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں ایک دوسرا سقم یہ بھی سامنے آتا ہے کہ اس میں تلفظ کی تکرار بھی ملتی ہے۔ یعنی مفردات کے تلفظ کی نشان دہی کرنے کے بعد ان کی ترکیبی اجزاء کی حیثیت میں بھی ان کا تلفظ دیا گیا ہے۔ مثلاً ترپن کا تلفظ اس کی مفرد حیثیت میں دینے کے بعد اس سے بننے والی ایک ترکیب ترپن سیل میں بھی ترپن کا تلفظ دیا گیا ہے [1]

بہرحال اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی کے سلسلے میں جو اصول اور طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے اس پر پوری یکسانیت کے ساتھ عمل کیا گیا ہے۔ البتہ اختلافِ تلفظ والے اندراجات کے سلسلے میں یہ یکسانیت برقرار نہیں رہی ہے، یعنی کہیں ایسا کیا گیا ہے کہ ایک ہی اندراج کے تحت اس کے اختلافِ تلفظ کی نشاندہی کی گئی ہے اور کہیں ایسا کیا گیا ہے کہ اختلافِ تلفظ کو بنیاد بنا کر اسے آزاد اندراج کے طور پر لغت میں شامل کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ترپلو بلاسٹیکا کا تلفظ اس طرح شروع ہوتا ہے: کس خف نیز فت .... (یعنی ٹ پر ہلکا زیر (کسرہ) یا فتح (زبر)، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا تلفظ دونوں طرح سے کیا جاتا ہے [2] دوسری طرف اگرچہ اگری (فت ا، گ ی) اور اگری (فت ا، سک گ) اگرچہ ایک ہی لفظ ہیں مگر تلفظ کے اختلاف کو بنیاد بنا کر انھیں الگ الگ درج لغت کیا گیا ہے اور دونوں تلفظ کے لحاظ سے مثالیں بھی دی گئی ہیں [3]

قواعدی نوعیت

اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی کی طرح قواعدی نوعیت کی نشان دہی بھی مخففات (مذ برائے مذکر، مث برائے مونث اور ا، برائے اسم وغیرہ) کے

---

[1] اردو لغت - جلد پنجم - صفحہ - اردو ڈکشنری بورڈ - (کراچی - ۱۹۸۳ء)
[2] " " " " " "
[3] " " جلد اول صفحہ ۷۸۵ " (۱۹۷۷ء)

دیے کی گئی ہے[1]۔ اگرچہ قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے سلسلے میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے مگر کہیں کہیں فقروں کو بھی اسم قرار دے دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس لغت میں ــ "اپنے مطلب کی" کو اسم اور مذکر لکھا گیا ہے[2]

بہرحال یہ حقیقت مسلّم ہے کہ جہاں سابقہ لغات کا سب سے کمزور حصہ وہی ہے جس میں اندراجات کی قواعدی نوعیت بتانے کی کوشش کی گئی ہے، اس لغت کا سب سے مضبوط حصّہ یہی ہے اور اس میں قواعدی نوعیت کی نشان دہی حتیٰ الامکان درست طریقہ پر کی گئی ہے۔

معنوی وضاحت

'اردو لغت' میں اندراجات کے معنی وضاحتی شکل میں بھی دیے گئے ہیں اور مترادفاتی شکل میں بھی۔ معنی کی توضیحی نشان دہی کی مثال؛

ادارہ :۔ (۱) وہ تنظیم جو کسی مقصد کے حصول کے لیے قائم ہو، مجلس۔ انجمن۔

(۲) محکمہ، احاطہ[3]

اداسا ۔ (۱) وہ ڈوری، جو آزاد درویش کاندھے پر لٹکا لیتے ہیں۔ بوریا بستر[4]

معنی کو مترادفات کے ذریعے واضح کرنے کی مثالیں؛

اخلاص :۔ (۱) بے لوثی، نیک نیتی، خلوص؛

(۲) سچی دوستی[5]

اجازت :۔ (۱) اذن، پروانگی، رخصت؛ کوئی کام کرنے کی رضا؛

---

[1] مثلاً۔ ادبیات (۔۔۔۔۔) امث، ج (یعنی اسم مونث، جمع) جلد اول ص۱۸۱ (۱۹۷۷ء)

[2] اردو لغت جلد اول ص۱۱۷۔ (۱۹۷۷ء)

[3] " " جلد اول ص۲۹۳ کراچی (۱۹۷۷ء)

[4] " " " ص۲۹۵ " " "

[5] " " " ص۲۸۲ " "

(۲) جواز، اباحت؛
(۳) تصرف ..... [1]

جیسا کہ اجازت کے معنی نمبر ۱ سے واضح ہوتا ہے، اس لغت میں اس بات کا کوئی خاص منطقی اہتمام نہیں ملتا کہ پہلے مترادفات دیے جائیں یا توضیحی تعریف! چنانچہ اجازت کے معنی نمبر ۱ کے تحت پہلے تو مترادفات (اذن، پروانگی، رخصت) دیے گئے ہیں پھر اس کی وضاحت (۔ کوئی کام کرنے کی رضا)، دی گئی ہے اگرچہ یہ وضاحت بذات خود غور طلب ہے کیوں کہ اجازت کی وضاحت "کوئی کام کرنے کی رضا کی بجائے" کوئی کام کرنے دینے کی رضا " زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بات یہ چل رہی تھی کہ اس میں مترادفات اور وضاحت کی تقدیم اور تاخیر کے سلسلے میں کوئی یکساں طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ بیشتر اندراجات کے معنی پہلے وضاحتی طریقہ سے اور پھر مترادفات کی شکل میں دیے گئے ہیں، مگر اس کے برعکس طریقہ کار اختیار کرنے کی بھی بہت سی مثالیں سامنے آتی ہیں۔ اجازت کی شکل میں مثال دی جا چکی ہے۔ ایک اور مثال:

ٹوٹکا :۔۔۔ جادو۔ ٹونا؛ جنتر منتر؛ وہ عمل جو کسی مرض یا بری بات ......" [2]

اس میں پہلے ٹوٹکا کے مترادفات دیے گئے ہیں اور پھر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یہ لغت تاریخی اصول پر تیار کی جا رہی ہے، اس لیے اس میں معنوی وضاحت کے سلسلے میں تاریخی ترتیب معنی کی بجائے مثال کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے، یعنی پہلے سب سے عام، اور زیادہ مستعمل معنی دیے گئے ہیں، اور اس معنی کی مثالیں دینے کے سلسلے میں بھی تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی پہلے تو دورِ اول، پھر دورِ متوسط اور آخر میں دورِ آخر سے مثالیں دی گئی ہیں۔ اس لغت کی ضخامت کی وجہ یہی ہے کہ اس میں بیشتر اندراجات جن کے معنی میں کوئی زیادہ انحراف (DEVIATION) نہیں ہوا ہے، ان کی بنا پر

---

[1] جلد اول ص ۱۸۵ (کراچی ۱۹۷۷ء)

[2] اردو لغت جلد ششم ص ۱۰۱۔ اردو ڈکشنری بورڈ۔ (کراچی ۱۹۸۴ء)

بھی تینوں ادوار سے دی گئی ہیں۔ مناسب طریقہ یہ ہوتا کہ جن الفاظ کے مختلف معانی میں باہم زیادہ دوری واقع نہیں ہوئی ہے، ان کی ایک ہی مثال دی جاتی شمس الرحمان فاروقی نے اپنے تفصیلی مضمون میں اس لغت کے تاریخی اصول کا بھی جائزہ لیا ہے۔ بہت ساری مثالوں کی بنیاد پر موصوف کا یہ کہنا ہے کہ ــــ" اس سلسلے میں دو طرح کی اغلاط ہیں، یعنی تصنیف کا سن معلوم ہونے یا بآسانی معلوم ہو سکنے کے باوجود مصنف کا سن وفات دے کر لفظ کی عمر کم کر دی گئی یا سن ہی غلط دے دیا ہے۔"[1]

اس لغت میں بعض اندراجات کے دیئے گئے معانی بھی محلِ نظر ہیں مثلاً:

جوگن:- "جوگی کی تانیث، جوگی کی بیوی ــ فقیرنی"[2]

دیئے گئے اس معنی میں جوگی کی تانیث اور جوگی کی بیوی اور فقیرنی میں بہت فرق ہے، کیوں کہ جوگن قواعدی اعتبار سے جوگی کی تانیث ہے نہ کہ معنوی اعتبار سے؛ معنوی اعتبار سے جوگ لینے والی کسی بھی عورت کو جوگن کہیں گے نہ کہ جوگی کی بیوی کو، البتہ اس کے دوسرے معنی جوگی کی بیوی بھی دیئے جا سکتے تھے۔ اس لغت میں جوگن سے پہلے کے ایک دوسرے اندراج ــــ جادوگرنی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔ "جادو کرنے والی عورت"[3] جو کہ بالکل ٹھیک ہے۔

کہیں کہیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ قریب المعنی اور ہم معنی مترادفات میں امتیاز قائم نہیں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

تحریف:ــــ کے معنی نمبر ۲، ۳ اور ۴ اس طرح دیئے گئے ہیں۔

(۲) اغوا، ورغلانا (نوراللغات)

(ع) نفس نے تحریف کی جس سے پھنسے ہم دام میں۔

(۳) تراشنا۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے مضمون۔ اردو لغت اور لغت نگاری، مشمولہ لغت نویسی کے مسائل، مکتبہ جامعہ۔ (دہلی)

[2] اردو لغت، جلد ششم، صفحہ ۹۵ (کراچی ۱۹۸۴ء)

[3] 〃 〃 صفحہ ۳۴۹ (〃)

(۴) بھیانک (نوراللغات)[1]

معنی نمبر ۲ کے تحت اغوا، اور ورغلانا دونوں دیے گئے ہیں۔ اس طرح پگلنا (پگھلنا) کے معنی ــ سخت یا منجمد شے کا گرمائی یا کسی اور وجہ سے نرم، ملائم یا رقیق ہو جانا گلنا، گل جانا"[2] یہاں پگلنا (پگھلنا) کے اس معنی میں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے۔ کہ اس کی وضاحت تو بالکل درست طریقے پر کی گئی ہے۔ لیکن وضاحت کے ساتھ ہی معنی نمبر ۱ کے تحت گل جانا یا گلنا جیسے مترادفات درست نہیں ہوں گے کیوں کہ کسی چیز کی پگھلنے اور گلنے میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر صورت میں اس چیز کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی صرف شکل بدل جاتی ہے؛ جیسے گھی یا برف کے پگھل جانے سے اس کی ماہیت وہی رہتی ہے جب کہ دال یا لوہا یا کسی اور چیز کے گل جانے پر اس کی ماہیت بھی بدل جاتی ہے۔ گل جانے کے بعد اس چیز کو اس کی سابقہ حالت میں واپس نہیں لایا جا سکتا۔

ان چند معمولی خامیوں سے قطع نظر اس میں شک نہیں کہ یہ لغت اندراجات کی معنوی وضاحت کے لحاظ سے بھی اردو کا ایک زبردست سرمایہ ثابت ہوگی کیوں کہ اس میں اندراجات کے معنی، ان کے استعمال اور سند کی نشان دہی کے سلسلے میں قدیم سے جدید کی طرف، کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے، اور اگر کسی اندراج کے قدیم اور جدید معنی میں زیادہ فرق نہیں پیدا ہوا ہے تو اس کے معنی بھی تاریخی ترتیب سے ہی درج لغت کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر اندراج کے ہر معنی کی مثال دورِ قدیم، دورِ متوسط اور دورِ جدید سے دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے ــ مثال کے طور پر:

"اداسی:ــ (اداس کا مث، صفت) اس اندراج کے اس معنی کے لیے پہلے ۱۷۰۷ء (ولی) کے کلام سے پھر (سنہ ۱۸۰۲ء) باغ و بہار سے اور پھر (سنہ ۱۸۳۳ء) عزیز لکھنوی کے کلام سے مثالیں دی گئی

---

[1] اردو لغت، جلد پنجم ص۸۰ ۔ اردو ڈکشنری بورڈ (کراچی ۱۹۸۳ء)

[2] " جلد چہارم ص۱۱۶ (ترقی اردو بورڈ کراچی ۱۹۸۲ء)

ہیں ۱

ارتقاء:- کی معنوی وضاحت کرتے ہوئے اس کے دریافت شدہ سب سے پہلے اردو استعمال، محمد خاتم النبیین، (۱۸۰۲ء) دوسرے استعمال، رقعات اکبر (۱۹۰۳ء) تیسرے استعمال مجموعہ نظم بے نظیر (۱۹۱۶ء) اور چوتھے استعمال کلام بے نظیر (۱۹۳۲ء) کی مثالیں دی گئی ہیں ۲

اترنا:- (اوپر سے نیچے آنا یا لایا جانا) کے تقریباً ۴۷ معنی دیے گئے ہیں جن کی مثالوں کا سلسلہ (سنہ ۱۴۳۵ء) کدم راؤ پدم راؤ) سے شروع ہو کر سنہ ۱۹۷۷ء (اردو کی پہلی کتاب) تک پھیلا ہوا ہے ۳

اس میں شک نہیں کہ اس طرح اندراجات کے مختلف معنی اور ان کی مثالوں کی شکل میں اس لغت میں کافی مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں؛ مگر اس طرح سے لغت کے حجم میں غیر ضروری اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اندراج "اترنا" اور پھر "اتارنا" کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ اترنا کے بہت سے معنی غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں مگر اتارنا میں "نقل لغت" کا پورا پورا اثر موجود ہے۔ اس کے معنی نمبر ۲۵ تا ۳۳ اور ۳۵ نہ صرف یہ کہ دور از کار ہیں بلکہ نقل لغت کا ہی درجہ رکھتے ہیں ۴

اگرچہ اس لغت میں اندراجات کے معنی صحت اور سند کے ساتھ دینے کی

---

۱ جلد اول ص ۲۹۶ (کراچی سنہ ۱۹۷۷ء)

۲ " " ص ۳۵۳ " "

۳ " " ص ۱۹۱ " "

۴ اردو لغت، جلد اول ص ۱۲۳ اردو ڈکشنری بورڈ۔ کراچی ۱۹۷۷ء)

تارنا:- (۲۵) کسی عزیز شے یا خصوصیت سے محروم کر دینا، چھین لینا۔

مثلاً اتار لیتے ہیں عمامہ ہر نمازی کا۔ (میر) ۔ باقی اگلے صفحہ پر

بھرپور اور مستحسن کوشش کی گئی ہے؛ مگر کچھ اندراجات کے معانی محل نظر ہیں۔ مثال کے طور پر اس لغت کا ایک اندراج "اپنے گھر کا" ہے جس کے معنی "ہوا کرے"، "ہم سے کیا" دیے گئے ہیں اور کتاب "بیرے کی گئی" کا یہ فقرہ بطور مثال درج کیا گیا ہے: "جہاں گیر خاں بھی کیا بلا ہیں؟ رئیس ہوں گے اپنے گھر کے"۔ اپنے گھر کا

(باقی صفحہ گذشتہ)

(۲۶) ملا کر رکھ دینا۔ جھکانا۔

آپ جہاں چاہیں اپنا سامان اتار لیں۔ (امیراللغات)

(۲۷) ڈانٹ پھٹکار۔ مار پیٹ وغیرہ کے ذریعے ٹھنڈا کرنا۔

"یار کا غصہ ہتھیار پر اتارتی ہے" (فیلن)

(۲۸) ازالۂ بکارت کرنا۔ جیسے: چہرہ اتارنا (فیلن)

(۲۹) (ہندو) نجس کرنا، اشدہ کر دینا، جیسے برتن اتار دینا (فیلن)

(۳۰) عمارت کا کوئی بالائی حصہ یا ردا توڑنا، ڈھانا۔

"اور پر سے منڈیر کچھ اتار دی جائے ....." (امیراللغات)۔

(۳۱) ہتھیار یا اوزار کو کند کرنا۔ دھار اتارنا۔

(۳۲) استرے وغیرہ سے مونڈنا۔ (بال) صاف کرنا (فیلن)

(۳۳) ناتوان اور بے رونق کر دینا جیسے چہرہ یا منھ اتارنا وغیرہ۔

معنی نمبر (۲۵) کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ محض اتارنا کے مذکورہ معنی نہیں ہوتے بلکہ عامہ اتارنا یا اتار لینا، محاوروں کی شکل میں ہی یہ معنی ہوتے ہیں۔

نمبر (۵) کے تحت جب "پڑھوا کرانا، اتروانا، ٹھہرانا" دیے جا چکے تھے تو معنی نمبر (۲۶) کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک طرح سے یہ معنی نمبر ۵ ہی کا تکرار ہے معنی نمبر ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ محض فیلن کی ڈکشنری اور امیراللغات سے نقل کر دیے گئے ہیں۔ یہی بات معنی نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۲، اور ۳۳ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

[1] اردو لغت۔ جلد اول صفحہ (کراچی، ۱۹۷۷ء)

کے معنی "ہوا کرے، ہم سے کیا" یقیناً قابلِ غور ہیں۔ اسی طرح "اوّل" کو "بدل" کا تابع قرار دیا گیا ہے[1] جب کہ کسی بھی ترکیب کا پہلا جزو (اوّل) دوسرے جزو (بدَل) کا تابع کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کی ایک دوسری مثال اَغلاق مَغلاق (ص ۴۹۹) اور تیسری مثال اَعَل بَعَل (ص ۴۹۹) کی بھی ہے۔ یہاں بھی اَغلاق کو مغلاق کا اور اَعَل کو بَعَل کا تابع بتایا گیا ہے۔ اس لغت میں کہیں کہیں معنی کی تشنگی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک غریب اندراج "اَپَج" کے معنی "(موسیقی)، ایک ثمر کا نام[2] ہی دیے گئے ہیں جو کسی لحاظ سے بھی مکمل یا کافی نہیں کہے جا سکتے۔ پھر اس معنی کے ناقص ہونے کا احساس اس لیے بھی بڑھ جاتا ہے کہ یہ کوئی عام ساثمر بھی نہیں ہے۔

اصل اور ماخذِ لسانی کی نشان دہی

اس لغت میں اردو کی دوسری تمام لغات کے برخلاف، اندراجات کی اصل یا ان کے ماخذِ لسانی کی نشان دہی، سب سے آخر میں معنی کے بعد کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چوں کہ ناظرینِ لغت کی بہت کم تعداد اندراجات کی اصل ان کی تمریعنی سرگذشت میں دلچسپی رکھتی ہے، اس لیے اسے آخر میں دیا گیا ہے۔ یہ وجۂ جواز درست بھی ہو سکتی ہے۔

چند مثالیں:-

(۱) اچانک:- (س: سابقۂ نفی (رک) (رجوع کیجیے) + یا تکم [illegible] (اچانک)[3]

(۲) اُپ شبدی: (اونچی آواز والا) س: اُپ (رک) + شبد (آواز) + ی: ی لاحقۂ صفت فاعلی[4]

---

[1] اردو لغت۔ جلد اول ص ۳۰۵ (کراچی ۱۹۷۷ء)

[2] " " - " ص ۴۶۲ " "

[3] " " - " ص ۲۱۳ ترقی اردو بورڈ۔ کراچی ۱۹۷۷ء

[4] " " - " ص ۲۱۰ " " "

(۴) پالنا: (س [illegible]) [1]

سنسکرت الاصل اندراجات کی اصل کی نشان دہی کے سلسلے میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اس لغت میں اشتقاقیات (ETYMOLOGY) کے سلسلے میں اندراجات کی تحت سم شکل سے اس کی تدریجی شکل تک کی نشاندہی کی گئی ہے [2]

عربی اور فارسی الفاظ کی اصل کی نشان دہی کے لیے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱) اچار ساز: (اچار + ف ساز، ساختن (بنانا) سے فعل امر (رک) ۔ ۔ ۔ ۔ ساز)" (جلد اول ص ۲۱۱)

(۲) اسپغول: (ف۔ اسپ (گھوڑا) غول۔ (ت، کان) (جلد اول ص ۴۱۹)

(۳) افاقت: (ع۔ ف وق) اور

اِفاقہ: (افاقت رک) کی تخفیف (جلد اول ص ۴۴۳) وغیرہ وغیرہ۔

اندراجات کی اصل یا ماخذ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں اس لغت کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اب تک کی تمام لغات (باباے اردو کی لغت کبیر اردو کے استثنا کے ساتھ) کے برخلاف، مولد یا مفرس الفاظ کو بھی ان کی اصل زبان سے ہی منسوب کیا گیا ہے؛ یعنی جہاں اردو کی اب تک کی تمام لغات میں ان الفاظ کو جو کسی معنوی یا صوری تبدیلی کے ساتھ اردو میں داخل ہوئے ہیں، بے بے تکان اردو لکھ دیا گیا ہے؛ اس لغت میں ایسا نہ کر کے انھیں اُن کی اصل زبان سے ہی منسوب کیا گیا ہے۔ اس طرح کے ایسے چند الفاظ جنھیں دوسری لغات میں صرف اردو لکھا گیا ہے مگر اس لغت میں اُن کی اصل اس طرح دی گئی ہے:

(۱) تراشنا: ۔(ف ۔ تراش رک، رجوع کیجیے [3]

تراشنا کو دوسری لغات میں اردو لکھا گیا ہے۔

---

[1] اردو لغت ۔ جلد دوم: ص ۱۱۲ ترقی اردو بورڈ۔ کراچی ۱۹۷۹ء

[2] مقدمہ جلد اول ص ۔۔۔ (ل) " ۱۹۷۷ء

[3] اردو لغت پنجم ص ۸ ۔ اردو ڈکشنری بورڈ۔ کراچی ۱۹۸۲ء

(۲) جوشیلا: (ف جوش + یلا) (لاحقہ صفت)[1]

(۳) جوانی: (ف جوان + ی لاحقہ کیفیت)[2]

(۴) بجتنا: (ع: بحث (رک) + ا + تا) علامت مصدر[3]

(۵) جگرا: (ف - جگر + ا لاحقہ تکبیر)[4] وغیرہ -

البتہ کہیں کہیں ابہام بھی پیدا ہوگیا ہے یا اس طرح کی ہدایت (رک - رجوع کیجیے) دی گئی ہے کہ ناظر لغت اندراج کی اصل تک نہیں پہنچ پاتا - مثال کے طور پر اندراج تراق رتراق کی اصل نہ دے کر تڑاق سے رجوع کرنے کے لیے کہا گیا ہے جب کہ تڑاق اور تڑاقا کی بھی اصل نہیں دی گئی ہے[5]" اور تڑاقا کے ضمن میں بھی لکھا ہے" رجوع کیجیے تراق[6] اس طرح ناظر اگرچہ یکے بعد دیگرے کئی اندراجات تک پہنچتا ہے مگر اسے تراق اور تراق کی اصل کہیں نہیں ملتی -

اس سرسری جائزے سے "اردو لغت" کے بارے میں یہ چند باتیں سامنے آتی ہیں پہلی بات تو یہ کہ اردو کے متون کی تاریخی اور لسانی حیثیت متعین نہ ہونے کی وجہ سے قدیم اردو کے بہت سے الفاظ کا تلفظ اور ان کے معنی متعین نہیں کیے جا سکے ہیں - دوسرے یہ کہ بقول پروفیسر مسعود حسین اردو زبان کی موجودہ لامرکزیت میں استعمال کے معیار کا تعین نہیں کیا جا سکا ہے - اس لغت میں بہت سے پنجابی ادیبوں کی مصطلحات کو بھی داخل کر لیا گیا ہے - اس لغت میں اشتقاقیات کا حصہ (سنسکرت اور پراکرت کے عالموں کے فقدان کی وجہ سے) کمزور ہے - اکثر الفاظ کو وہ (ہندی) لکھ دیا گیا ہے جو مہمل ہے کیوں کہ ایسے الفاظ کو اردو بھی لکھا جا سکتا تھا - اشتقاقیات

---

[1] اردو لغت - جلد ششم ص۱۳۱ - اردو ڈکشنری بورڈ - کراچی ۱۹۸۴ء

[2] " " " ص۸۶۸ - " "

[3] " - جلد دوم ص۸۵۲ - ترقی اردو بورڈ کراچی - ۱۹۷۹ء

[4] " - جلد ششم - ص۹۴۲ - اردو ڈکشنری بورڈ - کراچی ۱۹۸۴ء

[5] " - جلد پنجم - ص۱۸۲ - " ۱۹۸۳ء

[6] " " ص۱۹۲ - " "

میں ہندی اصل والے الفاظ کی سنسکرت یا پراکرت اصل ظاہر کرنا ضروری تھا۔ البتہ یہ بات لائق ستائش ہے کہ سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل دیو ناگری رسم خط میں بھی دی گئی ہے۔

بہرحال ترقی اردو بورڈ (اور اب اردو ڈکشنری بورڈ)، پاکستان، کراچی کی اس اشاعت پذیر اردو لغت کے اس سرسری جائزے کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی ایک جامع لغت کی تدوین کے سلسلے میں بابائے اردو کا ایک دیرینہ خاکہ اور خواب شرمندۂ تکمیل ہو رہا ہے؛ اور یہ لغت اردو دنیا کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک بہت بڑی دین ثابت ہوگی بلکہ اردو کے تمام لسانی سرمایہ پر محیط ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت ایک عظیم لسانی دستاویز کی بھی ہوگی۔ تاریخ کا یہ ایک دلچسپ اتفاق ہے کہ اردو۔ اردو لغت نویسی کی اصل ابتدا گزشتہ صدی کے آخری ربع "مخزن المحاورات" (لالہ چرنجی لال ۱۸۸۶ء) اور فرہنگ آصفیہ (سید احمد دہلوی ۱۸۸۸ء) کی شکل میں ہوئی اور اب اس کی تکمیل رواں صدی کے آخری ربع سے ترقی اردو بورڈ پاکستان کی اس اردو لغت کی شکل میں سامنے آ رہی ہے۔ ایک دوسرا اتفاق یہ کہ تقریباً اسی نہج پر ترقی اردو بورڈ حکومت ہند کے زیر اہتمام بھی ایک جامع لغت کی تدوین کی جا رہی ہے جس کے لیے ماہر لسانیات ڈاکٹر مسعود حسین کی رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ اس لغت کا تعارف اگلے صفحات میں کرایا جائے گا۔

اردو لغت (ترقی اردو بیورو، حکومت ہند)

ہندوستان میں بھی تقریباً بارہ، تیرہ سال سے ایک بڑی لغت کی تیاری کا کام جاری ہے۔ حکومت ہند کے مرکزی اردو ترقی بورڈ (موجودہ ترقی اردو بیورو) نے ۱۹۷۲ء سے اس لغت کی تیاری کا کام شروع کرایا تھا۔ اس وقت اس لغت کی تدوین کے لیے ایک پانچ رکنی ادارتی بورڈ کی تشکیل کی گئی تھی جس میں جناب مالک رام، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر مختار الدین احمد شامل تھے۔ ان پانچوں حضرات کو بالترتیب جلد اوّل، جلد دوم، جلد سوم، جلد چہارم اور جلد پنجم کی تدوین کا کام سونپا گیا تھا اور انھیں ایک ایک

مددگار بھی فراہم کیا گیا تھا۔[1] یہ کام اس طرح تقریباً دس سال تک جاری تو رہا مگر خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو سکی کیوں کہ ایک طرف تو دفتری، خاص طور پر مالی، دشواریوں کی وجہ سے کام کا کوئی مستقل ڈھرا قائم نہ ہو سکا اور دوسرے یہ کہ خود مدیرانِ لغت کے درمیان بھی مضبوط تال میل پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ بہر حال پوری صورت حال کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد یہ کام ایک ہی چیف اڈیٹر کو سونپ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۸۲ء سے یہ کام پروفیسر مسعود حسین خاں انجام دے رہے ہیں۔ موصوف اس لغت کی تیسری جلد مکمل کر کے ترقی اردو بیورو کے حوالے کر چکے ہیں۔ فی الحال یہ کام ایک بار پھر مالی دشواریوں کی وجہ سے تعطل میں پڑا ہوا ہے۔ یہ لغت چوں کہ اپنے چند مشمولات کے نقطۂ نظر سے اردو کی جدید لغت نویسی میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کی تیار شدہ تیسری جلد (د تا ع) کے اندراجات کی روشنی میں ہی اس کے طریقۂ کار کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس لغت کی تیاری کے سلسلے میں بھی کچھ ہدایتی اصول وضع کیے گئے تھے جن میں وقتاً فوقتاً ترمیم کی جاتی رہی ہے۔ اب اس لغت کا ڈھانچہ اس طرح رکھا گیا ہے:

الفاظ کا اندراج اردو تلفظ کے مطابق کیا گیا ہے اور تلفظ میں اختلاف رائے پائے جانے کی صورت میں اس کی نشان دہی کی گئی ہے۔ تلفظ کی وضاحت کے لیے الفاظ کی بجائے ارکانِ تہجی (SYLLABLES) پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ سند صرف غریب الفاظ اور معانی کی دی گئی ہے۔ متروکات یا غیر معیاری (SLANG) الفاظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ محاورات کو ذیلی اندراجات کی حیثیت میں درج لغت کیا گیا ہے اور سابقہ لغات کے ایسے بہت سے اندراجات کو نکال دیا گیا ہے جو محاورات کے ذیل میں نہیں آتے۔ جن مرکبات کی منفرد حیثیت متعین ہو چکی ہے انھیں اصل اندراج

---

[1] راقم کو اس پروجیکٹ میں جلد سوم کے مدیر پروفیسر مسعود حسین خاں کے ساتھ دسمبر ۱۹۷۴ء سے جون ۱۹۸۰ء تک بہ حیثیت ریسرچ افسر کام کرنے کی سعادت حاصل رہی۔

(MAIN ENTRY) کی حیثیت دی گئی ہے۔ اس لغت میں اندراجات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ پہلے لفظ درج کیا گیا ہے، پھر ارکانِ تہجی میں تقسیم کرکے اعراب کے ذریعے اس کے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کی قواعدی نوعیت اور لسانی یا ادبی حیثیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد معنی دیے گئے ہیں معنی کے بعد اس کے ماخذ لسانی یا اشتقاق کی تفصیل سے نشان دہی کی گئی ہے اور آخر میں اس لفظ کے ذیلی اندراجات دیے گئے ہیں۔

اس لغت کے اس خاکے کی روشنی میں آیئے اب اس کی وضاحت کی طرف ! اس لغت کی تدوین کے لیے وضع کردہ سابقہ اصول اور اس لغت میں اختیار کردہ طریقۂ کار میں اتنا فرق ضرور ملتا ہے کہ جہاں ابتدائی اصول میں یہ طے کیا گیا تھا کہ لفظ کے مادّے، اصل اور ماخذ لسانی کی نشان دہی تلفظ کے بعد اور قواعدی نوعیت سے پہلے کی جائے گی، اس لغت میں یہ کالم (یعنی اشتقاقیات) معنی کی وضاحت کے بعد اور ذیلی اندراجات سے پہلے رکھا گیا ہے۔

اندراجات کے تعین کے سلسلے میں اس لغت کے ابتدائی اصولوں میں یہ طے کیا گیا تھا کہ الفاظ کے انتخاب کے لیے "فرہنگ آصفیہ"، نور اللغات، "جامع اللغات"، "فیروز اللغات"، "امیر اللغات"، "مہذب اللغات"، "دکنی۔ اردو لغت"، "فرہنگ عامرہ"، "فرہنگ اثر"، فیلن کی ڈکشنری، پلاٹس کی ڈکشنری شیکسپیر کی ڈکشنری، فاربس کی ڈکشنری، اصطلاحاتِ پیشہ وران وغیرہ کو سامنے رکھا جائے اور ترقی اردو بورڈ کی وضع کردہ اصطلاحاتِ علمیہ حسب ضرورت شامل کی جائیں گی۔ نیز صحافت سے جدید الفاظ شامل کیے جائیں گے۔ چنانچہ اس لغت کے لیے اندراجات کے تعین کے سلسلے میں مذکورہ اردو لغات اور اردو۔ انگریزی ڈکشنریوں سے وہ الفاظ اخذ کیے گئے ہیں جن کی اردو حیثیت یا تو مسلم ہو چکی ہے یا پھر جن کے اردو استعمال کی سند مل گئی ہے۔ اس طرح اس لغت میں وہ تمام الفاظ شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کے اردو استعمال کی سند مل گئی ہے۔ مثال کے طور پر اس کا ایک اندراج ہے۔ :

درانا : (چرانا، چھپانا) اس اندراج کو امیر خسرو کے اس مصرعے سے اخذ کیا

گیا ہے ؎ زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں[1]

یا

دِسا کرنا: (فراغت کے لیے جنگل جانا) اس اندراج کے لیے میر امّن کی 'باغ و بہار' کو بنیاد بنایا گیا ہے[2]

اس لغت میں اندراجات کے سلسلے میں ایک اہتمام یہ کیا گیا ہے کہ متحد الاصل الفاظ کو ایک بار ہی درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اندراج "دراوڑ" ہے جو اپنے معنی کے لحاظ سے اسم بھی ہے اور صفت بھی! اس کی اصل چوں کہ ایک ہی ہے اس لیے ایک ہی اندراج کے تحت اس کے دونوں معنی (یعنی اسم کے تحت اس کے اسمی معنی اور صفت کے تحت اس کے صفتی معنی) دیے گئے ہیں[3]۔ دوسری طرف متحد التلفظ مگر مختلف الاصل الفاظ الگ الگ درجِ لغت کیے گئے ہیں۔ چنانچہ دانگ: (کسی چیز کا چھٹا حصہ، اصل: [illegible]) اور ڈانگ: (سلسلۂ کوہ، ڈانگ، اصل: [illegible]) کو الگ الگ درجِ لغت کیا گیا ہے[4]۔ اسی طرح "دام" کو بھی اصل اور معنی کے اختلافات کی رو سے پانچ بار الگ الگ درج کیا گیا ہے[5]۔ یا دسا: (حالت، اصل: दशा) اور دَسا: (ایک قوم، اصل: दस्यु) اور دِسا: (سمت، اصل: दिशा) کو بھی الگ الگ اندراجی حیثیت دی گئی ہے[6]۔

اس لغت میں اندراجات میں ترتیب قائم کرنے کے لیے ہجائی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور وہ بایں طور کہ صرف مفرد اندراجات کو ہی اس ترتیب میں رکھا گیا ہے۔ ذیلی اندراجات کو مفرد اندراج کے تحت درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر

---

[1] جلد سوم، صفحہ ۱۵۰

[2] ″ ″ ، ص ۱۱۶

[3] ″ ″ ، ص ۱۰۱

[4] ″ ″ ، ص ۶۷

[5] ″ ″ ، ص ۶۳

[6] ″ ″ ، ص ۲۱۶

دامن کے معنی اور پھر اس کی اصل دینے کے بعد اس کے تمام محاورات، دامن اُلجھنا۔ تا دامن نہ چھوڑنا، ذیلی اندراجات کے طور پر درج کیے گئے ہیں۔ ان ذیلی اندراجات کے بعد پھر تہجی ترتیب قائم رکھتے ہوئے دامنی (بمعنی دامنی) اور دامن آلودہ، وغیرہ مفرد اندراجات شروع ہو گئے ہیں[1]۔ اس کی ایک دوسری مثال دارو سے لیجیے۔

پہلے دارو کے تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے، پھر اس کی قواعدی نوعیت بتاتے ہوئے اس کے معانی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کی اصل (ف) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس اندراج کے بارے میں یہ ساری معلومات فراہم کرنے کے بعد اس کے ذیلی اندراجات ـــــ دارو لگنا، وغیرہ۔ دیے گئے ہیں۔ ان ذیلی اندراجات کے بعد دارو سے بننے والے دوسرے مرکبات ـــــ دارو درمان، دارو درمن، دارو دستہ، وغیرہ (جنھیں اس لغت میں مفرد اندراجات کی حیثیت دی گئی ہے)۔ اصل اندراجات (MAIN ENTRY) کی شکل میں مفرد طور پر درج کیے گئے ہیں (جلد سوم ص۳۱)۔

اسی طرح طلا (زر سونا) کے بعد اگلا اندراج طِلا ہے، پھر طلناب، طلا دوز، طلا ساز، طلاق (طلاق کے دس مرکبات دینے کے بعد) طلاکار درج کیا گیا ہے، کیوں کہ حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے طلاکار کا نمبر طلاق نامہ کے بعد ہی آتا ہے۔ (جلد سوم ص۲۴۷ ـ ۲۴۸)۔

البتہ اس لغت میں طرازی (لاحقہ)، طفل شیر خوار اور طلسم ہوش ربا جیسے اندراجات کھٹکتے ہیں؛ کیوں کہ طرازی محض ایک لاحقہ ہے، جب کہ طفل شیر خوار دو لغاتی اجزا / (طفل + شیر خوار) ہیں۔ اس طرح طلسم ہوش ربا بھی دو لغاتی اجزا کا ہی مجموعہ ہے (جلد سوم ۲۹۳۱)

اس لغت میں ترتیب اندراج سے متعلق ایک دوسری نمایاں بات یہ ہے کہ اس میں تمام نفسی یا ہکاری آوازوں والے حروف یعنی نفسی صوتیوں

---

[1] جلد سوم، ص۵۵ تا ۵۶۔

ر PHONEMES) کو مخلوط حروف نہ مان کر انھیں اردو حروف تہجی کی ایک اکائی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ۔ د (دال) کے بعد دھ ( ) کی تقطیع الگ قائم کی گئی ہے۔ لغت کے مدیر اعلا، پروفیسر مسعود حسین نے اس سلسلے میں بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق کی "لغت کبیر اردو" نیز پاکستان کی "اردو لغت" میں اختیار کردہ طریقہ کار کی نہ صرف توثیق کی ہے[1] بلکہ مثالوں کے ذریعے ان قباحتوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو ان ہکاری آوازوں کو جدا گانہ حروفِ تہجی کی حیثیت نہ دینے کی صورت میں لغت نویسی میں بھی پیش آتی ہیں[2]

اس لغت میں اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی انھیں ارکانِ تہجی میں توڑ کر اوزان پر اعراب لگا کر کی گئی ہے۔ یعنی اس لغت میں سابقہ لغات کے مقابلے میں زیادہ آسان اور سائنٹفک طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سابقہ اوراق میں کہا جا چکا ہے، کہ اردو لغت بورڈ، پاکستان کی زیر اشاعت اردو لغت، لغت نویسی کے جدید اصولوں اور انگریزی کی آکسفورڈ (کلاں) ڈکشنری کے ڈھانچے پر مبنی ہونے کے باوجود اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پا رہی ہے۔ کیوں کہ اس میں تلفظ کی نشان دہی کے لیے قدیم، غیر عام فہم اور اشاراتی، زبان پر مبنی ایک ایسا توضیحی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جس میں تمام عربی اصطلاحیں مخففات کی شکل میں استعمال کی گئی ہیں جس کی وجہ سے اس لغت میں اندراج کے صحیح تلفظ تک رسائی کار دارد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے برخلاف ترقی اردو بیورو (ہند) کی اس زیر تدوین لغت میں تلفظ کی نشان دہی کے لیے عام فہم، آسان اور زیادہ صحیح طریقہ اختیار کرتے ہوئے اردو لغت (پاکستان) کے اس حصے (تلفظ) کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

[1] اس سلسلے کی "تفصیلی بحث لغت کبیر اردو، (مولوی عبد الحق) کے ضمن میں اسی باب کے سابقہ اوراق میں کی جا چکی ہے۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے مضمون "لغت نویسی کے بعض مسائل" مشمولہ۔ ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات، ڈاکٹر عابد حسین میموریل ٹرسٹ، نئی دلی (۱۹۸۵ء)

چند مثالیں:-

(۱) دائرہ (دا ۔ اِ ۔ رَہ) (جلد سوم، ص ۸۹)

(۲) دروغ: (دَ ۔ رُو غ) (" ، ص ۱۹۳)

(۳) دریوزہ: (دَ ۔ ریُو ۔ زہ) (" ، ص ۲۱۰)

(۴) دشمنی: (دُش ۔ مَ ۔ نی) (" ، ص ۲۷۳)

(۵) طبقات: (طَ ۔ بَ ۔ قات) (" ، ص ۲۹۴)

(۶) دری: (دَر ۔ ری) (" ، ص ۲۰۰)

(۷) طلسمات: (طِ ۔ لِس ۔ مات) (" ، ص ۲۹۵۲)

تلفظ کی نشان دہی کے بعد قواعدی نوعیت اور ادبی حیثیت کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس لغت میں تلفظ کی نشان دہی کی طرح ہی قواعدی نوعیت کی نشان دہی بھی حتی الامکان صحیح طریقہ پر کی گئی ہے اس بات کا خاص التزام رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی لفظ اصلاً اسم اور مراداً صفت یا کچھ اور ہے تو اس کی اسمی نوعیت کی نشان دہی پہلے کی گئی ہے اور اگر اس کے برعکس ہے تو پھر صفتی نوعیت کی نشان دہی کو ہی اولیت دی گئی ہے[1] مثال کے طور پر دست کار چوں کہ اسمی معنوں میں زیادہ مستعمل ہے اس لیے اس کے پہلے اسمی معنی اور پھر صفتی معنی دیے گئے ہیں[2]۔ دوسری طرف دستوری اپنے صفتی معنی (دستور سے منسوب، معمول کے مطابق) میں زیادہ مستعمل ہے اس لیے اس کی صفتی نوعیت اور اس کے معنی پہلے اور اسمی نوعیت اور اس کے معنی بعد میں بتائے گئے ہیں[3]۔ البتہ کچھ اندراجات ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اسم اور صفت دونوں ہیں مگر ان کی ایک

[1] اسی طرح اگر کوئی لفظ مذکر اور مؤنث دونوں شکلوں میں مستعمل ہوتا ہے تو اس کی دونوں شکلوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ چنانچہ طلاق کو مذکر اور مؤنث دونوں بتایا گیا ہے (جلد سوم ص ۳۹۲)

[2] جلد سوم ص ۲۳۹

[3] " ص ۲۴۵

ہی نوعیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال دستاربند ہے۔ اسے اس لغت میں صرف اسم، مذکر بنا کر اس کے صرف اسمی معنی ہی لکھے گئے ہیں جب کہ یہ لفظ صفتی معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے (جلد سوم ص۱۲۴)۔ بہر حال اس قسم کی چھوٹی موٹی باتوں سے قطع نظر، اس کی تیسری جلد کے مشمولات کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ اس لغت میں اندراجات کی قواعدی نوعیت کے تعین اور اس کی نشان دہی کے سلسلے میں کافی اہتمام اور احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور ان کے اردو معنی کی بنیاد پر ان کی نوعیت کا تعین کیا گیا ہے۔

قواعدی نوعیت کی نشان دہی کے بعد اس لغت میں اندراجات کی معنوی وضاحت کی گئی ہے۔ معنوی وضاحت کے لحاظ سے بھی یہ لغت اردو لغت (پاکستان) سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں اس سلسلے میں اصول و ضوابط کی بھرپور پیروی کی گئی ہے۔ اگرچہ اس لغت کے ابتدائی ہدایتی اصول میں یہی کہا گیا ہے کہ اس لغت میں معنی کی ترتیب بجز وار از روئے کثرت استعمال یعنی عام سے خاص کی طرف، ہوگی، مگر اس لغت میں اس کے ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ تمام اندراجات کے معنی پہلے وضاحتی طریقے سے پھر مترادفات کی شکل میں دیے جائیں۔ یہ ایک بہت ہی اہم بات ہے جو اردو لغت (پاکستان) میں بھی دیے گئے ہیں مگر اس بات کا کوئی التزام نہیں رکھا گیا ہے کہ پہلے مترادفات دیے جائیں گے یا وضاحت کی جائے گی؛ ترقی اردو بیورو (حکومت ہند) کی اس زیر تدوین لغت کے مدیر اعلا کا معنوی ترتیب کے سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ:

> "لغت کے لفظ کی، جہاں ضرورت ہے، پہلے تعریف دینا چاہیے۔
> اس لحاظ سے اردو لغات نہایت ناقص ہیں۔ اس کے بعد موصوف
> اس سلسلے میں لفظ دل کے معنی سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ـــــ
> آصفیہ نے اس کی تعریف، معنی اور مترادفات حسب ذیل دیے ہیں۔
> (۱) صنوبری شکل کے اندرونی عضو کا نام۔ ...... قلب؛ (۲) توجہ، رخ،
> صاحب نوراللغات نے اس کے تتبع میں یوں لکھا ہے:
> (۱) صنوبری شکل کے اندرونی عضو کا نام ......

صاحب مہذب اللغات نے بھی کم و بیش یہی تعریف اور معنی دہرائے ہیں:

"(۱) جسم میں صنوبری شکل کے ایک اندرونی عضو کا نام جو بائیں جانب ہوتا ہے......"

اس تقابلی مطالعے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دل کی تعریف، مولف فرہنگ آصفیہ کی ذریعے کی گئی تعریف سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ ترقی اردو بیورو کی اس لغت میں دل کی تعریف اس طرح دی گئی ہے:

"(۱) سینے کے اندر بائیں طرف پان کی شکل کے ایک مجوف عضلی عضو کا نام جو ہر وقت حرکت کرتا رہتا ہے اور تمام جسم میں شریانوں کے ذریعے خون دوڑاتا ہے۔ اس کی حرکت رک جانے پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ پرانے زمانے میں خیال تھا کہ انسان سوچنے کا کام بھی اسی عضو سے لیتا ہے، اس کے بعد دل کے معنی اور مترادفات دیے گئے ہیں لیکن ان کی تقسیم دیگر لغات کی طرح اردو اور فارسی میں نہیں کی گئی ہے۔ فارسی معنی اگر اردو نہیں بن سکے ہیں تو انھیں حذف کر دیا گیا ہے"[۱]

اس لغت کے مدیر اعلا پروفیسر مسعود حسین خاں کے اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس لغت میں اندراجات کی وضاحت اور معنی کے سلسلے میں زیادہ سائنسی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس لغت میں صراحی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"(۱) پینے کا پانی یا شراب رکھنے کا ایک لمبی گردن والا مٹی یا شیشے کا چھوٹا برتن، جھجری، گگو......"[۲]

یا دعوا کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"(۱) قاضی یا حاکم یا منصف کے سامنے کسی کے اوپر اپنے کسی حق کا اعلان یا اظہار......"[۳]

---

[۱] پروفیسر مسعود حسین، اردو لغت نویسی کے بعض مسائل، مشمولات ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات، عابد حسین میموریل ٹرسٹ، دلی (۱۹۸۵)

[۲] جلد سوم ص ۲۸۲۵

[۳] " ص ۲۶۲

اس لغت میں اندراجات کی اصل یا مآخذ لسانی کی نشان دہی سب سے آخر میں یعنی معنوی وضاحت کے بعد کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس لغت میں اشتقاقیات (ETYMOLOGY) کے ضمن میں ہندی لغت نویسی کی اصطلاح، "دیشج" کو جوں کا توں اپنا لیا گیا ہے۔ دیشج کے لغوی معنی ہیں دیش کا جایا، یعنی دیس زاد، یعنی کہ دیسی (یعنی غیر سنسکرت مقامی)۔ اس اصطلاح کا استعمال ان الفاظ کے سلسلے میں کیا گیا ہے جن کا اشتقاق کسی سنسکرت مادّے سے متحقق نہیں ہو سکا ہے۔ اس لیے ان الفاظ کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ یہ قبل ہند آریائی زبان کے باقیات میں سے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ کے لیے دیشج کے مقابلے میں دیسی کا لفظ زیادہ آسان تھا لیکن اصطلاحی طور پر لفظ دیسی سے ماقبل ہند آریائی زبان کی طرف خیال نہیں جاتا۔ اس لیے اس سے اجتناب کیا گیا ہے[1] دوسری بات یہ کہ اس لغت میں اشتقاق کے سلسلے میں ہندی (سنسکرت) اور انگریزی اصل والے الفاظ کی اصل دیوناگری اور رومن رسم خط میں دی گئی ہے۔ اس لغت میں بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کی لغت کبیر اردو اور پاکستان کی اردو لغت[2] کے تتبع میں الفاظ کی اصل کی نشان دہی استعمال یا معنوی یا صوری تبدیلی کی بنیاد پر نہ کر کے اس کی اصل زبان سے ہی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ داغی کو جہاں سابقہ لغات میں اپنے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے فارسی (داغ) کی بجائے اردو بتایا گیا ہے۔ اس لغت میں اسے (ف داغ + ای (وصفی)) ہی بتایا گیا ہے[3]

---

[1] اردو لغت نویسی کے بعض مسائل، مشمولہ ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات (۱۹۸۵ء)

[2] جلد سوم، ص ۲۴۴، پروفیسر مسعود حسین خان نے اس سلسلے میں اردو کی سابقہ لغات کی اس ستم ظریفی کا بھی ذکر کیا ہے کہ اردو کے تمام غیر عربی اور غیر فارسی الفاظ کو ہندی بتایا گیا ہے گویا کہ وہ اردو کے نہیں ہیں۔ صرف بعض دوغلے الفاظ کے سامنے ہی اردو کا لفظ لکھا ہے، حالانکہ اردو بنیادی طور پر ہند آریائی زبان ہے اور جس طرح ہندی کا لغت نگار، ہندی کے الفاظ کے آگے ہندی نہیں لکھ سکتا اسی طرح اردو لغت میں بھی ٹھیٹھ اردو کے لفظوں میں ان کا اتا پتہ دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اشتقاق کی نشان دہی کرتے وقت ان کے ارتقا کے کم سے کم دو مدارج یعنی سنسکرت اور پراکرت، دیے جانے ضروری ہیں۔

اردو لغات میں اندراجات کی اصل یا ان کے ماخذ لسانی کی نشان دہی کے سلسلے میں عام طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ انھیں اصل زبان کے ابتدائی حروف (ع = عربی، ف = فارسی اور ہ = ہندی) سے ظاہر کیا گیا ہے۔ پاکستان کی اردو لغت میں اس طریقہ پر اضافہ کرتے ہوئے عربی اور فارسی اصل والے الفاظ کے مادّے اور جہاں تہاں سنسکرت اصل والے الفاظ کی اصل شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے جو دراصل لغت کبیر اردو میں کی گئی کوشش کی ہی توسیع ہے۔ جیسا کہ پاکستان کی اردو لغت کے ضمن میں کہا جا چکا ہے، اس لغت کا سب سے کمزور حصہ اس کے سنسکرت اصل والے الفاظ کے مادّوں کی نشان دہی کا ہے۔ اس کمی کو ترقی اردو بیورو کی اس لغت میں نہ صرف یہ کہ پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ ایسے الفاظ کی پراکرت شکلوں تک اور فارسی اصل والے الفاظ کی قدیم فارسی اور زندہ شکلوں تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو کہ اردو لغت نویسی کی تاریخ میں ایک اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتی ہے۔

چند مثالیں :-

(۱) طلسم :- (یونانی TELSMO انگ: TALISMAN) جلد سوم ص ۲۹۵۲

(۲) عطائی :- (ع: عطا + ف ای۔ خود آموز، ہوشیار، اسٹینگاس)
اس کا املا اتائی بھی ہے جس کا تعلق س: आप्त + आत्मनि
سے ہے، یعنی خود آموز گویا (پلاٹس) (جلد سوم ص ۳۰۶۱)

(۳) ڈھکار: (نقل صوت: ڈھت + س: کار ढिका = कार عمل) (جلد سوم ص ۱۳۳)

(۴) دربارہ: (ف: در (میں) + بار (مٰحنی) = س: कार) (جلد سوم ص ۱۵۳)

(۵) دقاقی: (ع: دق + آر: آلی (لاحقہ) (جلد سوم ص ۲۷۹)

(۶) ڈکرا: (س: क + र + क + टि ڈک + ڑا۔ لاحقہ تصغیر) (جلد سوم ص ۲۹۳)

یہ تھا ترقی اردو بیورو، حکومت ہند کی زیر تدوین پانچ جلدی اردو لغت کا ایک سرسری جائزہ۔ یہ لغت چوں کہ ابھی تک طباعت کے مرحلے تک نہیں

جینچ پائی ہے اس لیے ممکن ہے کہ اس کے اس خاکے میں کچھ اور تبدیلی لائی جائے.
مگر اس کے اصل حصے یعنی اندراجات کے تلفظ کی نشان دہی، معنوی تعریف و ترتیب
اور اشتقاقیات کی نشان دہی کے لیے جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی افادیت
کے پیش نظر یقیناً اسی طرح برقرار رکھا جائے گا۔ کیوں کہ یہ لغت اپنے ان تینوں حصوں
کی وجہ سے ہی اب تک کی لغات پر اہمیت کی حامل ثابت ہوگی۔

اختتامیہ

سابقہ ابواب میں اردو۔اردو لغت نویسی کے سلسلے میں جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اردو میں لغت نویسی کا سلسلہ کافی پہلے شروع ہو چکا تھا مگر اس میں سائنسی انداز بہت بعد میں آیا۔اس کی ایک وجہ تو یہی رہی کہ اردو لغت نگاروں نے لغات کی تدوین خالصتاً لغت نویسی کے اصولوں کے تحت نہ کر کے ذاتی طریقۂ کار کی بنیاد پر کی۔دوسرے یہ کہ ہر لغت نویس، اپنے متقدم لغت نویس کا اتباع کرتا گیا۔یہ اتباع بھی دراصل تحقیقِ لغت کی بجائے تنقیدِ لغت کے میدان میں کیا گیا۔چنانچہ "سرمایہ زبان اردو" "فرہنگ آصفیہ" "نوراللغات" اور "مہذب اللغات" کی تدوین تک یہی صورت حال سامنے آتی ہے کہ ان میں سے ہر لغت کے مدوّن نے اپنے متقدم لغت نویس کی لغت نویسی سے مطمئن نہ ہو کر یہ میدان اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لغات میں تحقیق کا زور کم، تنقید کا زور زیادہ رہا۔

اردو۔اردو لغت نویسی میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی لغت نویسی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے اپنے متعدد مضامین اور پھر اپنی لغت نویسی کے نمونوں کے ذریعے اردو لغت نویسی کو سائنسی اور منطقی مزاج دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے اب تک کی اردو لغات کی ان خامیوں کی نشان دہی کی جن کی وجہ سے وہ لغت نویسی کے عالمی معیاروں سے بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ دلچسپ بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان مولفینِ لغات کے سامنے اگر مغربی لغت نویسی کے نہیں تو، مشرقی لغت نویسی (خاص طور پر فارسی لغت نویسی) کے نمونے یقیناً تھے مگر انھوں نے اس سے استفادہ نہیں کیا۔بہرحال بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اردو لغت نویسی

کو خالصتاً لغت نویسی کے تقاضوں اور اصولوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ ان کی ان کوششوں کے نتیجے میں ہی اس وقت پاکستان اور ہندوستان، دونوں جگہ اردو کی معیاری لغات کی تیاری کا کام جاری ہے۔

اردو لغت نویسی کے مسائل کے سلسلے میں کافی کچھ کہا جا چکا ہے۔ جدید اصولوں پر لغت کی تیاری کے مسائل بھی ہیں۔ اس وقت اردو لغت نویس کے سامنے سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اس زبان کے تمام جدید و قدیم متون ابھی تک سائنسی طریقے پر مدون نہیں کیے گئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ انگریزی لغت نویسی کی سب سے بڑی آسانی (ITALIC) اٹالک حروف ہیں۔ جن کے ذریعے کئی لغاتی مسائل حل کر لیے گئے ہیں۔ اردو کا دامن اس طرح کی سہولت سے تا حال خالی ہے۔ جس کی وجہ سے تلفظ کی نشان دہی کے لیے کوئی یکساں طریقہ کار ابھی تک سامنے نہیں آ سکا ہے۔ اسی طرح انگریزی لغت نویس CROSS REFERENCES سے بھی کئی اہم کام لے لیتا ہے۔

اردو لغت سازی کا ایک دوسرا اہم مسئلہ اس کی طباعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اردو طباعت انگریزی طباعت کی HEADING (آشیاں سازی) یا گھتائی جیسی سہولت سے بھی محروم ہے۔ یہ سہولت کسی حد تک ٹائپ کی طباعت کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔ مگر اردو سماج ابھی تک ٹائپ سے پوری طرح آشنا نہیں ہو سکا ہے جس کی وجہ سے اردو لغت، کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ معلومات کی فراہمی سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو لغت بورڈ پاکستان کی اردو لغت میں جگہ (SPACE) اور کاغذ، دونوں کا اسراف ملتا ہے۔ اگرچہ اس طرف اہل لغت کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے مگر یہ توجہ دہانی کس حد تک بار آور ہو سکے گی یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ اگرچہ پاکستان کی یہ اردو لغت، آکسفورڈ ڈکشنری سے ان سہولیات کے معاملے میں کافی پیچھے ہے لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو لغت سازی میں یہ سب سے جامع اور اہم کوشش ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اب برصغیر ہند و پاک میں جدید اصولوں پر مبنی لغت نویسی کا شعور پیدا ہو چکا ہے۔ پاکستان میں تاریخی اصول پر اور ہندوستان میں لسانیاتی اصول پر لغت سازی کی جا رہی ہے۔ یہ دونوں لغات، اردو لغت نویسی کے لیے ایک اہم سنگ میل ثابت ہوں گی۔

کتابیات

(الف) کتب حوالہ

نمبر شمار	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ اشاعت
۱۔	اردو املا	رشید حسن خاں	نیشنل اکادمی دلی	۱۹۷۴ء
۲۔	اردو مخطوطات کتب خانہ آصفیہ	نصیر الدین ہاشمی	مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد	۱۹۶۱ء
۳۔	ارمغان مالک	______	مجلس ارمغان مالک نئی دلی	۱۹۷۱ء
۴۔	اردوئے قدیم	حکیم شمس الدین قادری	یلیکا پرنٹنگ پریس کراچی	۱۹۶۳ء
۵۔	الفلسفۃ اللغویۃ فی الالفاظ العربیۃ	جرجی زیدان	مطبوعہ الہلال مصر	۱۹۶۴ء
۶۔	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ دلی	۱۹۷۷ء
۷۔	داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری	آگرہ اخبار پریس طبع ثالث	۱۹۶۶ء
۸۔	دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشاء	انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن	۱۹۵۵ء
۹۔	دکن میں اردو مخطوطات	نصیر الدین ہاشمی	نسیم بک ڈپو لکھنؤ	۱۹۶۳ء

۱۰-	دہلی کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست	ڈاکٹر صلاح الدین	انجمن ترقی اردو ہند دہلی	۱۹۷۵ء
۱۱-	ڈاکٹر عابد حسین یادگاری خطبات		ڈاکٹر عابد حسین میموریل ٹرسٹ نئی دہلی	۱۹۸۵ء
۱۲-	شعر و زبان	پروفیسر مسعود حسین	شعبۂ اردو، حیدر آباد	۱۹۶۶ء
۱۳-	تاریخ ادب اردو		علی گڑھ	
۱۴-	قدیم اردو	ڈاکٹر عبد الحق	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی	۱۹۵۱ء
۱۵-	کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ	جابر علی سید	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۱۹۸۴ء
۱۶-	گل کرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	انجمن ترقی اردو ہند	
۱۷-	لغت نویسی کے مسائل	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	مکتبہ جامعہ دہلی	۱۹۸۵ء
۱۸-	مباحث	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۵ء
۱۹-	مقدمہ تاریخ زبان اردو	پروفیسر مسعود حسین خان	سرسید بک ڈپو علی گڑھ	۱۹۵۸ء
۲۰-	مطالعۂ امیر	ڈاکٹر ابو محمد سحر	نسیم بک ڈپو لکھنؤ	۱۹۶۵ء
۲۱-	نقوش سلیمانی	سلیمان ندوی	معارف پریس اعظم گڑھ	۱۹۳۹ء
۲۲-	یورپ میں دکنی مخطوطات	نصیر الدین ہاشمی	شمس المطابع حیدر آباد	۱۹۳۲ء

(ب) رسائل

نمبر شمار	نام رسائل	ناشر	سنہ اشاعت
۲۳-	اردو	انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی جنوری	۱۹۳۱ء
۲۴-	اردو ادب علی گڑھ شمارہ نمبر (۱)		۱۹۶۶ء

۲۵-	اورنٹیل کالج میگزین حصہ اول		نومبر ۱۹۳۱ء
۲۶-	″ ″ ″ ″		فروری ۱۹۳۶ء
۲۷-	تحریر	مرتبہ مالک رام شمارہ نمبر (۱)	دلی ۱۹۶۱ء
۲۸-	خدا بخش لائبریری جرنل	خدا بخش لائبریری پٹنہ شمارہ ۱۲، ۱۹۷۷ء، شمارہ ۲، ۱۹۸۴ء، شمارہ ۳، ۱۹۸۶ء	
۲۹-	غالب نامہ	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی	جنوری ۱۹۸۶ء
۳۰-	مخزن	لاہور	مارچ اپریل ۱۹۲۹ء
۳۱-	نوائے ادب	بمبئی	جنوری ۱۹۶۲ء
۳۲-	نیا دور	لکھنؤ	جنوری ۱۹۶۲ء
۳۳-	″	″	اکتوبر ۱۹۷۴ء
۳۴-	ہندوستانی تماہی،	ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد	جنوری ۱۹۴۴ء

(ج) لغات

۳۵-	اردو لغت جلد اول	ترقی اردو بورڈ (پاکستان) کراچی	۱۹۷۷ء
۳۶-	″ جلد دوم	″ ″	۱۹۷۹ء
۳۷	″ جلد سوم	″ ″	۱۹۸۱ء
۳۸	″ جلد چہارم	″ ″	۱۹۸۲ء
۳۹	″ جلد پنجم	اردو ڈکشنری بورڈ ″	۱۹۸۳ء
۴۰	″ جلد ششم	″ ″	۱۹۸۴ء
۴۱	امیر اللغات منشی امیر مینائی جلد اول	مطبع مفید عام پریس آگرہ	۱۸۹۱ء
۴۲	″ ″ جلد دوم	″ ″	۱۸۹۲ء
۴۳	جامع اللغات مفتی علامہ سرور لاہوری	مطبع نولکشور لکھنؤ	۱۸۸۲ء
۴۴	″ خواجہ عبدالمجید،	جامع اللغات کمپنی لاہور	۱۹۳۳ء
۴۵-	شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان	مرزا طپش جان دھلوی خدا بخش لائبریری پٹنہ	۱۹۷۹ء

۴۶۔ فرہنگ آصفیہ جلد اول سید احمد دہلوی مطبع مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۱ء

۴۷۔ " جلد دوم " " " ۱۸۹۲ء

۴۸۔ " جلد سوم " ترقی اردو بورڈ دہلی بار دوم ۱۹۷۴ء

۴۹۔ " جلد چہارم " " " " ۱۹۷۴ء

۵۰۔ فرہنگ عمید طہران ۱۳۵۰ہج

۵۱۔ فیروز اللغات اردو مولوی فیروز الدین فیروز اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۳ء

۵۲۔ لغات اردو سید احمد دہلوی مطبع گلزار، شملہ ۱۸۸۸ء

۵۳۔ لغات گجری (مرتبہ) نجیب اشرف ندوی لاولی پبلشرز بمبئی ۱۹۶۲ء

۵۴۔ لغت کبیر اردو مولوی عبد الحق انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی ۱۹۷۳ء

۵۵۔ لغت نامہ (فارسی) علی اکبر دہخدا (زیر) تہران ۱۹۷۸ء

۵۶۔ مخزن المحاورات منشی چرنجی لال مطبع محب ہند دہلی ۱۸۸۶ء

۵۷۔ مصطلحات اردو مولوی اشرف علی مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۹۰ء

۵۸۔ منتخب النفائس محبوب علی رامپوری ۱۸۴۸ء

۵۹۔ مہذب اللغات مہذب لکھنوی ۱۲ جلدی ۱۹۵۸ تا ۱۹۷۹ء

۶۰۔ نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات سراج الدین علی خاں آرزو انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۱ء

۶۱۔ نوراللغات (چار جلدی) مولوی نورالحسن کاکوری نیر پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ تا ۱۹۳۱ء

(د) نصاب نامے

۶۲۔ بیت الپناضہ منشی محمد جمعیت علی مطبع مطلع الانوار سہارنپور ۱۸۸۸ء

۶۳۔ حفظ اللسان (مرتبہ) حافظ محمود شیرانی انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۴ء
معروف بہ
خالق باری

۶۴۔ خالق باری اکرم بیسالی محمد اکرم مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۶۳ہج

۶۵۔ قادنامہ غالب (مرتبہ) عبدالقوی دسنوی سیفیہ کالج بھوپال ۱۹۷۱ء

۶۶۔ نادر ترّاخا منشی محمد جمعیت علی مطبع مطلع الانوار سہارنپور ۱۳۵۷ھ

۶۷۔ ہفت زبان (رسالہ) سید محمد اصغر علی آبرو۔

---

(۵) کتب انگریزی وہندی

1. A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English, BY John T. Platts, Oriental Books Reprint Corporation, New Delhi-1977.

2. A New English - Hindustani Dictionary By S.W. Fallon, Gulab & Sons, Lahore - 1941.

3. Arabic Lexicograohy By John A. Haywood.

4. A Survey of English Dictionaries, By M. M. Mathew.

5. Dictionary Hindustani And English, By Duncan Forbes, Ilmi Majlis, Delhi - 1961.

6. Dictionary In Urdu And English, By J. T. Thompson, Calcutta - 1838.

7. Dictionaries: British and American, By J. R. Herbert, London - 1968.

8. English Dictionary from Cowdrey to Johnson, By Searnes and Noyes, University of Carlino Press - 1946.

9. Encyclopaedia Britanica (Vol.VII. X and XI) - 1974

10. The Evolution of English Lexicography, By J. Murrey.

11. New Hindustani English Dictionary, By.S.W. Fallon, Medical Hall Press, Benaras - 1879.

12. Language, By L. Bloomfield.

13. The Philosophy of Grammar, By Otto Jesperson - 1935.

14. Sanskrit- English Dictionary, By M. Williams.

15. 'शब्द अध्ययन', डा॰ भोलानाथ तिवारी, दिल्ली - 1970.

16. 'हिन्दी कोश विज्ञान का उद्भव और विकास', डा॰ युगेश्वर, भारतीय विद्या भवन, वाराणसी - 1971

17. 'शब्दसागर' हिन्दी कोश, नागरी प्रचारिणी सभा, काशी, वाराणसी

RS.30